"کیا ہوا خرم بیٹا.....! کیا کہہ رہا ہے شہباز.....؟ وہ آیا کیوں نہیں.....؟"

مما پپا سب چھوڑ چھاڑ خرم کے قریب کارپٹ پر آ کر بیٹھ گئے اور لیلیٰ سن کھڑی تھی۔ خرم کا انداز بتا رہا تھا کہ شہباز نے کوئی ایسی انہونی بات کہہ دی ہے۔ خرم کے چہرے پر دُکھ، حیرت اور غصہ تھا۔ لیلیٰ میں تو اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ پوچھے کیا بات ہے۔ طرح طرح کے وہم وسوسے اژدھے بن کر منہ کھولے اسے اور اس کی بچی کو نگل لینے کو آگے بڑھ رہے تھے۔

"خرم بیٹا.....! آخر ہوا کیا ہے.....؟ کیوں تم اتنے گم صم ہو.....؟ کیا کہا ہے شہباز نے.....؟ مجھے تو گھبراہٹ ہو رہی ہے بیٹا.....! کچھ تو بتاؤ.....!" فاطمہ کو سارے گھبراہٹ کے پسینے آ رہے تھے خنکی کے باوجود۔

"مما.....! کیا ہونے جا رہا ہے.....؟ بھائی.....! آپ چپ کیوں ہیں.....؟ شہباز نے کیا کہا ہے.....؟ پلیز مجھے بتائیں۔"

لیلیٰ کے تو دونوں ہاتھوں پیروں میں گویا جان ہی نہیں رہی تھی۔ اس نے ملتجی نظروں سے خرم کی طرف دیکھا۔ خرم نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ اس کی نازوں پلی بہن اتنے بڑے صدمے سے زندگی کی اتنی بڑی حقیقت کو فیس کرنے جا رہی تھی، اس نے لیلیٰ کو تھاما اور بستر پر لا بٹھایا کیونکہ اب وہ باقاعدہ کانپ رہی تھی۔

"زندگی مسلسل سفر کا نام ہے میری بہن.....! اور سفر میں ہر طرح کے موڑ آتے ہیں۔ خوشگوار بھی اور ناخوشگوار بھی۔ کچھ موڑ تو اتنے مشکل اور فیصلہ کن ہوتے ہیں کہ ہمیں زندگی کو ناہمواری سے بھی بچانا ہوتا ہے اور نئے مرحلے کا تعین بھی کرنا ہوتا ہے۔"

کچھ توقف کے لئے خرم نے رُک کر لیلیٰ کو دیکھا۔ وہ ساکت نظروں سے اور زرد چہرے کے ساتھ بھائی کو دیکھ رہی تھی جو نجانے اسے کس مرحلے کے لئے تیار کر رہا تھا، کس نئے موڑ کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔

"خرم.....! یہ سب تم کیا اور کیوں کہہ رہے ہو.....؟ آخر بتا کیوں نہیں رہے.....؟"

زبیر صاحب اس تناؤ سے گھبرا کر خرم کے قریب آ گئے تو اک گہرا سانس خرم کے سینے سے آزاد ہو کر فضا میں گم ہو گیا۔

"پپا.....! یہ ناگہانی آفت کس کو کہتے ہیں.....؟" خرم جو بات شہباز کے منہ سے سن چکا تھا اس کے بعد تو اس کے حواس کی دُنیا میں ایک افراتفری مچ گئی تھی۔ وہ تو ڈول رہا تھا ہوا کے تیز جھکڑوں کے ساتھ۔ پپا حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ پھر جانے کب تک خرم کی معنی خیز خاموشی ان سب کی جان کا عذاب بنتی، شہباز نے آ کر اس تجسس کو ختم کر دیا۔

"کیا یہی ہے تمہارا پیار.....؟ یہی ہے میرا اعتبار.....؟ یہی ہے تمہارے ساتھ کا یقین.....؟ کیا یہی ہے تمہارے لفظوں کا بھرم.....؟ اگر یہ سب نہیں تو پھر یہ..... یہ کیا ہے.....؟ بتاؤ یہ سب کیا ہے.....؟"

شہباز نے وہ میگزین جس نے اس سے سب کچھ چھین لیا تھا لیلیٰ کے پیروں میں پٹخ دیا۔ سرورق پر مسکراتی اپنی اور وجاہت کی تصویر دیکھ کر وہ تمام منظر نگاہوں میں گھوم گیا۔ ساتھ ہی اسے یہ کمرہ، یہ گھر، ساری دُنیا گھومتی لگی، وہ جو کھڑی تھی چکرا کر شہباز کے قدموں میں جا گری کیونکہ یہ سب حقیقت تھا کہ اس نے وقار اور وجاہت کی باتوں میں آ کر وہ لونگ پلے سائن کیا تھا مگر یہ وجاہت کے اتنے قریب نئی تصاویر، یہ جھوٹے الفاظ، شہباز سے علیحدگی کی باتیں، وجاہت سے شادی نہ کرنے کا افسوس اور نجانے کیا کیا کچھ بکواس درج تھی میگزین میں اس کی ذات کے حوالے سے اور سب کچھ اس انداز سے تھا، حقیقت سے اتنا قریب تھا کہ آج وہ شہباز کی عدالت میں کھڑی بے بسی سے سوچ رہی تھی کہ اس عدالت میں وہ اپنا وکیل کس کو مقرر کرے، اپنے پیار کو جو صرف اور صرف اس نے شہباز کے ساتھ کیا تھا مگر وہ پیار تو بہت مجبور اور بے بس ہو گیا تھا اس کی طرح یا پھر شہباز کے اس اعتبار کو وکیل بناتی اعتماد کو جو اسے اس پر تھا اور جس اعتبار کے آئینے کو میگزین پر درج خبر نے چکنا چور کر دیا تھا کہ وہ ساری زندگی ان کرچیوں کو جوڑ کر جو آئینہ تیار کرتی اس میں اعتبار کی انتہائی بدصورت اور بدنما صورت دکھائی دیتی یا پھر وکیل کرتی اس ساتھ کے یقین کو جو اب حالات کے بہاؤ میں ڈوبا ہی چاہتا تھا۔ وہ بہت کچھ بولنا چاہتی تھی مگر سارے الفاظ برف کے اس تودے کے پیچھے آ کر ڈھیر ہو رہے تھے جو حلق میں پھنسا ہوا تھا جس نے زبان کو سن کر دیا تھا۔ وہ بے آواز گونگے لفظوں کے ساتھ ہاتھ پیر مار رہی تھی مگر اس کی آواز کسی تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

اس نے بے بسی سے شہباز کو دیکھا۔ کتنا ٹوٹ کر اس نے اس انسان کو چاہا تھا، وہ تو اس شخص کی ایک لمحے کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی تھی جو ہاتھوں میں عمر بھر کی جدائی کا پروانہ لئے کھڑا تھا۔ اس نے مما کو دیکھا جن کی زندگی بیٹی سے شروع ہو کر بیٹی پر ختم ہوتی تھی اب بے بسی کی تصویر بنی کھڑی تھیں، پپا شہباز سے بہت کچھ کہنا چاہتے تھے مگر سب کی آواز بند ہو گئی تھی یا الفاظ مٹ گئے تھے۔ رہ گیا خرم تو اس کی نظر میں بہنوئی سے زیادہ بہن گناہگار تھی مگر دُکھ بہن کے لئے زیادہ تھا۔ اس کمرے میں پانچ زندہ لوگ تھے، ان کے دلوں میں طوفان اُٹھ رہے تھے، سب اپنی سی کوشش میں تھے کہ کشتی صحیح وسالم کنارے تک آ لگے مگر سب چپ تھے مگر اس کمرے کی چھٹی زندگی ابھی زندگی کے سخت جان لیوا حقائق سے ناواقف تھی، اس نے بلا روک ٹوک اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو جیسے طلسم ٹوٹ گیا، وہ سحر ٹوٹ گیا جس نے سب کو بے حس کر دیا تھا۔

"شہباز یہ..... یہ سب جھوٹ ہے شہباز.....! یقین کرو..... یہ تصویر اس طرح نہیں بلکہ اس روز کوئی تصویر نہیں کھینچی گئی یہ..... یہ وقار اور وجاہت کی بدتمیزی ہے شہباز.....!"

لیلیٰ چیخ رہی تھی، چلا رہی تھی، الفاظ اس کی زبان پر آ رہے تھے مگر شاید کوئی سن ہی نہیں رہا تھا۔ وہ تو پتھرائی

Scanned & Posted by Sanyoo @ OneUrdu.com
UrduPhoto.com

آنکھوں سے سب کچھ دیکھے جا رہی تھی۔

"شہباز بیٹا.....! دیکھو تم میری بات ذرا صبر اور دھیان سے سنو گے تو تمہیں سمجھ میں آ جائے گا ورنہ....."

زبیر صاحب نے اتنی دیر میں اپنی عمر بھر کی طاقت جمع کی اور بیٹی کے دفاع کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہاں بیٹا.....! تم یقین کرو نہ کرو اس میں لیلیٰ کا کوئی قصور نہیں۔ وقار اور وجاہت کا جب حد سے زیادہ اصرار ہوا تو میں نے لیلیٰ کو اجازت دی کہ وہ لونگ پلے کرے۔ ہمارے کہنے پر اس نے ہامی بھری تھی بیٹا.....! ورنہ یہ تو ہرگز تیار نہیں تھی، اس نے تو صاف انکار کر دیا تھا، وہ تو ان کے ' 'راور شوبز میں اس کی مانگ کے پیش نظر ہم نے اسے مجبور کیا تھا اور.....اور وہ لانگ پلے ابھی ہوا بھی نہیں، ابھی تو صرف اس نے سائن کیا ہے لیکن اب نہیں کرے گی، اب وہ یہ پلے نہیں کرے گی، تمہاری خاطر ہی تو اس نے اپنے اس شوق کو مار دیا ہے ورنہ بیٹا.....! جتنا اسے شوق تھا اور جتنی اسے ایک سیریل سے مقبولیت مل گئی ہے اور جتنا لوگ اسے پسند کرتے ہیں اس سے یہ آج انتہائی بلندی پر ہوتی اگر مستقل کام کرتی مگر اس نے تمہاری خاطر اپنے اس شوق کو ختم کر دیا ہے بیٹا.....!"

فاطمہ ماں تھیں اور ممتا کی رو میں بہہ کر سب بولے جا رہی تھیں۔ ان کو یہ بھی احساس نہیں تھا کہ وہ وہ بات بھی کہہ رہی ہیں جو اس صورت حال کو مزید بگاڑ سکتی ہے۔ وہ تو بس اپنی بیٹی کی خوشی چاہتی تھیں، انہوں نے بچپن سے لیلیٰ کی ہر خوشی پوری کی تھی، ہر جائز اور ناجائز خواہش پوری کی تھی کیونکہ وہ اسے خوش دیکھنا چاہتی تھیں اور وہ جانتی تھیں کہ ایکٹنگ لیلیٰ کا جنون ہے، اس کا شوق ہے، وہ چاہتی تھیں وہ بھی پورا ہو لیکن شہباز کی خاطر انہوں نے اسے ہمیشہ اس طرف آنے سے روکا تھا مگر اب ایک خوفزدہ ماں اپنی بیٹی کی وکالت کر رہی تھی اور بوکھلاہٹ میں ایسے دلائل دے رہی تھی جو نہیں دینے چاہئے تھے۔ شہباز اُجڑا ہوا، ٹوٹا ہوا ضرور تھا مگر وہ فیصلے کے پل صراط کو پار کر کے یہاں تک پہنچا تھا۔ وہ تو خود سے آنے والے حالات سے، گزرے ہوئے وقت، ٹوٹے خوابوں سے اتنا لڑا تھا کہ اب اس میں بات کرنے کی سکت بھی باقی نہیں تھی۔ وہ تو ایسے جیتے کا ریفری تھا جس نے بہت اعصاب شکن کھیل کھیلا تھا اور اب ہار جیت کا فیصلہ کرنے کی ہمت بھی نہیں تھی اس میں۔ لیلیٰ کا دل اس رفتار سے دھڑک رہا تھا گویا آج کے بعد نہیں دھڑکے گا ماحول کا یہ تناؤ زبیر صاحب کے فشار خون کو بلند کرتا جا رہا تھا، خوفزدہ سا بھائی جو شہباز کو درست قرار دیتے ہوئے فیصلہ اپنی بہن کے حق میں چاہتا تھا مگر شہباز کو اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ وہ کیا سوچ رہے تھے، کیا چاہ رہے تھے۔ اس کی نظریں اپنی معصوم بچی پر تھیں جو ابھی تک بے نام تھی، جو اپنی نانی کی گود میں مچل مچل کر اپنے خاموش احتجاج کا اظہار کر رہی تھی۔ شہباز مردہ قدموں سے آگے بڑھا اور بچی کو گود میں لے لیا۔

"مما.....! آپ کی بیٹی کا یہی تو کمال ہے کہ یہ پتہ ہی نہیں چلنے دیتی، یہ کس کو عزیز رکھتی ہے، کس کو قریب رکھتی ہے، کس کو مار دیتی ہے، ختم کر دیتی ہے۔ آپ نے درست کہا ہے مما.....! کہ اس نے ختم کر دیا ہے مگر شوق نہیں اپنا گھر، اپنا شوہر، اپنی بچی، سب کو.....سب کو ختم کر ڈالا ہے اس نے، سب کچھ جلا کر راکھ کر ڈالا ہے اس نے اپنے شوق کی چنگاری سے ختم ہی تو کر ڈالا ہے اس نے اپنی محبت کو، میری اس معصوم بچی کو جس کو ابھی تک نام بھی نہیں ملا۔"

شہباز کی آواز کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔ اس کے چہرے پر کھنڈروں کی سی ویرانی تھی۔ وہ بچی کو سینے سے لگائے گویا سسک سا پڑا۔ زبیر صاحب بڑی ہمت کر کے آگے بڑھے، ان کا خیال تھا شہباز ذرا دقیانوسی سوچ کا اظہار کر رہا ہے اگر لیلیٰ نے لانگ پلے سائن کر لیا ہے تو اس میں اتنا اوور ری ایکٹ کرنے کی کیا بات تھی۔

"شہباز بیٹا.....! دیکھو میں.....میں مانتا ہوں کہ تم بہت خفا ہو، شوبز تمہیں ناپسند ہے، لیلیٰ کا ایکٹنگ کرنا تمہیں گوارہ نہیں مگر اتنا شوق ہونے کے باوجود اس نے تمہاری خاطر سب کچھ ختم کر ڈالا اور یہ لانگ پلے تو لیلیٰ نے ہمارے کہنے پر میری اجازت سے سائن کیا تھا بیٹا.....! اس میں لیلیٰ کا قصور نہیں میری اجازت سے....."

"ایکسکیوز می انکل.....!" زبیر صاحب کی بات پر شہباز کی رگیں تن گئیں۔ ہر چند کہ وہ ان کے والدین ہونے کا لحاظ کر رہا تھا مگر ان کی غلط بات پر وہ سلگ اُٹھا۔

"معذرت کے ساتھ انکل.....! جب لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو والدین بھی کہتے ہیں کہ بیٹا.....! اب تمہاری زندگی کے بارے میں سارے فیصلے کرنے کا حق تمہارے شوہر کو ہے پھر آپ لوگوں نے شوہر کی حیثیت کو پس پشت ڈال کر ایسا فیصلہ کس طرح کر لیا جس نے بیٹی کا گھر برباد کر دیا۔"

مردہ لہجے میں اُجڑے دیاروں کی سی ویرانی اور سناٹے تھے۔ اس نے تڑپتے لب بیٹی کی پیشانی پر رکھ دیئے۔

"نہیں بیٹا.....! ایسی بات نہیں ہے۔ بھلا ہم تمہارے بغیر کوئی فیصلہ کر سکتے تھے۔ لیلیٰ نے یہ ڈرامہ سائن کرنے سے پہلے تمہیں بہت ٹریس کیا تھا مگر.....مگر بیٹا.....! تم سے رابطہ بھی نہیں ہو سکا اور مجبوراً اسے ڈرامہ سائن کرنا پڑا۔" فاطمہ ماں تھیں ان کو بہت گھبراہٹ ہو رہی تھی لیلیٰ کو دیکھ کر جو ابھی تک سکتے کی حالت میں میگزین پر نظریں جمائے ساکت بیٹھی تھی۔ ان کی سمجھ میں جو آ رہا تھا بولے جا رہی تھیں۔ یہ وہ باتیں تھیں جو بات مزید بگاڑ رہی تھیں اور اس بات کا احساس خرم کو بخوبی ہو رہا تھا تب ہی اس نے ماں کو آہستگی سے کہا۔

"مما.....! پلیز آپ گڑیا کو باہر لے جائیں میں.....میں بات کر رہا ہوں ناں۔"

"لیکن یہ.....یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ اتنی سی....."

"ہوا تو بجھتی ہوئی چنگاری کو بھی زندگی دے جاتی ہے مما.....! اور آپ کی باتیں بھی یہی کام کر رہی ہیں۔ پلیز آپ اس وقت چلی جائیں پلیز.....!"

بیٹے کے اصرار پر فاطمہ بے شمار اندیشوں میں گھری لیلیٰ پر ایک نظر ڈالتی باہر نکل گئیں کیونکہ بچی بہت تنگ کر رہی تھی۔ ان کے جانے کے بعد خرم شکست خوردہ قدموں سے شہباز کی طرف بڑھا۔ وہ اپنے اندر ہمت نہیں پا رہا تھا کہ اس سے بات کرے۔ یہ ڈرامہ، یہ انٹرویو، یہ فوٹو سیشن ان سے وہ خود بھی ناواقف تھا۔ اسے علم ہوتا تو وہ اسے روک دیتا، منع کرتا لیلیٰ کو اور وجاہت تو اسے بہت برا لگا تھا مگر اب جبکہ یہ سب ہو گیا تھا۔ شہباز تک پہنچتے پہنچتے نجانے اس نے کیا کچھ سوچ ڈالا تھا کہ اپنی مجرم بہن کی وکالت کرے تو کس طرح کرے، اس کے پاس کھوکھلے اور بے جان دلائل تھے اور کوئی بھی مقدمہ جھوٹ اور کمزور دلائل سے جیتا نہیں جا سکتا پھر بھی اس نے کپکپاتے ہاتھ شہباز کے شانے پر رکھ دیئے تو وہ چونک کر مڑا۔

UrduPhoto.com

"شہباز.....! میں..... میں تمہاری عدالت میں جھوٹے اور کمزور دلائل سے لیلیٰ کی وکالت نہیں کروں گا۔ جو کچھ ہوا اس میں سراسر مما پپا اور خود لیلیٰ کا قصور ہے۔ مما پپا تو اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہوں گے، والدین تو اپنے بچوں کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں مگر ایک شادی شدہ لڑکی کو پتہ ہوتا ہے کہ اسے اپنا گھر کیسے آباد رکھنا ہے، اس کا شوہر کس بات سے خوش اور کس بات سے ناخوش ہوتا ہے۔ جب لیلیٰ کو معلوم تھا کہ تمہیں یہ سب پسند نہیں تو پھر اس نے ایسا کیوں کیا.....؟ خواہ کوئی کتنا بھی اصرار کرتا اسے صرف تمہاری محبت میں انکار کر دینا چاہئے تھا، محبت کے لئے اسے اپنے شوق کو مار دینا چاہئے تھا لیکن مجھے نہیں معلوم کہ تمہیں اتنا چاہنے کے باوجود وہ کمزور کیوں پڑ گئی.....؟ اپنی ویز نکلا ہوا تیر کبھی واپس نہیں آتا۔ میں بس ایک چھوٹی سی بات کہوں گا شہباز.....! کہ لیلیٰ کی غلطی کو معاف کر دو پلیز.....!"

خرم نے دبے دبے لہجے میں لیلیٰ کو دیکھتے ہوئے التجائیہ انداز میں کہا تو شہباز کے دل میں ٹیس سی اٹھی۔ اس نے ایک نظر لیلیٰ کو دیکھا۔ وہ کچھ ہی فاصلے پر بیڈ کے قریب کارپٹ پر بیٹھی ساکت پلکوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ چہرہ اور آنکھیں ہر قسم کے تاثر سے بے نیاز تھیں، کتنا ٹوٹ کر چاہا تھا اس لڑکی کو اور اس نے کتنا منع کیا تھا کہ اس کی خاطر اپنے اس شوق کو ختم کر دو مگر اس نے ایسا نہیں کیا، دوبارہ شوبز میں جا ٹکی اور اس جنگل میں اپنا آپ گنوا بیٹھی، اپنا گھر، اپنی بچی، اپنا شوہر سب کچھ ہی تو گم ہو گیا تھا اس جنگل میں، انٹرویو میں بے سروپا بیہودہ باتیں چھپی تھیں جن کا وجود نہیں تھا۔ خود شہباز سے علیحدگی کی خبر تھی جس میں کوئی سچائی نہیں تھی مگر یہ سب باتیں وہ لوگ جانتے تھے جو جان پہچان کے دائرے میں آتے تھے۔ مگر باقی کی ساری دُنیا کی نظر میں وہ بدنام ہو گیا تھا، وہ ایک جابر شوہر کی حیثیت سے بدمزاج اور اکھڑ، خود پسند شوہر مشہور ہو جاتا، وہ اپنی حسین بیوی پر ظلم کرتا تھا جس نے جبراً اسے شوبز میں آنے سے روکا تھا اور شہباز شوبز کے ان اسکینڈلز کی وجہ سے اس کے خلاف تھا اور لیلیٰ کو منع کرتا تھا مگر لیلیٰ نے وہ سب کچھ کر ڈالا تھا جس سے وہ ڈرتا تھا پھر اسے غصہ آنا یقینی تھا۔ وہ تو فیصلہ کر کے آیا تھا، خرم معافی کی بات کر رہا تھا۔

"دیکھو خرم.....! جتنا تم مجھے سمجھے ہو ناں، کاش تمہاری بہن بھی مجھے اتنا جان لیتی، سمجھ لیتی، پہچان لیتی تو آج یہ حالات نہ ہوتے اور ہم فیصلے کے اس موڑ پر کھڑے نہ ہوتے جہاں سے کوئی راستہ بھی ہماری منزل کی طرف نہیں جاتا۔ تم نے بات معافی کی کی ہے تو خرم.....! میں بہت چھوٹا آدمی ہوں، اپنے اس مجرم کو جو میرے احساس کا، میری محبت کا، میرے اعتبار کا قاتل ہو، معاف نہیں کر سکتا۔ اگر معاف کر بھی دوں تو بھلا نہیں سکتا اور معاف کر کے یاد رکھنا سب سے بڑی منافقت ہے۔ خرم.....! اس لئے میں اس کو اس وقت معاف کروں گا جب میں اس کی غلطی کو بھلا بھی سکوں۔ اس لئے پلیز اب مجھے اور کچھ مت کہنا۔"

شہباز بہت ٹوٹ چکا تھا۔ سرد اور فیصلہ کن لہجے میں ڈھلے الفاظ بے حس بیٹھی لیلیٰ کی سماعتوں سے ٹکرا ٹکرا کر لوٹ رہے تھے۔ وہ اس خنکی میں بھی پسینے میں شرابور تھی۔ فاطمہ کو کسی کل قرار نہیں تھا، وہ بچی کو لے کر دوبارہ آ گئیں۔ ماحول کا تناؤ بڑھ چکا تھا۔ ہر شخص اپنی جگہ دُکھی اور بے بس نظر آ رہا تھا۔ زبیر صاحب سینے میں ہوتی گھٹن اور تکلیف کو ہاتھ سے مسل مسل کر مٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"میں..... میں سمجھ رہا ہوں شہباز.....! تمہارے درد کو، احساسات کو، جذبات کو مگر..... مگر محبت میں تو

بہت گنجائش ہوتی ہے دوست.....!" خرم نے بہن کی گھریلو زندگی کو ڈوبنے سے بچانے کے لئے ایک اور کوشش کی تو شدت ضبط سے شہباز نے آنکھیں میچ لیں، دل میں درد کا اک جہاں آباد ہو چکا تھا، وہ لٹ گیا تھا، اس کا گھر، اس کی محبت برباد ہو رہی تھی، اس سے بڑھ کر اس کے لئے صدمہ کیا ہو سکتا تھا مگر وہ اُصول پرست آدمی تھا۔ اس نے نہ تو کبھی دھوکا دیا تھا اور نہ ہی کھایا تھا اور آج دھوکا دیا بھی تو کس نے، اس نے جسے اس نے خود سے بڑھ کر چاہا تھا۔

"ہاں.....! محبت میں تو بہت گنجائش ہوتی ہے خرم.....! مگر یہ جو انسانی ظرف ہے ناں اگر اعلیٰ مقام پر ہو تو دل بھی معاف کر دیتا ہے مگر یہی ظرف پستی کی پاتال میں ہو تو شہباز بن جاتا ہے۔ میں بہت کمزور اور چھوٹے ظرف کا بندہ ہوں۔ خرم.....! زندگی میں ایسے حالات و واقعات آئے ہیں کہ اعلیٰ ظرفی کے اعزاز بھی وصول کئے ہیں۔ یہ پہلا موقع ہے کہ جہاں..... جہاں....."

بولتے بولتے الفاظ حلق میں پھنس گئے۔ اس کے چہرے کے کرب سے دل کی حالت عیاں تھی۔

"بہت..... بہت چاہا ہے میں نے لیلیٰ کو، اتنا کہ اس کا اندازہ میں خود بھی نہیں لگا سکتا۔ بہت مان، بہت اعتبار تھا مجھے اس پر، اتنا اعتماد کسی شوہر کو اپنی بیوی پر نہیں ہو گا جتنا مجھے اس کی محبت پر تھا۔ خرم.....! میں نے اس کو کہا تھا کہ میرے اعتبار کا یہ عالم ہے کہ مجھے یقین ہے کبھی کوئی مرد میرا رقیب بن کر ہماری زندگی برباد نہیں کر سکتا۔ ہاں میرا کوئی رقیب ہو سکتا ہے تو وہ اس کا شوق ہے اور میں نے اس کو کہہ دیا تھا کہ کبھی میرے اس رقیب کو میرے مقابل نہ لانا، اگر ایسا ہوا تو میں اس رقیب کے حق میں فیصلہ دے کر اس کے راستے سے ہٹ جاؤں گا اور دانستہ یا نادانستہ طور پر لیلیٰ نے میرے اس رقیب کو میرے مقابل کھڑا کر دیا ہے تو میں خود اس کے راستے سے ہٹ رہا ہوں۔ میں اس کی زندگی سے جا رہا ہوں۔ اب یہ اپنا شوق پوری خوشی اور آزادی کے ساتھ پورا کر سکتی ہے۔ میں اپنی بچی لے کر اس کی زندگی سے جا رہا ہوں۔"

شہباز نے آنکھوں سے نکلتے منہ زور سیلاب کو بمشکل پابند کیا حالانکہ دل چاہ رہا تھا کہ وہ دھاڑیں مار مار کر اپنی اس بربادی کا ماتم کرے، ابھی سب اس کے فیصلے کے شاک میں تھے کہ وہ مردہ قدموں سے آگے بڑھا اور فاطمہ کی گود سے سوئی ہوئی اپنی بچی کو لے لیا تو فاطمہ تیورا کر بیڈ پر گر پڑیں۔ ساتھ ہی لیلیٰ کا سکتہ بھی ٹوٹ گیا۔

"نہیں نہیں..... شہباز.....! آپ ایسا نہیں کر سکتے۔"

لیلیٰ مچل کر شہباز کے قریب آ گئی۔ اس نے بچی کو لینا چاہا مگر شہباز نے نفرت سے اسے پرے دھکیل دیا۔

"ہاں.....! میں نہ ایسا کر سکتا تھا اور نہ ہی یہ سب کرنا میری سوچ، میرے مزاج اور میری تربیت ہے کہ میں ایسا کروں۔ مجھے تو ایسا کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ کہا تھا ناں تم سے تمہارا شوق میرا رقیب ہے، اسے میرے مقابل نہ لانا، میں راستہ بدل لوں گا تو پھر..... پھر یہ سب کیوں کیا.....؟" شہباز سسک پڑا۔ میگزین اُٹھا کر اس نے لیلیٰ کے منہ پر دے مارا۔ لیلیٰ کی یہ حالت تھی کہ زمین شق ہو جائے اور وہ اس میں سما جائے۔ وجاہت کے ساتھ تصاویر، انٹرویو کی بے بنیاد اور لغو باتیں جھوٹ سہی، غلط سہی مگر چھپ کر ہر ایرے غیرے کے ہاتھ میں آ چکی تھیں۔ وہ لاکھ پارسا سہی، شہباز کی دیوانی سہی، خبر میں درج تھا کہ کم عمر لیلیٰ اپنی عمر سے بہت بڑے شہباز کے ساتھ شادی کر کے پچھتا رہی ہے، دولتمند رئیس آدمی نے اسے اپنی جھوٹی محبت اور دولت کے سنہرے قید خانے

UrduPhoto.com

میں ڈال کر اس کی صلاحیت کو مار ڈالا ہے اور اب لیلیٰ شہباز سے علیحدگی لے کر شوبز کی دُنیا میں لوٹ کر اپنی صلاحیتوں کو منوانا چاہتی ہے اور یہ کہ اس سلسلے میں وہ اپنے کزن وجاہت کی ممنون ہے کہ وہ اس کی صلاحیت کو پسند کرتا ہے، اب وہ وجاہت کے ساتھ کام کرے گی۔ اسی قسم کی بے سروپا باتوں کی گھنیری آندھی میں گھری معصوم لیلیٰ جو وجاہت اور وقار کی سازش کا شکار ہوگئی تھی، آندھی کے تھپیڑوں کی زد میں ڈول رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنا دفاع کیسے کرے، کیسے شہباز کو یقین دلائے کہ یہ سب جھوٹ ہے۔

''شہباز.....! شہباز.....! یہ..... یہ سب جھوٹ ہے۔ خدا کی قسم.....! یہ سب جھوٹ ہے، لغو ہے، ایک بات بھی درست نہیں شہباز.....! پلیز بی لیوی.....! یہ سب جھوٹ ہے۔'' وہ ہاتھ جوڑے گڑگڑائے گئی۔

''اتنی بڑی قسم کھانے کی ضرورت نہیں۔ جانتا ہوں کہ یہ سب جھوٹ ہے، ایک بات بھی جاندار نہیں، ہی کی ذرا سی رمق نہیں ان لغو باتوں میں اسی لئے میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ پلٹ کر دیکھنا مت پتھر کی ہو جاؤ گی، ہوگئی ہو ناں پتھر، ختم ہوگیا ناں سب کچھ، حقیقت چند لوگ جانتے ہیں کہ ایسی کوئی بات نہیں مگر جو حقیقت نہیں، جو یہ فضول لغو بکواس ہے اس کو ساری دُنیا جانتی ہے، ساری دُنیا پڑھے گی۔ کس کس کو تم حقیقت بتائیں گے کہ ایسی بات نہیں اور پھر کوئی یقین کرنے کے باوجود یہی سوچے گا، ہاں ہوسکتا ہے کوئی ایسی بات ہو بلکہ ضرور ہوگی ایسی بات، کوئی بات ہوتی ہے تو چھپتی ہے۔ میں اپنے سرکل میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہا۔ ایسی ہی صورت حال سے بچنے کے لئے میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ نہ تم اخباروں میں رسالوں کے سرورق پر چھپ کر دُکانوں پر سجو گی نہ کوئی بے بنیاد افسانہ وجود میں آئے گا۔''

شہباز اپنی بچی کو سینے سے لگائے شدت سے رو پڑا تو لیلیٰ اس کے پیروں میں بیٹھ گئی۔

''میں جانتی ہوں شہباز.....! میرا قصور بہت بڑا ہے۔ پلیز.....! پلیز مجھے معاف کردو، میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں شہباز.....! معاف کردیں پلیز.....!''

اس کے پیروں میں بیٹھی وہ مجسمہ اشک لگ رہی تھی۔ ہچکیوں کے جھٹکوں میں اس کا نازک وجود ڈول رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے دل حزیں کمزور پڑا شدت سے چاہنے لگا کہ لیلیٰ کو اُٹھا کر ساتھ لگا لے۔ اس لڑکی کو کتنی شدت سے اس نے چاہا تھا اور کتنے ارمانوں سے اپنایا تھا۔ وہ تو اسے ذرا سی تکلیف دینے کے بارے میں بھی سوچ نہیں سکتا تھا اور اب اس کے پھیلے دامن میں اپنی عمر بھر کی جدائی ڈال رہا تھا۔ حالات کی ستم ظریفی پر وہ بھی شدت سے رو دیا۔

''ہونہہ.....! کبھی کبھی جھوٹی بے بنیاد لغو باتیں بھی سچ ہو جاتی ہیں۔ لیلیٰ اور شہباز میں علیحدگی ہوگئی یہ بھی خبر چھپی ہے ناں۔ لو سچ ہوگئی۔''

''نہیں.....! نہیں سچ ہوسکتی یہ خبر..... نہیں شہباز.....! آپ..... آپ اتنے ظالم نہیں ہوسکتے۔ پلیز میرے اتنے چھوٹے سے قصور کی اتنی بڑی سزا نہ دیں مجھے۔ پلیز.....! معاف کردیں۔'' وہ گڑگڑائی۔

''ہونہہ.....! چھوٹا سا قصور..... تمہارے اس چھوٹے سے قصور کی چنگاری نے جلا کر سب کچھ بھسم کردیا۔ میری دُنیا ہی اُجاڑ کر رکھ دی اور تم کہتی ہو ذرا سا قصور.....؟''

شہباز بچی کو گود میں لے کر کارپٹ پر بیٹھ کر شدتوں سے رو پڑا۔ زبیر صاحب اور فاطمہ دل تھامے ساکن

نظروں کے ساتھ بیٹی کی زندگی کا فیصلہ سننے کے لئے دم سادھے کھڑے تھے۔ خرم جو کہ شہباز کو سو فیصد درست سمجھ رہا تھا پھر بھی چاہتا تھا لیلیٰ کو اس کی عدالت سے معافی مل جائے۔ وہ آگے بڑھا، اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ لیلیٰ بھی شہباز کے قریب بیٹھی تھی۔

''تم بالکل درست کہہ رہے ہو شہباز.....! اس میں سارا قصور لیلیٰ کا ہے بلکہ لیلیٰ سے کہیں زیادہ مما پپا کا ہے، یہ بات ان کو سمجھانی چاہئے تھی جو وہ خود نہیں سمجھ سکی تھی۔ بہرحال جو ہوا نہیں ہونا چاہئے تھا مگر بدنصیبی سے اب ہوگیا ہے تو تم..... تم لیلیٰ کو معاف کردو، اپنی بچی کی خاطر جس کا اس سارے معاملے میں کوئی قصور نہیں، جس کو ماں بھی چاہئے اور باپ بھی، والدین کی غلطیوں کی سزا بچے ہی بھگتتے ہیں۔ پلیز.....! اس کی خاطر ہی لیلیٰ کو معاف کردو۔''

خرم کے ملتجی لہجے میں کہے الفاظ اس وقت جلتی پر تیل کا کام کر گئے۔ شہباز کو اس وقت مصالحت کی راہ دکھانے والا، سمجھانے والا اپنا سب سے بڑا دشمن لگ رہا تھا۔ وہ بچی کو اُٹھائے غصہ سے کھڑا ہوا۔

''تو نیور.....! امپاسیبل.....!'' وہ دھاڑا تو زبیر صاحب آگے بڑھے۔

''بیٹا.....! معاف کردینا احسن ہے۔ درگزر سے کام لینے والا معتبر ہوتا ہے۔''

''جی ہاں.....! جانتا ہوں، سب جانتا ہوں، سارے فلسفے سے آگاہ ہوں لیکن میں..... میں ابھی نہ تو اسے معاف کرسکتا ہوں نہ بھلا سکتا ہوں اور جب انسان اس کی خطا کو بھلا نہ دے تو معاف کرنے کا فائدہ کیا۔ میں اسے تب معاف کروں گا جب میں اس کی خطا معاف کرکے بھلا دینے کا ظرف پیدا کرلوں گا۔ اس لئے کہ میں زندگی میں دہرے معیار کا قائل نہیں نہ ہی منافقت کا قائل ہوں۔ ظاہری طور پر میں اسے معاف کرکے دل میں اس کی خلش کو یاد رکھوں یہ منافقت مجھ سے نہیں ہوتی۔ اس لئے آج سے میرے اور لیلیٰ کے راستے جدا ہیں۔ میں اسے آزاد.....''

''نہیں شہباز.....! نہیں.....! آپ ایسا نہیں کرسکتے۔'' لیلیٰ بے دم ہوکر گر پڑی۔ فاطمہ بیٹی کو دیکھنے لگیں۔ خرم اور زبیر بھی لیلیٰ کی وجہ سے پریشان ہوگئے۔ خود شہباز دُکھ اور صدمے سے بے حال ہوگیا۔ اس نے کب سوچا تھا کہ وہ رگ جاں سے قریب اس پیاری سی لڑکی کو اتنا بڑا دُکھ دے گا کہ اس کی جان پر بن آئے گی۔

''شہباز.....! یہ..... یہ زیادتی مت کرو پلیز.....!'' بہن کی محبت، اس کے گھر کی آبادی، اس کی بچی کی محبت خرم کے لہجے میں التجا بن کر اُتر آئی تو شہباز نے اپنی سلگتی آنکھوں سے خرم کو دیکھا جن میں دُکھ کے ساتھ شکایت کی دُھند بھی تھی۔

''انسان کتنا خود پسند اور خود غرض ہوتا ہے خرم.....! کہ خود زیادتی کرتے وقت یہ نہیں سوچتا کہ دوسرے کے دل پر کیا گزرے گی مگر جب چوٹ خود کو لگتی ہے تو تڑپ جاتا ہے اور بہرحال اب میں بات کو طول دینا مناسب نہیں سمجھتا۔ آج سے میرے اور لیلیٰ کے راستے جدا ہیں، میں اپنے اور اس کے درمیان رشتے کو ختم نہیں کر رہا، یہ رشتہ جس کو شادی کہتے ہیں برقرار رہے گا۔ لیلیٰ کے دل پر، اس کی زندگی پر میرے ہی نام کی نیم پلیٹ رہے گی کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اس کی زندگی میں مجھ سے پہلے کوئی مرد نہ تھا، نہ ہے اور نہ ہی ہوگا۔ لیلیٰ کی زندگی میں آنے والا میں پہلا اور آخری مرد ہوں، کوئی مرد میرا رقیب نہیں ہے اور جو میرا رقیب ہے اس کے لئے

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com

میں اسے اپنی محبت، اپنے قرب سے آزاد کرتا ہوں۔ اب یہ اس بندش سے آزاد ہے کہ میں کبھی اسے شوبز میں جانے سے روکوں گا اور اس بات کو زیادتی سمجھتے ہوئے بھی کہ ماں سے بچے کو جدا کرنا زیادتی ہے پھر بھی مجبوراً یہ زیادتی کر رہا ہوں اس لئے کہ میں نہیں چاہتا کہ میری بیٹی ایک اداکارہ کی زیر تربیت رہے اور خدانخواستہ کل کو اگر اس نے بھی کوئی ایسی حرکت کی تو میں اسے شوٹ کر دوں گا یا خود کو۔ اسی صورت حال سے بچنے کے لئے میں اپنی بچی کو اپنی پسند کی تعلیم و تربیت کرنا چاہتا ہوں، میں..... میں یہ سب کس طرح کر رہا ہوں صرف میرا اللہ جانتا ہے مگر میں اپنی بچی لیلیٰ کے حوالے نہیں کر سکتا، سوری.....!"

الفاظ تھے کہ زلزلے کے لاتعداد جھٹکے جس نے خرم کے دل کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ مما اور پپا تو بے دم ہو کر رہ گئے تھے۔ ایک خرم ہی تھا جس نے خود کو سنبھالا ہوا تھا، جس نے شہباز کے تیور پڑھ لئے تھے مگر لیلیٰ جو اب تک اپنی غلطی محسوس کرتے ہوئے رو رہی تھی گڑگڑا کر معافی مانگ رہی تھی، اپنی جگر گوشہ کے چھن جانے پر ہذیانی انداز میں چیخی اور شہباز کی طرف بڑھی۔

"نہیں نہیں.....! تم ایسا نہیں کر سکتے شہباز.....! تم میری بچی کو مجھ سے جدا نہیں کر سکتے۔ مجھے میری بچی لوٹا دو، مجھے کچھ نہیں چاہئے، چھوڑ دو، مجھ کو مار دو، پلیز.....! میری گڑیا مجھے دے دو پلیز.....!" مگر شہباز چٹان بنا پتھرائی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا مگر اس کے سینے میں تو سکوت تھا بس دل، نہ دھڑکن تھی نہ احساس کا کوئی دیا اس کھنڈر میں جل رہا تھا۔ نہ ہی زندگی کے ساز پر کوئی گیت تھا جو اس کھنڈر کے سناٹے کو مٹا کر زندگی کی روشنی پھیلا کر خوشیوں کی منزل کی طرف راہنمائی کرتا، اک قیامت خیز منظر تھا، خود شہباز کی یہ حالت تھی کہ وہ کھڑا تھا مگر ایسے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی گر جائے گا۔ اس نے اپنی بیٹی کو زور سے اپنے سینے سے لگا رکھا تھا۔ ماں باپ سے بیٹی کی حالت نہیں دیکھی جا رہی تھی۔ ان کی نازوں پلی بیٹی کس طرح مچل مچل کر رو رہی تھی اپنی بیٹی کے لئے۔

"شہباز بیٹا.....! ٹھیک ہے غلطی ہو گئی ہم سے بھی لیلیٰ سے بھی مگر تم..... تم بیٹا.....! ایسا فیصلہ نہ کرو کہ ہم ساری زندگی روتے رہیں۔ تم ایک ماں کی گود اُجاڑ نہیں سکتے، تم لیلیٰ کو نہیں رکھنا چاہتے نہ رکھو مگر اس کی بیٹی اس سے نہ چھینو پلیز.....!" زبیر صاحب کے بوڑھے بیمار لہجے کی التجاء شہباز کو تڑپا گئی۔ مما کی التجائیہ معذرتی نظریں خرم کی باوقار خاموشی لیلیٰ کی تڑپ برداشت کرنا شہباز کے لئے کوئی آسان نہیں تھا۔ اس نے تو آج تک محبت ہی کی تھی، آسانیاں ہی بانٹی تھیں پھر یہ زندگی کا ایسا موڑ کیوں آ گیا کہ وہ جلاد بن گیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے تو دل چاہا اس مچلتی ہوئی لیلیٰ کی گود میں ڈال دے مگر اب اسے لیلیٰ پر اعتماد ہی نہیں رہا تھا، وہ پتھر بن گیا۔

"میں کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کر رہا مما.....! اپنی بچی کو لے جا رہا ہوں بس۔"

"نہیں شہباز.....! تم ایسا نہیں کرو گے۔ میں نکل جاؤں گی تمہاری زندگی سے مگر میری بچی میری بیٹی مجھے دے دو۔" لیلیٰ ہذیانی انداز میں جھپٹی بیٹی کو چھیننا چاہا، اسی چھینا جھپٹی میں بچی بری طرح رونے لگی۔

اور پھر وقت اور حالات کی آندھی نے سب کچھ برباد کر دیا۔ شہباز خود بھی بچوں کی طرح روتا ہوا بچی کو لے کر نکل گیا اور لیلیٰ کو سنبھالنا ان تین لوگوں کے لئے دشوار ہو گیا۔

خرم بھی اسے ساتھ لگا کر تڑپ کر رو پڑا۔

"میں تو محروم تمنا تھا لیلیٰ.....! تم نے تو محبت پا کر گنوا دی ہے۔ میری بہن.....! میری جان.....! میری

[illegible] اور تحمل سے سنو۔ تم نے کہا میں اسے روک لیتا تو میری بہن.....! کچھ لفظ اتنے معتبر ہوتے ہیں کہ ان کی [illegible] ہماری طلب اور تمنا سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ مجھے معلوم تھا وہ رُکنے والا نہیں پھر روک کر میں اپنے لفظوں کا [illegible] کیوں گنواتا.....؟ میں جانتا ہوں کہ اس نے زیادتی کے بدلے میں درگزر کی بجائے زیادتی ہی کی روش اپنائی [illegible] مگر وہ دروازہ کھلا چھوڑ گیا ہے تاکہ زندگی میں کبھی بھی تم اپنی غلطی کی سزا بن کر لوٹ جاؤ یا پھر وہ اپنی زیادتی کا احساس بن کر پلٹ آئے۔"

خرم اسے ساتھ لگائے سسک پڑا مگر وہ ایک جھٹکے سے دُور ہٹ گئی۔ اس کے لئے یہ حقیقت مان لینا کہ شہباز اس کی بچی کو اس سے دُور لے گیا ہے، ممکن ہی نہیں تھا۔

"نہیں بھائی.....! آپ مجھے جھوٹے بہلاوؤں سے مت بہلائیں۔ نہیں جانا مجھے اس کی زندگی میں دوبارہ واپس، اس کھلے دروازے سے نہ ہی اس کے پلٹ آنے کا انتظار باقی ہے۔ مجھے تو صرف اور صرف اپنی بچی چاہئے، مجھے میری بیٹی لا کر دو ورنہ میں مر جاؤں گی پلیز.....! میں ہاتھ جوڑتی ہوں، مجھے میری بیٹی لا دیں [illegible].....!" چیختے ہوئے، بولتے ہوئے چیزیں اُٹھا اُٹھا کر پھینکتے ہوئے لیلیٰ بیہوش ہو کر خرم کی بانہوں میں آ گری [illegible] وہ بچوں کی طرح رو پڑا۔ مما پپا کو تو جیسے سکتہ سا ہو گیا تھا۔

• • •

"یہ تم ہر وقت وردہ کے چونچلے کیوں اُٹھاتی رہتی ہو.....؟ نظر نہیں آ رہا علیزہ کتنا رو رہی ہے.....؟ حیثیت [illegible] دونوں بچیوں کی ایک ہی ہے ناں تمہارے نزدیک سوتیلی بیٹیاں۔"

وردہ کی رات سے طبیعت خراب تھی اور شہلا اسے گود میں لئے بیٹھی میڈیسن دے رہی تھی کہ علیزہ رونے لگی کہ وجاہت اندر آیا، وردہ کو اس کی گود میں اور علیزہ کو روتا دیکھ کر وہ سلگ اُٹھا۔

یہ تیر سیدھا شہلا کے دل کے آر پار ہو گیا۔ کتنا احمق اور جھکی آدمی ہے اپنی ہی اولاد میں تفریق کرتا تھا۔ وردہ اس کے عتاب کے اثر میں اس لئے رہتی کہ وہ ہو بہو زینت کی تصویر تھی اور علیزہ خود اس کی ہم شکل تھی۔ اسی [illegible] پر وہ باپ ہو کر بھی دونوں میں اتنا واضح فرق رکھتا کہ شہلا چڑ جاتی۔ آج بچیاں چھوٹی ہیں کل جب تفریق کے اسی احساس کے ساتھ بڑی ہوں گی تو دونوں کے اپنی اپنی جگہ پر کیا احساسات ہوں گے۔ وردہ کے دل میں ماں کی محرومی کے ساتھ باپ کی محبت کا احساس بھی جوان ہو گا تو اس کی شخصیت مسخ ہو جائے گی۔ اسی خیال کے پیش نظر وہ وردہ کو زیادہ توجہ دیتی ان کی حیثیت تو ایک ہی تھی مگر وجاہت نے دونوں میں سگا باپ ہو کر فرق ڈال دیا تھا۔

"سوتیلی ماں ہونے کا احساس دلانے پر میں آپ کو کیا کہہ سکتی ہوں کیونکہ کسی کی فطرت ذہنی سطح اور سوچ کو میں بدل نہیں سکتی جبکہ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ یہ دونوں بچیاں اتنی چھوٹی ہیں کہ ان کی زندگی کے ممتا والے خانے میں میرا نام ہی درج ہو جاتا تاکہ کسی قسم کی محرومی کا احساس ان کے ساتھ پل کر جوان نہ ہو کہ ان کی حقیقی ماں زندہ نہیں میں بھی ان کی سگی اور حقیقی ماں بن کر ان کی پرورش کرنا چاہتی تھی مگر آپ.....!"

شہلا تو بڑے خلوص سے بچیوں کی زندگی سے سگے سوتیلے کا احساس ختم کرنا چاہتی تھی جو آگے جا کر بچیوں کو کسی بھی قسم کے احساسِ کمتری کا شکار کر سکتا تھا مگر گھٹیا نیچر کا یہ شخص تو خود ابھی سے جبکہ وہ کچھ سمجھنے کے قابل نہیں

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

تھیں، احساس ڈال رہا تھا۔ وہ انتہائی دُکھ سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اوہ.....! تو یہ ہے زینت سے تمہاری دوستی کا راز، یہ ہے تمہاری مستقبل کی پلاننگ۔ لگتا ہے بہت سوچ سمجھ کر تم میری زندگی میں آئی ہو۔ بہت سوچ کر ان کی سوتیلی ماں بنی ہو۔ بٹ مائنڈ اٹ کہ ان کی ماں کے خانے میں ان ہی کی سگی ماں زینت کا نام درج ہوگا جو ان کی سگی ماں ہے۔ آپ ان کی سوتیلی ماں ہیں ان کے کیریئر آپ سے شادی میں نے اس لئے کی کہ ان بچیوں کے لئے مجھے گورنس کی ضرورت تھی سوچا آپ سے بڑھ کر ان کی گورنس کون بن سکتی ہے اس لئے کبھی بھی میری بیٹیوں میں فرق نہ کرنا۔"

وجاہت نے آخری جملہ دانت پیس کر کہا تو شہلا نے افسوس زدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ میڈیسن پلا کر وردہ کو کندھے سے لگا کر وہ کھڑی ہوگئی، بوتلیں ان کے ٹھکانے پر رکھ کر وہ پلٹی۔

"الحمدللہ.....! میں نے ڈاکٹری پڑھی ہے مگر میڈیسن کی ہسٹری میں ایسی کوئی تحقیق موجود نہیں جو سرجری کے ذریعے بری فطرت کو تبدیل کر دے۔ ایسا کوئی علاج موجود نہیں جس کے ذریعے سے غلط سوچ کی غلطیاں دُور کی جاسکیں۔ میں نے تو ایک فیصلہ کر بھی لیا ہے۔ اب اس فیصلے کو آپ سوتیلی ماں کا نام دیں یا گورنس کا، میری صحت پر یا میری سوچ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ تو طے ہے کہ میں سوتیلی ماں ہوں مگر رویہ آپ کا سوتیلوں جیسا ہے۔ آپ نے تو اپنی ہی سگی اولاد میں فرق ڈال دیا ہے۔ وردہ کو زینت کی ہمشکل ہونے کی سزا دیتے ہیں اور علیزہ کو....."

"اور علیزہ کو تم میری ہمشکل ہونے کی سزا دیتی ہو۔"

اس کی بات کاٹ کر وہ تیزی سے بولا تو وہ اس کی گندی سوچ کا ماتم کرتی آگے بڑھی۔ وردہ کو اٹھا کر علیزہ کو اُٹھا کر فیڈر دینے لگی اور وہ اس کی عظمت سے متاثر ہوئے بغیر باہر نکل گیا۔

• • •

"او گڈ.....! گڈ.....! زبردست.....! تم نے وہ کام کیا ہے محسن کہ حد ہوگئی۔ جو کام میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ تم نے کر دکھایا۔ اچھا اب زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب ہم پر کوئی ترس نہیں کھاتا تو ہم کیوں.....؟ اوکے، اوکے.....! جب تک میں خود نہیں آجاتا تم وہیں رہو گے۔ تمہیں کوئی جاب وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہر ماہ تمہیں رقم مل جایا کرے گی۔ اوکے.....! اور تھینکس.....! تم نے بہت بڑا کام کیا ہے میرا کہ شکریہ کے الفاظ نہیں۔ اوکے.....! اب میں خود ہی تم سے کونٹیکٹ کرلوں گا تمہیں کرنے کی ضرورت نہیں، خدا حافظ.....!"

وجاہت اپنے کسی دوست محسن سے بات کر کے بڑے خوشگوار موڈ میں پلٹا تو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی شہلا کو دیکھ کر جو کہیں جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی، شوخ سی سیٹی بجائی پھر اُٹھ کر اس کے قریب آکر اس کے پرکشش سراپے کو دیکھنے لگا۔

"یہ صبح صبح کہاں کی تیاری ہے بیگم صاحبہ.....!" وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر اس کے مقابل آن کھڑا ہوا تو شہلا اس کی اہمیت کو اگنور کرتی لپ اسٹک لگا کر ایک جائزہ اپنے سراپے کا لے کر بیڈ پر رکھے اپنے پرس میں کچھ تلاش کرنے لگی پھر دراز سے اپنا اسٹیتھ اسکوپ نکال کر پکڑ کر پلٹی۔

"آپ یہ بات بھول سکتے ہیں مگر میں نہیں کہ میں ڈاکٹر ہوں اور ایک ہاسپٹل میں جاب کرتی ہوں اور اب بہت چھٹیاں ہوگئیں، اب مجھے جوائن کرنا چاہئے۔"

"واٹ.....! تم.....تم ہاسپٹل جوائن کر رہی ہو.....؟" وجاہت تو واقعی یہ بھول چکا تھا کہ وہ ڈاکٹر ہے اور اسے ہاسپٹل جوائن بھی کرنا ہے یا لاشعور میں وہ شہلا کو اپنی غلامی میں لے چکا تھا، اسے اپنی ملکیت سمجھنے لگا تھا مگر آج اچانک ہاسپٹل جانے کا سن کر اسے کرنٹ سا لگا۔

"جی ہاں.....! ہاسپٹل جوائن کر رہی ہوں۔ مجھے اس سے پہلے ہاسپٹل جوائن کر لینا چاہئے تھا۔"

شہلا نے اطمینان سے جواب دیا اور اپنی تیاری کرتی رہی۔ ضروری چیزیں بیگ میں رکھ کر شہلا نے بیگ شانے سے لٹکایا اور قریب تھا کہ وہ آگے بڑھتی وجاہت نے اس کا بیگ گھسیٹ لیا۔

"واٹ نان سینس.....! اب تم میری بیوی ہو کر ایک معمولی ہاسپٹل میں چند ہزار کی آرایم او کی جاب کرو گی.....؟ کوئی ضرورت نہیں جاب کرنے کی، کس چیز کی کمی ہے تمہیں یہاں.....؟ میں تمہیں یہ معمولی جاب کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔ بیٹھو گھر میں سکون سے۔"

وجاہت نے اسے شانے سے دھکا دے کر بیڈ پر گرا دیا تو وہ تیورا کر کھڑی ہوگئی۔ وہ سب کچھ برداشت کر سکتی تھی مگر اپنے پروفیشن کی توہین نہیں۔

"وجاہت صاحب.....! میں جس پروفیشن سے تعلق رکھتی ہوں اس میں پیسے دولت کی کوئی حیثیت نہیں۔ میں تو پہلے چند ہزار کے لئے ہاسپٹل جاتی تھی نہ ہی اب میں جا رہی ہوں اور مسٹر.....! آئندہ کسی بھی ہاسپٹل کو معمولی نہ کہئے گا۔ جہاں زندگی موت کو شکست دیتی ہے اور دُکھی انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھا جاتا ہے اور پلیز.....! آئندہ آپ میرے اور میرے پروفیشن کے درمیان نہیں آئیں گے، پلیز.....!" شہلا نے مضبوط لہجے میں کہا۔ اس کے لہجے کی قطعیت اسے سلگا گئی۔

"آؤں گا، ضرور آؤں گا۔ میں اپنے گھر کے سکون کو خراب کر سکتا ہوں نہ ہی اپنی بچیوں کی پرورش میں لاپرواہی برداشت کر سکتا ہوں اس لئے آپ جاب نہیں کریں گی۔"

وجاہت نے بھی حتمی انداز میں فیصلہ کر لیا تو شہلا جس کو اپنے اس پروفیشن سے محبت تھی، جس نے بڑے ارمانوں سے ڈاکٹری پڑھی تھی، اب وہ چھوڑ دے، اور وہ یہ کبھی نہیں کر سکتی تھی۔

"آپ کو اپنے گھر کا سکون چاہئے ناں تو اللہ نے مجھے اتنی ہمت اور طاقت دے رکھی ہے کہ میں اپنی گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریاں بھی بخوبی نبھا سکتی ہوں اسی لئے نہ تو میں جاب چھوڑوں گی اور نہ ہی آپ آئندہ میرے اور میرے پروفیشن کے درمیان آئیں گے۔"

شہلا اپنے موقف پر سختی سے ڈٹی ہوئی تھی۔ وہ سمجھدار، تعلیم یافتہ تھی۔ کیا غلط، کیا درست ہے سب جانتی تھی مگر اپنی ذات پر یہ ہی اعتماد تو وجاہت کو کھولا جاتا تھا۔ وہ جو عورت کو خوبصورت کھلونے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا، جب وہی عورت اس کے مقابل آنے کی کوشش کرتی تو اس کا پارہ چڑھ جاتا۔ وہ اس کے عزائم کو قدموں تلے روند دینا چاہتا تھا۔ اب اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ زینت اور شہلا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ شہلا اس لئے لوہے کا چنا ثابت ہو رہی تھی، وہ بیوی بن کر اس کے برابر نہیں، حریف بن کر مقابل کھڑی تھی۔

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

"اور ڈاکٹر.....! اگر آپ گھر اور جاب میں بیلنس نہ رکھ پائیں تو.....؟"

وہ اسے ہر طرح سے گھیرنا چاہتا تھا، اس کے ساتھ ہیا سے شکست دینا چاہتا تھا۔

"انشاء اللہ ایسا نہیں ہوگا۔ اگر میری کوتاہی کی بناء پر ایسا ہوا تو میں ہاسپٹل چھوڑ دوں گی مگر میں آن ڈیوٹی رہوں گی کیونکہ میں مسیحا ہوں اور مریض کو کسی وقت بھی مسیحا ہی کی ضرورت پڑ سکتی ہے اس لئے ڈاکٹر سارا وقت ڈیوٹی پر رہتا ہے، انسانیت کی خدمت کے لئے۔"

"او کے.....! دیکھتے ہیں کہ آپ گھر اور جاب میں کہاں تک بیلنس رکھ پاتی ہیں.....؟ خدا حافظ.....!"

تمسخر اُڑاتا اس کا لہجہ شہلا کو تپا گیا۔ تاہم وہ چپ رہی کیونکہ موجودہ صورت حال اس کی بات کی سچائی کی گواہی دے رہی تھی۔ پھر اس نے دل پر پتھر رکھ کر اپنی جاب اور پیشہ وارانہ فرائض کی قربانی دے دی کیونکہ اسی بچیوں اور گھر کو اس کی بہت ضرورت تھی اور وہ نیکی کو نیکی سمجھ کر ہی ادا کرنا چاہتی تھی، ناگوار بوجھ یا احسان نہیں اس نے مرتی ہوئی زینت سے جو وعدہ کیا تھا اور بچیوں کے لئے جو عہد کیا تھا اسے بغیر کسی احسان کے اور اُکتائے بغیر نبھانا چاہتی تھی مگر وجاہت قدم قدم پر اس کے حوصلے پست کر دیتا۔ وہ بمشکل ایک قدم آگے بڑھاتی اور وہ ایک پل میں اسے کوسوں دُور پھینک دیتا۔ سگا باپ ہو کر وہ دونوں بچیوں میں تفرقہ ڈال رہا تھا۔ وردہ کو زینت کی ہمشکل ہونے کی سزا اتنے واضح انداز میں دیتا کہ شہلا تڑپ جاتی۔ اگر وہ وردہ کی حمایت کرتی تو کہتا کہ تم دونوں میں فرق ڈالتی ہو، وہ سر تھام کر رہ جاتی۔ شہلا نے محسوس کیا تھا، شکلوں کے ساتھ لڑکیوں کی نیچر بھی بالکل ماں اور باپ پر گئی تھی۔ وردہ بہت سلجھی صابر بچی تھی، باپ اور بہن کی ہر زیادتی چپ چاپ سہہ جاتی یا پھر شہلا کی گود میں چھپ کر رو لیتی جبکہ علیزہ بہت چالاک، تیز اور باپ کی طرح ابھی سے بہت بدتمیز تھی۔ وہ دونوں کو شہلا کے خلاف بھڑکاتا رہتا۔ عجیب آدمی تھا۔ وہ شہلا کا احسان مند یا ممنون ہونے کی بجائے اسے سزا دیتا، اس کے ظرف کو آزماتا رہتا۔ وہ بچیوں کو یکساں پیار دے کر ان کی زندگی سے ماں کی محرومی کا احساس ختم کرنا چاہتی تھی اور سوتیلے پن کی کڑواہٹ کو ختم کرنا چاہتی تھی مگر وجاہت ہر قدم پر اس کی ہمت توڑ دیتا۔

"ہٹو یہاں سے، یہ صرف میرے بابا ہیں..... جاؤ.....!" یہ تین سالہ علیزہ تھی جس کو باپ کی ہر وقت کی توجہ اور محبت نے ابھی سے بدتمیز اور اکھڑ بنا دیا تھا اور باپ کے قرب اور محبت کے لئے ترستی وردہ سہم کر الگ ہو جاتی۔

"نہیں.....! یہ میرے بھی بابا ہیں..... ہے ناں بابا.....!" بہت ہی ڈرا سہما سا دعویٰ وردہ کی زبان سے نکلا اور پھر تصدیق کی سند کے لئے وجاہت کی جانب مڑا جس کی نظریں ٹیبل پر کھانا لگواتی شہلا پر ٹھہریں۔ اس نے وردہ کو پکڑ کر گود میں بٹھا لیا اور اُونچی آواز میں بولا تاکہ شہلا سن کر متوجہ ہو جائے۔

"ہاں بیٹا..... یہ تو ہے کہ میں تم دونوں کا بابا ہوں، سگا والا بابا لیکن مما....."

"مما بھی تو ہم دونوں کی مما ہیں، ہے ناں بابا.....!" وردہ نے باپ سے پوچھا جو اس کوشش میں کامیاب ہو چکا تھا کہ شہلا ان کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

"نہیں بیٹا.....! یہ خاتون تم لوگوں کی مما ضرور ہیں مگر اصل والی نہیں نقلی والی اسٹیپ مدر۔"

شہلا کے دل پر تیر لگا۔ وہ اس کم ظرف انسان کو دیکھ کر رہ گئی۔

"علیزہ.....! وردہ.....! بچو آؤ کھانا کھائیں پھر ہم گھومنے جائیں گے۔" وہ وجاہت کو اِگنور کر کے بولی۔

"مما.....! یہ..... یہ اسٹیپ مدر کیا ہوتا ہے.....؟" اب معصوم بچیاں کیا جانیں اس رشتے کی سنگینی کو، شہلا نے تو ان کو سگی ماں کا سا پیار دیا تھا۔

"بتائیے ناں ڈاکٹر صاحبہ.....! بچی کی بات کا جواب دیجئے۔"

وجاہت کو وردہ کے سوال پر خوشی ہوئی تھی اور اس وقت شہلا کی بے بسی کو انجوائے کر رہا تھا۔

"آئی ڈونٹ نو بیٹا.....! کس کو کہتے ہیں یہ آپ اپنے بابا ہی سے پوچھئے جن کو دانشمندی اور ظرف چھو کر نہیں گزرا۔ آئیں آپ لوگ کھانا کھائیں۔" شہلا نے پھر اسے اِگنور کیا تو وہ سلگ اُٹھا۔

"دیکھا بچو.....! آپ نے، آپ کی مما ہیں ناں گندی.....؟"

"نہیں.....! مما اچھی ہیں۔" وردہ نے شہلا کا ہاتھ پکڑ کر اس کا دفاع کیا۔

"نہیں.....! مما گندی ہیں، بابا نے کہا ہے گندی ہیں۔" علیزہ باپ کی گود میں سوار ہو کر اترائی۔

"بالکل.....! مما گندی بچی ہیں بھئی.....! آپ کو کھانے کو کہا اور بابا کو کھانا نہیں دے رہیں اور بابا کو تو بڑے زوروں کی بھوک لگی ہے۔" وہ مکاری سے مظلوم بن گیا۔ معصوم ذہن اچھائی برائی یا اداکاری کیا جانیں۔ سچ جان لیا کہ ان کا بابا مظلوم ہے۔ شہلا نے شکوہ کناں نظروں سے وجاہت کو گھورا اور پھر یہ ہر روز کا معمول تھا۔ وجاہت اسے نیچا دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ ہر وقت اس کے ظرف کو آزماتا رہتا تھا۔ وہ تو دونوں کی بہترین انداز میں تربیت کرنا چاہتی تھی مگر وجاہت نے وردہ کو اِگنور کر کے علیزہ کو مکمل طور پر اپنے ٹرانس میں لیا ہوا تھا۔ وہ اپنی شخصیت اس میں منتقل کر رہا تھا جبکہ وردہ شہلا کے رُوپ میں ڈھل رہی تھی۔ دونوں کے معصوم ذہنوں پر شخصیت کے سادہ اوراق پر دونوں کی اچھی بری شخصیت اور سوچ کے نقوش اُبھر رہے تھے۔ شہلا جاب تو نہیں کر سکی مگر ایف آر پی ایس کے ایگزامز کی تیاری شروع کر دی۔ اس روز وہ بیٹھی پڑھ رہی تھی کہ وردہ گر گئی۔ وہ اس کی طرف بھاگی تو وجاہت نے علیزہ کو اشارہ کیا اور اس نے جا کر اس کی کتاب کے کئی پیج پھاڑ ڈالے اور ابھی وہ اس کارروائی میں مصروف تھی کہ شہلا آ گئی۔ مارے دُکھ اور غصے کے شہلا کے دماغ کی رگیں تن گئیں۔ آخر برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے اور جب وہ حد ختم ہوئی تو شہلا کا ہاتھ فضا میں بلند ہو گیا اور قریب تھا کہ وہ ہاتھ علیزہ کے پھولے گالوں پر نشان چھوڑتا۔ فضا میں اُٹھا ہاتھ وجاہت نے پکڑ کر یوں مروڑا کہ شہلا کی چیخ نکل گئی، وہ تڑپ کر رہ گئی۔

"بس آ گئیں ناں اپنی اوقات پر، دکھا دیا ناں اپنا سوتیلا پن، دعوے تو بڑے بڑے کرتی ہو اور ایک کتاب ہی پھٹی تھی اور آ جاتی کتاب اور کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں ایگزام دینے کی۔ سیدھی طرح سے گھر سنبھال سکو تو سنبھالو ورنہ اپنی راہ دیکھو۔ کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے تمہاری اور آج کے بعد اگر علیزہ پر ہاتھ اُٹھایا تو کاٹ کر الگ کر دوں گا، سمجھیں.....؟"

اتنی تذلیل اور کمینگی ایسے موڑ بار ہا آتے جو اس کے حوصلے پست کر جاتے۔ وہ کوئی فیصلہ کرتے کرتے رہ جاتی اور اس کے ظرف کی ناؤ ڈوبتے ڈوبتے رہ جاتی۔

Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com
UrduPhoto.com

"اچھے دوست تو کیا آپ تو ایک اچھے دُشمن بھی نہیں ہیں۔ اتنا عاقبت نااندیش شخص، اتنا سطحی سوچ کا مالک باپ، اتنا کم ظرف انسان میں نے آج تک نہیں دیکھا جو اپنی ہی اولاد کے لئے برا بو رہا ہو، بہت برا کر رہے ہیں آپ علیزہ کے ساتھ۔"

"اچھا تو تم وردہ کے ساتھ کیا کر رہی ہو.....؟" اس نے پلٹ کر اسے دیکھا تو شہلا دُکھ سے اس عجیب شخص کو دیکھ کر رہ گئی جو رقابت میں اپنی ہی اولاد کے ساتھ برا کر رہا تھا۔

"آپ نے کبھی وردہ کو دیکھا غور سے۔ آپ تو اتنے چھوٹے انسان ہیں کہ زینت کی ہمشکل ہونے کی سزا دیتے ہیں اپنی بیٹی کو، کبھی غور سے وردہ اور علیزہ کو دیکھئے گا، دونوں کے چہروں پر سکون میں بہت فرق محسوس ہوگا آپ کو، نہ مانیں تو الگ بات ہے۔ الحمدللہ وردہ میرے قریب ہے، کتنا سکون ہوتا ہے اس کے چہرے پر، وہ کسی قسم کی تشنگی کا شکار نہیں جبکہ علیزہ اُلجھی رہتی ہے ہر وقت، اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کی بات پر یقین کرے کہ میری..... اور وجاہت صاحب.....! یہ آر نہ پار کی کیفیت اس کی شخصیت کا سب سے بڑا جھول بن جائے گی، آپ ابھی سے اس کی شخصیت کو غیر متوازن بنا رہے ہیں جبکہ زینت کی وصیت کے مطابق دونوں بچیوں کو بہت مضبوط کردار بنانا ہے۔"

"شٹ اَپ.....! خبردار جو آج کے بعد زینت کا نام میری بچیوں کے ساتھ لیا۔ یہ میری بچیاں ہیں، میں جیسے چاہوں ان کی پرورش اور تربیت کروں۔ تم کون ہوتی ہو بولنے والی۔"

اس کی بات کاٹ کر وہ درمیان ہی میں دھاڑا تو وردہ اور علیزہ جو کافی دیر سے ماں اور باپ کا تماشہ دیکھ رہی تھیں، ڈر کر رونے لگیں۔ دونوں سہم کر شہلا ہی کے ساتھ آ لگیں تو شہلا کو لگا وہ میدان جیت گئی ہو۔ ایک سکون، اطمینان رگ و پے میں اُتر گیا۔ اس نے دونوں کو بھینچ لیا اور بڑی معنی خیز اور فاتح نظروں سے وجاہت کو دیکھا۔

"کیوں.....؟ مانتے ہیں ناں میرے جذبوں کی سچائی کو۔ اگر مانتے ہیں تو خاموش تماشائی بن کر صرف دیکھیں۔ جہاں غلط دیکھیں، وہاں روک دیں، ٹوک دیں۔"

بڑا ہی اچھا دانشمندانہ اور قابل عمل مشورہ تھا مگر اس بہترین مشورے کا دھواں اس کے دماغ میں بھر گیا۔

"شٹ اَپ.....! تم خود کو سمجھتی کیا ہو.....؟ بہت گھمنڈ ہے تمہیں خود پر.....؟ تم خود کو کوئی تیس مار خاں سمجھتی ہو.....؟"

"نہیں وجاہت.....! میں تو کچھ بھی نہیں، بس اللہ کی مدد اور فضل سے چاہتی ہوں کہ یہ بچیاں اس معاشرے کی بہترین فرد بنیں۔ ان کے کردار اور شخصیت میں کوئی کمی یا جھول نہ ہو۔ نہ کسی قسم کے احساس کمتری یا برتری کا شکار ہوں اور اس کوشش میں آپ کے ساتھ کے بغیر میں کچھ نہیں لیکن اگر آپ نہ بھی ساتھ دیں تو میں اللہ کی مدد سے ان کی بہترین تربیت کر سکتی ہوں۔"

شہلا بہت صلح جو اور سمجھدار تھی۔ وہ بچوں کی زندگی میں باپ کی اہمیت کو بھی جانتی تھی، اس لئے وہ اپنی انا، خودداری کو مار کر بھی ان کی تربیت میں شریک کرنا چاہتی تھی مگر وجاہت کے دماغ میں تو خناس بھرا تھا۔ اس کی سمجھ میں کوئی قرینے کی بات آ ہی نہیں سکتی تھی۔

"تم..... تم خود کو سمجھتی کیا ہو.....؟ ہاں.....! زیادہ بڑکیں مارنے والے اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں،

کہیں.....؟"

"جن کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے ناں وجاہت صاحب.....! وہ فاتح ہوتے ہیں۔ میں آزمائش کے اس میدان میں اللہ کے فضل اور مدد سے فاتح رہوں گی اور پلیز.....! آئندہ اتنی اُونچی آواز میں بولئے گا مت، ان بچوں کے سامنے مس بی ہیو کیجئے گا۔ ان کے دل بہت چھوٹے ہیں، بہت اثر لیتے ہیں، یہ دن، یہ بچپنا ان کی آئندہ شخصیت کی بنیاد ہے اور اگر بنیادیں ہی کمزور ہوں تو شخصیت غیر متوازن رہے گی۔ اب بہتر ہوگا کہ ہم بچوں کو ذرا باہر لے جائیں تاکہ ان کے ذہن کا بوجھ کم ہو۔"

"تم خود کو بڑی فلاسفر سمجھتی ہو.....؟ تم ہوتی کون ہو مجھے مشورے دینے والی.....؟ اپنی باتوں کا پابند کرنے والی.....؟ ایسی باتیں کر کے تم مجھے میری ہی بچیوں کے سامنے برا بنانا چاہتی ہو.....؟"

وہ بالکل جاہل آدمیوں کی طرح اس سے لڑ رہا تھا۔ دونوں بچیاں سہمی ہوئی شہلا کی ٹانگوں سے لپٹی تھیں۔

"اچھائی برائی کا فیصلہ یہ لوگ وقت آنے پر خود کریں گی۔"

یہ لڑائیاں، یہ اختلافات، یہ سرد جنگ جاری تھی۔ شہلا نے جو سوچ کر اس میدان میں قدم رکھا تھا، وجاہت کی سازش اسے مکمل طور پر اس میں کامیاب ہونے نہیں دے رہی تھی۔ علیزہ اس کے بے جا لاڈ و پیار کی وجہ سے بہت بدتمیز ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ بہت بدتمیزی کرتی تھی جبکہ وردہ باپ کے رویے سے سہمی، اس سے اور اور شہلا کے قریب تر آ گئی تھی۔ گزرتے وقت میں اللہ نے شہلا کو بھی ایک بیٹا اور بیٹی دے کر ان دونوں کے لئے محبت زیادہ کر دی تھی۔ وجاہت گمراہی کے جنگل میں بھٹکتا ہی چلا جا رہا تھا۔ وہ شہلا کو تنگ کرنے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ نفرت اور چڑ میں وہ اپنی ہی اولاد کو بگاڑے جا رہا تھا۔ علیزہ کے ساتھ اب وہ اپنے بیٹے جنید کو محض شہلا کی چڑ میں بگاڑ رہا تھا۔ وہ ان نتائج سے بھی بے پرواہ تھا کہ اس کی تربیت سے ان کا کیا حال کرے گی۔

وہ لیلیٰ کے بارے میں سب کچھ جان چکا تھا اور جس روز اسے پتا چلا کہ شہباز اس کی زندگی سے جا چکا ہے تو تب وہ زندگی میں اپنی کسی بات پر پچھتایا تھا۔ اس روز اس نے جان کر ایکسیڈنٹ کیا تھا اور یہی وقت تھا لیلیٰ کی زندگی میں واپس جانے کا مگر اب وہ لیلیٰ کو ہمیشہ کے لئے گنوا چکا تھا اور اسی صدمے کو اس نے نشہ میں گم کرنے کی کوشش کی۔ خوب پی کر گھر آ کر اس نے خوب ہنگامہ کیا اور پھر یہ اس کا معمول بن گیا۔ شراب پی کر لڑائی جھگڑا کرنا۔ اب تو اس نے شہلا پر ہاتھ اُٹھانا بھی شروع کر دیا تھا۔ بچے اس ماحول سے خوفزدہ رہتے۔ تب ہی تنگ آ کر شہلا نے اس سے الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

"وجاہت صاحب.....! یہ میرا گھر ہے، جہاں میری تین بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے جن کے ذہن ابھی بہت معصوم اور کچے ہیں۔ آپ کے اس طرز زندگی سے وہ بہت برا اثر لے رہے ہیں۔"

"اچھا تو بیگم صاحبہ.....! پھر آپ کیا چاہتی ہیں.....؟" وہ نشے میں دھت آواز میں بولا۔

"میں اپنی چاہتوں کا موڑ بہت پیچھے چھوڑ آئی ہوں۔ اب جو کچھ چاہتی ہوں، اپنے چاروں بچوں کے لئے چاہتی ہوں۔" اب وہ ارادتاً ڈٹ گئی تھی۔ اس نے اپنا آپ مارا تھا جس مقصد کے لئے وہ پورا نہ ہوتا تو بیکار تھا۔

"اچھا جی.....!" وہ حسب عادت طنزیہ مسکرایا۔

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

"جی ہاں.....! بچوں کے لئے ماں اور باپ زندگی کی طرح ضروری ہیں۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ صرف اور صرف اپنے بچوں، خاص طور پر بیٹیوں کی خاطر اپنے آپ کو بدل لیں کیونکہ اس سے ان کے کردار پر اثر پڑ رہا ہے۔ آپ خود کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں۔"

وہ حالات کے اس بے کراں سمندر میں ہاتھ پیر مار کر مصالحت کے کنارے پکڑنے کی آخری وقت تک کوشش کرنا چاہتی تھی مگر وہ کسی طور پر بھی اس کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

"اور اگر میں نہ بدلوں خود کو تو....."

"تو پھر میں بچوں کو لے کر اپنا راستہ بدل لوں گی۔" شہلا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"او کے.....! شوق سے بدل لو راستے مگر اپنے دونوں بچوں کے ساتھ۔ زینت کی بیٹیوں کے ساتھ نہیں۔"

"میں ان سے دست بردار کس طرح ہو سکتی ہوں جن کی خاطر میں نے اپنی زندگی قربان کر دی۔ میرے اپنے بچے مجھ سے دُور ہو سکتے ہیں مگر میں ان دونوں سے دست بردار نہیں ہوں گی۔"

شہلا کسی صورت بھی ان بچیوں کو چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ آج جب وہ فیصلہ کر کے آن کھڑی ہوئی تو وجاہت جو کہ اس گھریلو زندگی سے نہ چاہتے ہوئے بھی پابند تھا، اسے راہ فرار نظر آ رہی تھی۔ ہزار اختلاف کے باوجود اسے شہلا پر اعتماد تھا کہ وہ ان کی پرورش کر سکتی ہے۔ یوں بھی ذمہ داریوں کا وہ طوق ڈال کر زندگی انجوائے نہیں کر پا رہا تھا۔

"کیا چاہتی ہو.....؟ طلاق.....؟" وہ تو بہت نارمل لہجے میں بولا مگر شہلا کانپ گئی۔ ایسا تو وہ مر کر بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔ اس کے وجود کا رواں رواں لرز اُٹھا۔

"نہیں.....! آپ سے اگر کوئی اچھائی چاہئے تو یہ ہی کہ اپنے نام کا سائبان رہنے دیں، میرے اور بچوں کے سر پر کیونکہ مرد کا یہ معاشرہ ہے، یہ عورت کو اسی صورت عزت دیتا ہے۔ اگر اس کے نام کے ساتھ باپ یا شوہر کا نام ہو اور میں اپنے بچوں کو باپ کے نام کی ڈھال سے محروم نہیں کرنا چاہتی۔"

"ہوں.....! تو گویا تم فیصلہ کر چکی ہو علیحدگی کا.....؟" وہ سگریٹ کا گہرا کش لے کر کھڑا ہو گیا۔ لڑکھڑا کر گرنے لگا تو شہلا نے سہارا دیا تو وہ بے تاثر نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"جی ہاں.....! اور یہ فیصلہ میں نے کس طرح کیا ہے یہ صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ آپ تو اس کی شدتوں کو چھو بھی نہیں سکتے۔" شہلا سسک پڑی۔ اس نے کیا سوچا تھا اور کیا ہو گیا تھا اور آئندہ کیا ہونے جا رہا تھا۔ وہ کچھ نہیں جانتی تھی، اس نے تو بڑے خلوص سے نیک نیتی سے قربانی دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید وہ اپنی محبت، خدمت اور بچیوں سے بے لوث محبت کی بناء پر اس بگڑے شخص کو راہ راست پر لے آئے تھی مگر اتنا سفر طے کر لینے کے بعد یہی پتا چلا تھا کہ یہ شخص صرف زندگی کی گاڑی میں سیٹ روکنے کی حد تک ہم سفر ہے، ورنہ نہ تو اسے ان کی کسی تکلیف سے سروکار ہے نہ احساسات اور جذبات کا پاس ہے پھر اس ہم سفر سے بہتر تھا، گاڑی بدل لی جائے، جہاں وہ آزادی کے ساتھ یکساں انداز میں بچوں کی پرورش کر سکے۔

"او کے.....! تو آپ الگ ہونا چاہتی ہیں.....؟ خود پر تمہیں بہت اعتماد ہے ناں کہ تم بہت اچھی پرورش

اور تربیت کر سکتی ہو تو ٹھیک ہے۔ میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں کہ میں تمہاری زندگی سے نکل جاتا ہوں مگر میرے چاروں بچوں کی ایسی تربیت ہو کہ میں فخر سے کہہ سکوں، یہ میرے بچے ہیں۔ تم یہی سمجھتی ہو نا کہ میں غلط ہوں، برا ہوں تو میں ان کی زندگی سے نکل رہا ہوں۔ اب کسی برائی کا شائبہ تک ان کی شخصیت میں نظر نہیں آنا چاہئے، سمجھ گئیں نا تم.....؟ ورنہ جو طلاق میں آج نہیں دے رہا، بڑھاپے میں....."

"میرے اللہ کی رضا اور مدد شامل رہی تو آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا، انشاء اللہ۔" شہلا نے یقین کے ساتھ کہا کیونکہ وہ اپنے لئے نہیں بچوں کے مفاد کے لئے اتنا بڑا فیصلہ کر چکی تھی کہ اسے علیحدہ ہونا ہے۔ وجاہت کا کردار بچوں کے کردار کے لئے مضر تھا۔ وہ خود کو بدلنے پر تیار نہیں تھا۔ اس نے راستہ بدل لیا اور یوں زبردستی ساتھ چلنے والے ہمسفروں نے رات کے اس پہر اپنے اپنے راستے اور منزلیں بدل لیں۔ دونوں انجانے راستوں پر گمنام منزل کی جانب بڑھ گئے۔ اس صبح وہ لوگ اُٹھے تو وجاہت کا صرف خط ملا جس سے پتا چلا کہ وہ ان کی زندگی سے جا رہا ہے اور اپنا کوئی اتا پتا ان کو نہیں دے گا اور شہلا کو چیلنج دے کر وہ کہیں کھو گیا۔ شہلا نے یہ چیلنج قبول تو کر لیا تھا مگر آج جب وہ چلا گیا تو وہ کتنا تنہا اور تھکا ہوا محسوس کر رہی تھی خود کو۔ وہ چاروں بچوں کو ساتھ لگائے شدت سے رو دی۔ ابھی تو اس کے سامنے چیلنج کے لوہے کے چنے پڑے تھے جن کو اس نے چبانا تھا۔

• • •

"واصف.....! پلیز بس کریں..... میرے قصور کی سزا بچوں کو مت دیں..... پلیز واصف.....! ایسا مت کریں۔"

ماہم کے مجبور کرنے پر وہ لرزتی کانپتی آئی تو واصف ابھی بھی شرجیل کو کان پکڑوا کر کھڑا تھا۔

"تم دونوں کیوں آئی ہو.....؟ ماہم.....! تمہیں منع کیا تھا نا کہ اس کمرے میں مت آنا۔ آج میں اسے جھوٹ بولنے کی سزا دے کر رہوں گا۔ جاؤ تم دونوں یہاں سے نکل جاؤ۔" واصف نے دونوں کو جھڑک دیا۔ شرجیل تھر تھر کانپ رہا تھا۔ آمنہ تڑپ اُٹھی۔ وہ کمزور ڈری سہمی منت کرتی رہی، بھیگی التجاؤں پر واصف نے گھور کر اسے دیکھا اور شرجیل کو نئے آرڈر جاری کرتا ہوا باہر نکل گیا تو آمنہ دونوں بچوں کو ساتھ لگائے اپنے نصیبوں کو روتی رہی۔ ماں کا سارا خوف شرجیل میں اُتر گیا تھا جبکہ ماں کا ڈر و خوف ماہم میں بغاوت اور ہٹ دھرمی بن کر اُتر رہا تھا۔ اسے اب اپنے پپا سے چڑ ہونے لگی تھی۔ ماں اور بھائی کی مظلومیت اسے بغاوت کے راستے پر ڈال رہی تھی۔ اس نے تو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اسے محبت کرنے کی اتنی بڑی سزا ملے گی کہ محبت اس کے لئے سزا بن جائے گی۔ رحمت سے زحمت بن کر اس کی زندگی کو ویران کر دے گی۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو ساری دُنیا سے چیخ چیخ کر کہتی کہ کوئی کسی سے پیار نہ کرے اور کوئی لڑکی اپنے والدین کی خوشی اور مرضی کے خلاف نہ جائے ورنہ اس کا یہی انجام ہوگا۔ نہ شوہر کا اعتماد حاصل ہوگا نہ گھریلو سکون۔ بچے الگ پاگل اور باغی ہو جائیں گے۔ وہ جانتی تھی یہ سب والدین کی پسند پر اپنی پسند کو اولیت دینے کی سزا ہے جس کو صرف اسے ہی بھگتنا ہے۔

"مما.....! مما پپا اتنے گندے کیوں ہیں.....؟ چلیں ہم ان کو چھوڑ کر پاکستان چلے جاتے ہیں۔ یہ اکیلے رہیں گے نا تو پھر ہم ان کو یاد آئیں گے، پھر ان کو پتا چلے گا کہ انہوں نے برا کیا ہے۔" چھوٹی سی ماہم تو واصف کو بہت جابر جلاد سمجھتی تھی اور اس کے نزدیک ان تمام مسائل کا حل یہ تھا کہ پپا کو چھوڑ کر سزا دی جائے۔

UrduPhoto.com

"بری بات ہے ماہم.....! پپا کو ایسے نہیں کہتے۔ پپا تو بہت اچھے بچے ہیں۔ ہے نا مما.....!"

دونوں معصوم بچے اپنی اپنی رائے کو معتبر بنانے کے لئے بے بس مجبور ماں کی گواہی کو نجانے کیوں اہم کہہ رہے تھے جو انجانے اندیشوں میں گھری ہوئی تھی۔

"بھائی.....! ابھی تو پپا نے آپ کو اتنا مارا ہے پھر بھی آپ ان کو اچھا کہہ رہے ہو.....؟" ماہم کو شرجیل کی یہ بات انتہائی ناگوار گزری تھی کہ اتنا پٹ کر بھی وہ پپا کی سائیڈ لے رہا تھا۔

"اس لئے کہ نہیں کہوں گا تو اور ماریں گے، ہے نا مما.....!"

"کیوں تم لوگ بات بات میں مجھے گھسیٹ لیتے ہو.....؟ کیا حیثیت ہے مما کی.....؟ کاش میں مر ہی گئی ہوتی۔" آمنہ کہاں تک برداشت کرتی، بری طرح رو پڑی تو ماہم نے غصہ میں آکر واصف کی تصویر جو سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھی، دیوار سے مار کر توڑ دی۔ شیشہ چکنا چور ہو گیا۔

"ماہم.....! یہ کیا بدتمیزی ہے.....؟ ایک تو میں نے خود اپنی راہوں میں خار بچھائے ہیں جن پر چلتے چلتے میری رُوح تک لہولہان ہو گئی ہے اب تم شروع ہو گئی ہو۔ صبر کرو میرے بچو.....! صبر کرو۔"

وہ تینوں روتے رہے۔ یہ ہر روز کا معمول تھا۔ زندگی کا کوئی لمحہ بھی تو خوشگوار اور رنگین نہیں تھا۔ شک اور بے اعتباری اتنی رچ بس گئی تھی واصف کے دل و دماغ میں کہ کوئی اچھی بات اس کے دماغ میں آتی ہی نہیں تھی۔ اگر وہ کسی سے شکایت کرتی تو الزام اسی پر آتا، اس لئے اس نے پاکستان جانے کا ارادہ کر لیا۔ یہاں تنہائی میں شک و شبے کی فضا میں بچے برباد ہو رہے تھے۔

"واصف.....! وہ آپ کہہ رہے تھے کہ اب ہم پاکستان چلے جائیں گے تو کیا سوچا ہے آپ نے اس سلسلے میں۔ ابھی بچے فائنل ایگزامز سے فارغ ہوئے ہیں، نئے سال وہیں ایڈمیشن ہو جائے گا۔"

"آپ پاکستان جانے کے لئے اتنی بیقرار کیوں ہو رہی ہیں جبکہ حسن صاحب تو آسٹریلیا میں ہوتے ہیں۔ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ پھر آپ پاکستان کیوں جانا چاہتی ہیں.....؟"

لہجے میں دُنیا جہاں کی نفرت و کڑواہٹ بھر کر کہا تو اتنی شدید سردی میں آمنہ پسینے میں نہا گئی۔ واصف اس حد تک نفسیاتی مریض بن چکا تھا کہ حسن کے بارے میں ساری انفارمیشن رکھتا تھا اور اب بھی اسی کے ذریعے اسے پتا چلا کہ حسن امریکہ سے آسٹریلیا چلا گیا ہے۔

"واصف.....! آپ نے اس ذلیل شخص کو گالی کیوں بنا دیا ہے میرے لئے.....؟ بخش دیں، اب تو مجھے معاف کر دیں۔ مجھے اندازہ ہوتا کہ اس شخص کی وجہ سے میں زندگی میں اتنی ذلیل ہو جاؤں گی تو....." وہ رونے لگی تو وہ جو اس کی پلک نم نہیں دیکھ سکتا تھا، اب خود برسات لگا دیتا اس کی آنکھوں میں اور بے حسی سے دیکھتا رہتا۔

"مجھے بھی کب اندازہ تھا آمنہ.....! کہ یہ شخص میری زندگی کا اہم ترین شخص ثابت ہو گا کہ اس کی کھوج میں میں لاپتہ ہو جاؤں گا کہ ایک ایک پل سے اپنا پتہ پوچھتا رہوں گا۔"

وہ سراسر غلط ہو کر بھی اسے ہی ذلیل کر جاتا اور وہ چپ سب کچھ سہہ جاتی۔ اب اسے اپنی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اسے اپنے بچوں کا خیال آتا تھا۔ شرجیل میں عجیب طرح کا خوف پل رہا تھا۔ وہ بے یقین ہی رہتا، درست کام کر کے بھی بے یقین رہتا کہ اس نے کوئی غلط کام کر دیا ہے کیونکہ اس کی شخصیت کی بنیاد ہی خوف و بے یقینی پر

رکھی گئی تھی تو پھر ان لرزتی بنیادوں پر مضبوط عمارت کس طرح کھڑی ہو سکتی تھی۔ اس وقت بھی ماہم اور شرجیل جن کو اس نے خود ایاز کے گھر چھوڑا تھا واپس آئے تو واصف نے دھر لیا۔

"کہاں سے آ رہے ہو.....؟" کڑک دار آواز شرجیل کی ٹانگوں میں کپکپی بن کر دوڑ گئی۔

"جی وہ..... جی وہ....." زبان لڑکھڑا گئی تو واصف کے ہاتھ میں اس کا کان آ گیا۔

"کہاں گئے تھے.....؟ کیوں گئے تھے.....؟ کس سے پوچھ کر گئے تھے.....؟" کان پر کھنچاؤ چیخ بن کر نکلنا چاہتا تھا مگر باپ کے خوف سے اندر ہی دبا گیا۔

"پپا.....! ہم آپ سے پوچھ کر ایاز کے گھر گئے تھے، آپ اتنی جلدی بھول جاتے ہیں.....؟"

ماہم کے اندر کی بغاوت لہجے کا اعتماد بن گئی تو واصف نے اسے گھورا۔

"میں نے تم سے نہیں پوچھا، جس سے پوچھ رہا ہوں وہ بتائے۔ اس کی زبان پر چھالے نکلے ہیں کہ بول نہیں سکتا۔ بولو کہاں گئے تھے.....؟"

"جی..... وہ..... ایاز کے گھر۔" شرجیل ہکلایا۔

"جھوٹ بولتے ہو تم.....! نہیں گئے تھے تم ایاز کے گھر، میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔" واصف کے دماغ کا غبار شرجیل پر اُترا ہی چاہتا تھا کہ آمنہ آگے بڑھی۔

"واصف.....! یہ جھوٹ نہیں بول رہا، اس نے میرے سامنے آپ سے ایاز کے گھر جانے کی اجازت مانگی تھی اور آپ نے کہا تھا کہ جاؤ اور میں ان دونوں کو ایاز کے گھر چھوڑ کر آئی تھی۔" آمنہ ڈرتے ڈرتے بولی تو واصف شرجیل کا کان چھوڑ کر اس کی طرف گھوما۔

"اچھا تو آپ ان کی گواہی دے رہی ہیں، اپنی حیثیت جانتے ہوئے بھی۔ جھوٹ بولنا انہوں نے آپ ہی سے تو سیکھا ہے۔ جب ماں....."

"واصف.....! پلیز بہت ہو گیا، میں نے آپ سے جھوٹ ہی تو نہیں بولا، منافقت ہی تو نہیں کی، سب کچھ سچ بتا دیا آپ کو۔ اگر میں جھوٹ بولتی، منافقت کا لبادہ اوڑھے رہتی، آپ سے جھوٹی محبت کا اظہار کرتی رہتی تو آج آپ محبت کی شادی پر خوش ہوتے، خود کو دُنیا کا خوش نصیب انسان سمجھتے کہ آپ نے اپنی محبت کو حاصل کر لیا ہے مگر میں نے سچ بول کر شاید برا بلکہ بہت برا کیا ہے۔ اپنی اور اپنے بچوں کی زندگی برباد کر لی ہے اور آپ....."

آمنہ کے بھیگے لفظوں کی سچائی واصف کے اعتماد پر جمی برف پر اُتر رہی تھی مگر شک کی اپنی دبیز تہہ تھی کہ نہ تو سچائی کی تپش اس کو پگھلا سکتی تھی اور نہ کوئی حقیقت اس پر اثر کر سکتی تھی۔ وہ لاجواب سا کتنی ہی دیر اسے گھورتا رہا پھر باہر نکل گیا۔

اگلے چند دنوں میں وہ لوگ وائنڈ اپ کر کے پاکستان جانے کے لئے ائیر پورٹ پر بیٹھے تھے اور آمنہ سوچ رہی تھی کہ وہ اپنی زندگی کا یہ نقشہ کیسے ان لوگوں سے چھپا پائے گی۔ بچوں کی یہ حالت کیوں ہوئی، شرجیل اب نارمل اور ماہم باغی کیوں ہوئی، کس کو کس طرح بتائے گی کیونکہ ان سب کا سبب وہ خود تھی۔ سب اسی کو قصوروار ٹھہرائیں گے اور اب اپنے عشق کی داستان اور ناکامی واصف کی بدگمانی کی کہانی کس طرح سنائے گی۔

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com

اتنے سالوں بعد وہ گھر لوٹ رہی تھی۔ ایک بار صرف ابو کی وفات پر وہ پاکستان گئی تھی۔ تب بچے بہت چھوٹے تھے مگر اب تو سمجھدار تھے۔ ماہم تو کوئی لحاظ رکھے بغیر ہر بات بتا دیتی تھی۔ وہ تو گھر سے آنے والے فون پر ہی باپ کی زیادتیوں کے بارے میں بتا دیتی تھی۔ اب تو یہ مظاہرے خاندان بھر کے سامنے ہوں گے۔

''میں کیا کروں گی، پروردگار.....! کس طرح یہ سب چھپا پاؤں گی.....؟ سب کو سچائی بتاتی ہوں تو اپنا کردار خراب ہوتا ہے۔ واصف کا یہ رویہ کیوں ہوا، اس کا جواب سب ہی مانگیں گے۔ شرجیل ایسا کیوں ہے، کس کو کس طرح سمجھاؤں گی۔ پروردگار.....! اچھا تو یہ تھا کہ مجھے موت دے دیتا مگر اس آزمائش میں نہ ڈالتا۔ اف میرے اللہ.....! یہ میں کس عذاب میں مبتلا کر دی گئی ہوں کہ نہ جی سکتی ہوں نہ مر سکتی ہوں۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں سر دیئے رو دیئے گئی۔

''آپ.....! آپ آمنہ ہی ہیں ناں.....؟'' اس آواز پر چونک کر آمنہ نے سامنے دیکھا۔

• • •

''لیلیٰ.....! لیلیٰ ہوش میں آؤ لیلیٰ.....!'' موی کو رفیق نے ساری خبر دے دی تھی۔ وہ اختر کے ساتھ بھاگی چلی آئی مگر لیلیٰ کی حالت پاگلوں کی سی ہو رہی تھی یا تو سکتے کی کیفیت میں رہتی یا پھر چلاتی رہتی۔ وہ بچی کے لئے تڑپ رہی تھی، اس کا دکھ اس کی باتیں سب کو رلا رہی تھیں۔

''موی.....! دیکھا تم نے میرے ساتھ کیا ہوا.....؟ وہ..... وہ ظالم شخص میری بچی لے کر چلا گیا۔ مجھے میری بچی چاہئے۔ موی.....! مجھے میری گڑیا چاہئے۔ میرا کیا قصور تھا.....؟ اگر تھا تو..... تو خود مجھ سے الگ ہو جاتا۔ یہ سزا بھی کم نہیں تھی میرے لئے مگر میری بچی چھین کر میری خطا سے زیادہ سزا دی ہے اس نے میرا جگر نوچ چھینا ہے، اب وہ میرا مجرم ہے۔ میں اسے معاف نہیں کروں گی۔ میری اتنی چھوٹی خطا کی اتنی بڑی سزا۔ کتنا چاہا تھا اس شخص کو میں نے۔ موی.....! اس نے یہ کیا کیا.....؟ کیوں کیا.....؟ بھائی.....! میری بچی لا دو پلیز۔''

لیلیٰ دیوانوں کی طرح ہر کسی کی منت کر رہی تھی۔ خرم اسے ساتھ لگا کر سسک پڑا۔

''صبر کرو لیلیٰ.....! محبت ہم دونوں بہن بھائی کو راس ہی نہیں آئی۔'' خرم کے دل کا درد بھی لفظوں میں ڈھل گیا تو موی نے بھیگی پلکوں سے خرم کو دیکھا اور شدت ضبط سے آنکھیں بند کر لیں۔

''لیلیٰ.....! میں تو اتنی تہی داماں ہوں کہ ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکتی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اب ہمت کرو، صبر کرو اور کیا کہہ سکتے ہیں ہم۔'' موی کافی دیر سے آئی تھی اور اختر جانے کو کہہ رہا تھا۔ وہ لیلیٰ کو ساتھ لگا کر پیار کرنے کھڑی ہو گئی پھر نجانے دل کی کس خواہش کے تابع ہو کر اس نے غیر محسوس انداز میں اپنا نرم و نازک ہاتھ خرم کے شانے پر رکھ دیا تو خرم کو لگا کہ جیسے اسے ساری دنیا کی خوشیاں مل گئی ہوں۔

''محبت میں کسی کے لمس کا احساس بھی محبت کے یقین کا ضامن نہیں ہوتا۔ کوئی ہمیں چاہتا ہے، ہمیں سوچتا ہے، ہمارا طلبگار ہے، یہ احساس اصل میں محبت کی معراج ہے اور خدا کا شکر ہے کہ مجھے یہ احساس حاصل ہے، اس لئے لمس کا احساس میرے لئے بیکار اور بے معنی ہے۔''

اس کی بھیگی آواز اور دھیمے لہجے میں ڈھلے لفظوں کی یہ پھوار خرم کو موی کی محبت کا یقین دلا گئی۔ کتنا غیر محسوس لطیف اظہار تھا موی کا، اس نے ممنون سی نظر موی پر ڈالی۔ ساون کی رت بڑی خاموشی سے اُتری ہوئی

تھی۔ خرم نے چپکے سے اپنے شانے پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا وزنی ہاتھ رکھا تو چند ساعتیں دلوں میں ایک دوسرے کے لئے موجود احساس محبت کا یقین دلاتی آگے بڑھ گئیں۔ موی نے جلدی سے اپنا ہاتھ ہٹایا اور تیزی سے باہر نکل گئی اور خرم اس کے جانے کے احساس کا کرب لئے پلٹ آیا۔

شہباز کو کہاں کہاں تلاش نہیں کیا گیا۔ خرم نے ہر ممکنہ جگہ اسے ڈھونڈا تھا، راحیل سے رابطہ کیا مگر وہ تو بچی کو لے کر لاپتہ ہو گیا تھا۔ لیلیٰ کے لئے بچی کے بغیر رہنا مشکل تھا مگر والدین کی حالت دیکھ کر پپا کے ہارٹ اٹیک کے بعد اس نے خود کو سنبھالنا شروع کر دیا۔ اب وہ آہستہ آہستہ زندگی کی طرف آنے لگی تھی مگر دل کا زخم گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

''بھائی.....! میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا، میں کیا کروں.....؟ لگتا ہے میری زندگی اب بیکار ہے۔''

وہ بھائی کے سامنے ہتھیار ڈال دیتی۔ وہ سارے ضبط جو مما اور پپا کی وجہ سے باندھے ہوتے، سارے ٹوٹ جاتے، تب خرم سے اسے سنبھالنا دشوار ہو جاتا۔

''فی الحال تم کچھ مت سوچو، دیکھنا ایک دن وہ خود نادم ہو کر لوٹے گا اور بچی اپنے باپ کے پاس ہے۔ تم اس کے لئے فکرمند کیوں ہو۔ یہ زندگی جو تم اپنے شوہر، بیٹی کی وجہ سے بیکار سمجھتی ہو نا تو تمہاری یہی زندگی مما پپا کے لئے، میرے لئے کتنی قیمتی ہے، کتنی عزیز ہے تمہیں اندازہ ہے اس بات کا۔ تم مسکراتی ہو تو دنیا مسکرانے لگتی ہے ہماری۔''

''بھائی میں کیا کروں.....؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔'' لیلیٰ کے دل میں اک آگ لگی ہوئی تھی۔

''دیکھو لیلیٰ.....! پاگل ہو گئی ہو۔ اگر تمہاری زندگی میں شہباز اور گڑیا کے علاوہ ہماری بھی کوئی جگہ ہے تو خود کو بدل ڈالو، اس تلخ حقیقت کو مان لو اور زندگی کی طرف آؤ ورنہ مما پپا اور میں بھی یہی سمجھ رہے ہیں کہ شہباز اور بیٹی ہی تمہارا سب کچھ تھے ہم کچھ نہیں۔''

خرم نے جان بوجھ کر جذباتی حربہ استعمال کیا کہ وہ تڑپ اٹھی۔

''یہ آپ نے کیسی بات کی ہے بھائی.....! آپ لوگ ہی تو میرا سب کچھ ہیں۔ وہ کم ظرف انسان تو اتنا چاہنے کے باوجود تنہا چھوڑ ہی گیا ہے، اس کے دیئے آنسوؤں کو میرے اپنوں ہی نے اپنی آنکھوں میں جذب کیا ہے۔ آپ لوگ ہیں تو میں ہوں ناں.....؟'' وہ روتی رہی، خرم دیکھتا رہا۔

''اوکے.....! ایسا ہے تو تم نے جتنا رونا تھا رو لیا۔ اب تم زندگی کی طرف آؤ گی، تم پھر سے پڑھائی کا ٹوٹا ہوا سلسلہ جاری کرو، پرائیویٹ بی اے کا ایگزام دے کر یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لو اور نئی زندگی کا آغاز کرو۔''

خرم اسے زندگی کی طرف لانا چاہتا تھا، مایوسی کے اندھیروں سے خوشی کی روشنی کی طرف لانا چاہتا تھا مگر اب لیلیٰ کو یہ سب مشکل نظر آ رہا تھا۔

''ہاں.....! کیوں اس میں حرج ہی کیا ہے.....؟ دیکھو تمہارے ساتھ جو ہوا وقت سے پہلے ہوا، تمہارے ساتھ کے اسٹوڈنٹ اب یونیورسٹی ہی میں ہیں۔''

اور پھر خرم کی اتنی توجہ اور سمجھانے سے لیلیٰ پھر زندگی کی طرف لوٹنے لگی۔ مما پپا بہت خوش تھے۔ اب تو شہباز کا ذکر بھی نہ ہوتا۔ مما پپا کا خیال تھا کہ لیلیٰ کے سامنے اس کا نام نہیں لیا جائے گا تو اس کا دھیان ادھر نہیں

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com

جائے گا مگر بھولے ماں باپ اس کے مجلسی تبسم ہی سے خوش ہو جاتے، تنہائیاں اس کے کتنے آنسوؤں کا کرب لئے ہوئے تھیں یہ وہ نہیں جانتے تھے۔

گزرتے وقت نے موی کی زندگی میں بھی بہت تبدیلیاں کی تھیں، اس کی محبت اور خدمت نے سسرال والوں کو اپنا بنا کر ثابت کر دیا تھا کہ سچی اور بے لوث محبت اور خدمت سے دشمن کو بھی اپنا بنایا جا سکتا ہے۔ مینا اور شینا کی شادی ہو گئی تھی۔ اماں کا دل بہت خوش تھا وہ تو بیٹیوں کی شادی کی گویا منتظر تھیں۔ شادی کے کچھ عرصے کے بعد ہی جان لیوا ہارٹ اٹیک ہوا اور موی کو دعائیں دیتی وہ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد اختر کا کینیڈا کا ویزا لگ گیا۔ دونوں ہی کینیڈا جا رہے تھے۔ اس روز فاطمہ اور لیلیٰ نے ان کی الوداعی پارٹی کر رکھی تھی۔ موی بار بار رو رہی تھی۔ اس کے دل کی لگی کو لیلیٰ جانتی تھی، خرم کی عجیب حالت تھی، موی کی شادی کے بعد کے حالات سے نجانے کیوں خرم نے کچھ اُمیدیں باندھ لی تھیں، آج جدائی کے اس موڑ پر وہ بہت کمزور پڑ رہا تھا۔

♦ ♦ ♦

جدائی کے اس موڑ پر دونوں درد سے ہمکنار چپ چاپ کھڑے بس سوچ رہے تھے۔ ایک دوسرے کو کھو دینے کا احساس درد بن کر جدائی کی ان گھڑیوں کو اذیت ناک بنا رہا تھا۔ دونوں نے ڈوبتے کناروں کا بھرم رکھا تھا۔ آنکھ سے بوند نہ ٹپکی تھی، دل میں سمندر تھا۔

"تم..... تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہو موی.....! پہلے میرا گھر چھوڑا، اب ملک چھوڑ کر جا رہی ہو۔ کیا سمجھ رکھا ہے تم نے میرے ضبط کو، میرے ظرف کو۔" بے آواز دل کی کسک خرم کے ہونٹوں کی سرحد عبور نہیں کر پائی تھی مگر موی کے دل میں اتر گئی تھی۔

"ہاں.....! پہلے گھر چھوڑا، اب ملک چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ یہ بتاؤ خرم.....! تمہارے دل میں تو میں ہوں نا.....؟" موی نے شدتِ ضبط سے آنکھیں بند کر لیں۔

"ہاں موی.....! میرے دل کے آئینے پر پہلا عکس تمہارا ہی اُبھرا تھا۔ میرے دل کی کتاب پر پہلا تمہارا ہی نام لکھا تھا۔ تم میرے پیار کا پہلا احساس ہو موی.....! تم کل بھی میرے دل میں تھیں، آج بھی ہو اور ہمیشہ رہو گی۔ محبت کی نارسائی کی کسک بن کر، صرف کسک بن کر۔"

موی کے ہاتھ پر خرم کے ہاتھ کی گرفت سخت ہو گئی تو بے شمار قطرے ضبط کی سرحدیں توڑتے خرم کے ہاتھ کو تر کر گئے۔

"آپ.....! آپ اس کسک کو کیا سمجھتے ہیں خرم.....! یہ..... یہ کسک ہی تو محبت کی زندگی ہے، محبت کی معراج ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے دلوں میں محبت کی پاکیزہ سی کسک بن کر رہیں، اس سے بڑھ کر میرے لئے کچھ نہیں۔"

موی کی سوچ، لفظوں کے بغیر صرف آنسوؤں میں ڈھلی خرم کے ہاتھ بھگو گئی۔

"نہ جاؤ موی.....! پلیز ملک چھوڑ کر، مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ پلیز.....!"

خاموش التجا موی کے راستے میں کھڑی ہو گئی تو موی نے بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کی مضبوط گرفت سے آزاد کرایا اور قدم آگے بڑھا دیئے۔ خرم تڑپ اُٹھا۔

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo @ OneUrdu.com

"لفظ بہت معتبر ہوتے ہیں خرم.....! آپ کو معلوم ہے، آپ روکیں گے بھی تو مجھے نہیں رُکنا، جانے والے کو جانا ہوتا ہے، روک کر اپنا بھرم نہ گنوائیں، خرم.....! پلیز۔" وہ باقاعدہ سسک پڑی تو خرم تڑپ گیا۔

"ہماری اس کہانی کا انجام کچھ اور نہیں ہوتا موی.....! اگر تم.....تم میرا ساتھ دیتیں۔"

پرانا شکوہ ایک بار پھر خرم کے لبوں پر آ گیا تو ایک ٹیس دل میں لئے موی اسے دیکھنے لگی۔ خرم نے ایک بار پھر اسے کانٹوں پر گھسیٹ لیا تھا۔

"آپ کا ساتھ دینے کے لئے مجھے بہت سے ساتھ قربان کرنے پڑتے اور سب سے بڑھ کر اس اعتبار، اس اعتماد کو قربان کرنا پڑتا جو آنٹی نے مجھ پر کیا تھا۔ میں کبھی بھی اتنی خود غرض نہیں ہو سکتی تھی کہ اپنی خوشی کے لئے اپنے جیسی بے شمار مجبور اور بے سہارا لڑکیوں کا وہ اعتبار جو آنٹی نے میرے ساتھ باندھ دیا تھا، توڑ دیتی۔ اگر توڑ دیتی تو کبھی کوئی فاطمہ بیگم کسی موی کو سہارا نہ دیتیں، پناہ نہ دیتیں اور مجبور و بے سہارا موی وقت اور حالات کے اژدھے کے منہ میں چلی جاتی۔ نہیں خرم.....! میں ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ آپ کو پانے کی صورت میں میں باقی سب کچھ گنوا دیتی۔ اللہ نے مجھے عقل، حوصلہ، صبر اور ضبط بھی عطا فرمایا کہ میں محبتوں میں گھاٹے کا سودا نہ کروں۔"

لمحہ لمحہ بڑھتا وقت، قطرہ قطرہ ٹپکتے جدائی کے زہر کو ان دونوں کی رگوں میں اُتار رہا تھا۔

"تم.....تم چلی جاؤ گی موی.....! میں.....میں کیا کروں گا.....؟ میں تم بن نہیں جی سکتا۔ نہ جاؤ پلیز۔"

اس کے نرم ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں لے کر وہ سسک پڑا۔ چند ثانیے دونوں ایک ہی درد کی کیفیت سے ہمکنار رہے پھر موی نے جھٹکے سے اپنے ہاتھ الگ کر لئے۔ تیزی سے آگے بڑھی۔ اسے لگ رہا تھا اگر کچھ دیر اور ٹھہر گئی تو جیسے سانس بھی ٹھہر جائے گی۔

"موی.....!" خرم کی درد میں بھیگی آواز پر وہ پلٹی۔ یہ شخص اس کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا اور کتنا ٹوٹ کر چاہا تھا اس نے اسے جو آج اس کے لئے اتنا کمزور پڑ رہا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے خرم کی طرف بڑھی، لب کپکپا رہے تھے۔ بن بادلوں کی لگی جھڑی نے سب کچھ دُھندلا دیا تھا۔

"دروازہ کھلا رکھنا خرم.....! دیئے جلائے رکھنا، میں لوٹ آؤں گی، میں لوٹ کر ضرور آؤں گی تمہاری زندگی میں، اپنی زندگی کا دروازہ کھلا رکھنا، میں اسی دروازے سے تمہارے دل میں، تمہاری زندگی میں دوبارہ آؤں گی۔ تب تک خدا حافظ۔"

اس کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھتی بھیگے لہجے میں وہ نجانے اُمیدوں کے کون سے دیئے روشن کر گئی تھی کہ وہ ڈوبتے ڈوبتے پھر کناروں تک آ لگا تھا۔

"یہ..... یہ تم کیا کہہ گئی ہو موی.....! انتظار کے دیئے روشن کئے ہیں کہ اُمید کے.....؟ یہ تم مجھے کس راستے پر ڈال گئی ہو.....؟ اس کی منزل ہے یا نہیں.....؟ یا اللہ.....! یہ موی مجھے کس راستے پر ڈال گئی ہے.....؟ آس کی کون سی ڈور تھما گئی ہے مجھے.....؟ میں اس کی جدائی کا سوگ بھی نہیں منا سکتا۔ نہیں موی.....! میں جانتا ہوں تم نے مجھے بہلایا تا کہ میں تمہاری جدائی کا سوگ نہ منا سکوں۔ کیوں موی.....! میں ہی کیوں محروم تمنا رہوں.....؟ تم میری زندگی سے، میرے گھر سے نکل گئی ہو اور میں.....موی.....! آئی مس یو.....! آئی مس

یو.....!"

خرم جدائی کے اس موڑ پر موی کے قدموں کو دیکھتا جانے کب تک جدائی کی دُھند میں بیٹھا رہا پھر دل میں موی کی جدائی کی کسک لئے کمرے میں آ گیا۔

• • •

زندگی کے رنگ بدلتے موسموں کی طرح بدل رہے تھے۔ خرم موی کے چلے جانے کے بعد بہت دنوں تک زندگی سے کٹا رہا۔ اندر کے سناٹے جب سوا ہو گئے تو وہ باہر نکل آیا۔ موی کا آخری جملہ ہر وقت سماعتوں سے ٹکرا ٹکرا کر موی کی طرف لے جاتا۔ اس نے بمشکل مما پپا اور لیلیٰ کی خاطر خود کو سمیٹا تو اسے اندازہ ہوا کہ پپا بہت کمزور ہو گئے تھے۔ مما بیٹی اور بیٹے کے دُکھ دیکھ دیکھ کر نڈھال سی ہو گئی تھیں، اسے اپنی خود غرضی پر غصہ آ گیا۔ موی کی محبت، اس کی جدائی صرف اس کا ذاتی دُکھ تھا مگر اس نے اپنے اتنے پیارے لوگوں کو اِگنور کر دیا تھا۔

"آئی.....آئی ایم سوری مما.....! میں تھوڑا اسیلفش ہو گیا تھا۔ سوری پپا.....!"

خرم نے پوری ایمانداری سے اپنی غلطی مان کر مما پپا کو ساتھ لگا لیا۔

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا بیٹا.....! کہ ہم نے ایسا کون سا گناہ کیا ہے کہ جس کی سزا ہمیں اولاد کی بربادی کی صورت میں مل رہی ہے۔ لیلیٰ اُجڑ گئی.....تم.....تم نجانے کس دُنیا میں رہتے ہو۔ ہم دونوں کیا کریں بیٹا.....! اب تو زندگی بوجھ لگنے لگی ہے۔"

پپا بچوں کی طرح سسک پڑے تو خرم اور لیلیٰ تڑپ تڑپ گئے۔ اس عمر میں جبکہ والدین کو محبت اور توجہ کی ضرورت تھی وہ خود غرض بنے اپنی اپنی دُنیا میں اپنے اپنے دُکھوں کو سینے سے لگائے جی رہے تھے۔

لیلیٰ نے بڑھ کر مما کو ساتھ لگا لیا تو وہ تڑپ کر رونے لگیں۔ وہ والدین تھے، بیٹی کی بربادی دیکھی، برداشت کیا، بیٹے کو کسی انجانے غم میں جلتا دیکھتے رہتے اور کوشش کرتے رہتے کہ وہ اپنے اپنے دُکھوں کی دُھند سے باہر آ جائیں مگر دونوں کی سرد مہری اور خود غرضی نے بوڑھے والدین کو کنارے سے لگا دیا تھا۔

"ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو بیٹا.....! تم لوگ جاؤ اپنے اپنے دُکھوں کو سینے سے لگائے جیو۔ تم لوگوں کو اپنے دُکھ ہم سے زیادہ عزیز ہیں ناں چھوڑ دو ہمیں کیونکہ تم لوگ اولاد ہو ہمیں چھوڑنے کا حوصلہ رکھتے ہو مگر جب اولاد کو والدین کی ضرورت ہوتی ہے تو والدین دن رات کا آرام سکون اپنی توجہ اپنی محبت اپنی اولاد کے نام کر دیتے ہیں لیکن جب ان ہی والدین کو اولاد کی توجہ اور محبت کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ صرف اپنی ذات میں گم ہو جاتے ہیں، اپنی ذات کے دُکھوں اور خوشیوں میں کھو کر وہ والدین کے وجود ہی سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ وہ والدین جو ان کی ذرا سی تکلیف پر ساری ساری رات گود میں لئے گزار دیتے ہیں پھر ان والدین کی ان کو کوئی ضرورت نہیں رہتی میں تو کہتی ہوں جب اولاد جوان ہو جائے تو والدین کو مر ہی جانا چاہئے۔"

"مما.....! مما پلیز آگے کچھ مت کہئے گا۔ مما.....! پلیز ہمیں معاف کر دیں، ہم واقعی آپ دونوں کے مجرم ہیں، ہمیں معاف کر دیں۔"

فاطمہ اور زبیر صاحب ان دونوں کی بے نیازی کی وجہ سے بہت دُکھی ہو گئے تھے۔ اب دونوں مما پپا کے پاؤں پکڑے اپنی اپنی کوتاہی کو کوستے معافی مانگ رہے تھے۔

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

"وی آر سوری مما پپا.....! ہم مانتے ہیں کہ ہم خود غرض ہو گئے تھے، اپنے اپنے دُکھوں میں کھو کر آپ لوگوں کو بھول گئے تھے لیکن اب ایسا نہیں ہوگا مما.....! ہمیں معاف کر دیں پپا.....! پلیز آئندہ کبھی ایسا نہیں ہوگا۔"

دونوں بری طرح رو رہے تھے اور جانے کب تک روتے رہتے کہ مما پپا نے دونوں کو ساتھ لگا لیا۔

"بیٹا.....! ہم ماں باپ ہیں اور والدین اولاد کی خوشی کے لئے اپنا آرام سکون برباد کر کے خوشیاں حاصل کرتے ہیں تم لوگ خوش رہو یہی ہماری خوشی ہے۔ خرم بیٹا.....! لیلیٰ کی زندگی اُجڑی ہے اس کا دُکھ تو سمجھ میں آتا ہے بیٹا.....! تم کس دُکھ کی پرچھائیں سے چمٹ گئے ہو۔ بتاؤ بیٹا.....! کیا دُکھ ہے تمہیں.....؟"

"تمہارے پپا ٹھیک کہہ رہے ہیں بیٹا.....! لیلیٰ کا دُکھ سمجھ میں آتا ہے مگر تمہارے دُکھ کا تو ہمیں نام بھی معلوم نہیں۔ بتاؤ جان تم کیوں زندگی سے خوشیوں سے دُور ہو بتاؤ بیٹا.....!"

خرم ماں اور باپ کی محبت کے سامنے ہار سا گیا۔ اب وہ اپنے دُکھ کی داستان ان کو کیا سناتا، اپنے دُکھ کا

"میری لیلیٰ کو اس کی بچی ضرور ملے گی۔ دیکھنا بیٹا.....! ایک روز وہ خود چل کر تمہارے پاس آئے گی۔ تب اس کا باپ اس کی عدالت میں کھڑا ہو کر اسے جواب دے گا کہ اس نے اسے اس کی ماں سے جدا کیوں کیا۔" ماں باپ دونوں تڑپ رہے تھے بیٹی کے ساتھ۔

"شہباز ایسا تو نہیں تھا پپا.....! پھر اس نے ایسا کیوں کیا.....؟"

"اسی لئے تو لیلیٰ.....! میں کہتا ہوں کہ تم زندگی کی طرف لوٹ آؤ۔ اپنی تعلیم کا ٹوٹا ہوا سلسلہ دوبارہ شروع کرو اور لیلیٰ.....! تم ایسا کچھ کرو کہ شہباز کا پچھتاوا بن جاؤ اور جب وہ واپس لوٹے تو اس کا سر ندامت سے جھکا ہو۔ وہ اکڑنے کی بجائے تم سے معذرت کرے کہ اس نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ لیلیٰ.....! تم اس کا پچھتاوا بن جاؤ کہ وہ اپنے کئے پر پچھتائے ایسا کچھ نہ کرنا کہ وہ اپنے اس غلط فیصلے پر مطمئن ہو۔ جب شہباز اپنی غلطی کی [illegible] بن کر تمہاری پارسائی کا اعتراف بن کر نظریں ندامت سے جھکائے آئے گا تو تم خود کو دُنیا کی سب سے خوش نصیب عورت سمجھو گی اور اس کے لئے تمہیں مایوسی کی اس دلدل سے نکلنا ہوگا۔ دُکھ کے اس طوفان سے لڑتے [illegible]

انداز کی وجہ سے یونیورسٹی میں مقبول تھی۔ کئی ہاتھ اس کی طرف بڑھے تھے مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ محبت اور شادی کے عذاب سے گزر چکی ہے اور ایسے ہی اس کی طلبگاروں میں ابرار احمد کا شمار بھی ہوتا تھا جو اپنی پروقار شخصیت اور اچھی فیملی میں ہونے کی وجہ سے خود بہت مقبول تھا مگر اس کے دست طلب میں صرف اور صرف عائشہ تھی جس کی ایک جھلک کے لئے وہ بلاوجہ ہی اس جگہ کے چکر لگاتا جہاں وہ ہوتی اس کی ایک لمحے کی توجہ کے لئے وہ ہتھیلی پر جان لئے پھرتا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا کاسۂ طلب عائشہ کی توجہ اور محبت سے ہمیشہ خالی رہے گا۔

اس وقت بھی وہ سب کی نظریں بچا کر سیمینار کی طرف آ گیا جہاں عائشہ نوٹس تیار کر رہی تھی۔ ڈھیر ساری کتابیں پھیلائے دُنیا جہاں سے بے خبر عائشہ صرف کتابوں میں گم نوٹس تیار کر رہی تھی کہ وہ آہستگی سے سامنے والی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ عائشہ اتنی ریزرو رہتی کہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بھی احترام کا دامن تھامنا پڑتا۔ اس وقت بھی کتاب کی اوٹ سے وہ اس کے حسن کی ملاحتوں میں اس حد تک گم تھا کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ رہا وہ چونکا تو اس وقت جب وہ اپنا کام کر کے بیگ اُٹھا رہی تھی قریب تھا کہ وہ دروازے سے نکلتی اس نے پکار لیا۔

"عائشہ.....!" اس کی دبی دبی آواز میں جو بیقراری اور تڑپ تھی عائشہ اب ان چیزوں کو خیرباد کہہ چکی تھی۔

"جی فرمایئے ابرار.....!" وہ دُنیا جہاں کی اجنبیت لئے پلٹی تو ابرار جس نے نجانے کتنی مشکل سے کچھ کہنے کی ہمت کی تھی ڈول سا گیا۔

"آپ کو کچھ کہنا ہے تو کہیئے ابرار.....! ورنہ مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

وہ اس کی آنکھوں میں اپنا عکس نہیں دیکھ رہی تھی، اس کی ان کہی بات نہیں سمجھ رہی تھی، اس کے رویے کی سختی نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ابرار کی ہمت توڑ دی۔

"کچھ نہیں.....! وہ یہ کہنا تھا کہ جب نوٹس تیار ہو جائیں تو مجھے بھی دے دیجئے گا۔"

ایک بار پھر ابرار دل کی بات دل میں لے کر رہ گیا۔

"جی ضرور لے لیجئے گا۔" مختصر جواب دیتی اس کی بیقراری میں اضافہ کرتی وہ تیزی سے باہر نکل گئی تو وہ اپنی کمزوری کو کوس کر وہیں بیٹھا کھڑکی سے نظر آتی راہ داری کو دیکھتا رہا جہاں سے وہ تیز قدم اُٹھاتی جا رہی تھی۔

"تم سے تم کو مانگنا کتنا دُشوار ہے عائشہ.....! تم ایسی کیوں ہو.....؟ آخر تمہاری آنکھوں میں دُکھی کر دینے والے کون سے راز ہے.....؟ تمہاری دھیمی مسکراہٹ کی اوٹ میں چھپی سسکیاں کون سی داستان سناتی ہیں.....؟ کچھ تو بتاؤ عائشہ.....! مجھے ان رازوں کے سمندر میں اُترنے کی اجازت دو عائشہ.....! ورنہ میں خود بھی ایک راز بن جاؤں گا۔ تمہیں کیسے بتاؤں عائشہ.....! کہ تم.....تم میری محبت ہو، میری زندگی بن گئی ہو، کیسے بتاؤں.....؟ کیسے.....؟" ابرار اپنی بے چینیاں سمیٹتا ہوا باہر آ گیا۔

• • •

زبیر صاحب اور فاطمہ بیگم اب لیلیٰ کی طرف سے مطمئن تھے اس نے نئی مصروفیات میں خود کو جان بوجھ کر

اتنا مصروف کر لیا تھا کہ اپنا آپ بھی بھول جاتی تھی مگر نہیں بھول پاتی تھی تو وہ اس کی گڑیا تھی جس کی معصوم صورت ہر وقت نگاہوں میں گھومتی رہتی تھی۔ مما پپا اب خرم کی شادی کرنا چاہتے تھے شادی کے نام پر وہ بیقرار ہو گیا۔

"دروازہ کھلا رکھنا، دیپ جلائے رکھنا، میں لوٹ آؤں گی۔"

موی کے ان الفاظوں میں کوئی حقیقت تھی یا نہیں، یا محض اس کے زخموں پر مرہم رکھا تھا موی نے۔ وہ نہیں جانتا تھا لیکن اتنا سمجھدار ہونے کے باوجود بھی وہ انجان سی آس کا دیا جلائے سنسان راستوں پر بیٹھا تھا اس کے لئے جس نے اب اس کی زندگی میں نہیں آنا تھا۔

"مما پلیز.....!" وہ جو اپنے والدین کا فرمانبردار بیٹا تھا اپنی ذات سے ان کو دُکھ نہیں دینا چاہتا تھا اسی لئے وہ موی کو گنوا بیٹھا تھا۔ اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کو کیسے سمجھائے کہ وہ انجانے راستوں پر انجانی منزل کے انتظار میں بیٹھا ہے ایسا کہہ دینے پر وہ دیوانہ اور مجنوں ہی قرار دیا جا سکتا تھا۔ ورنہ حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

"میں نہیں جانتی بھائی.....! کہ موی نے یہ جملہ کیوں کہا جبکہ حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اب جبکہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ایک اچھی خوشحال زندگی گزار رہی ہو گی تو اس کے لئے محض آپ کی خاطر لوٹ کر آنا کیا ممکن ہو گا.....؟ قطعی نہیں.....! یہ جملہ جس کو آپ نے اپنی منزل سمجھ لیا ہے بہلاوے کا وہ مرہم تھا جو موی نے وقتی طور پر آپ کے زخموں پر رکھا تھا اور کتنے لکی ہیں آپ کہ آپ کے محبوب نے بہلاوے کا سہی آپ کے زخموں پر مرہم تو رکھا۔"

"بھائی.....! آپ مما کی نظر میں موی کی حیثیت جانتے ہوئے بھی ایسے راستے پر چل رہے ہیں جس کی کوئی منزل نہیں۔ مما پپا اور میں بھی یہ چاہتی ہوں کہ آپ شادی کریں تا کہ گھر میں کوئی تبدیلی تو آئے۔ ماہین بہت اچھی لڑکی ہے، پپا اب زیادہ بیمار رہنے لگے ہیں، اب وہ آپ کی شادی کی خوشی دیکھنا چاہتے ہیں۔"

لیلیٰ اسے کتنی دیر سمجھاتی رہی اور پھر بدلتے موسموں نے ایک اور تبدیلی کی۔ ماہین خرم کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی لے کر آ گئی۔ گھر کی فضا نکھری گئی تھی۔ ماہین سب کا خیال رکھتی، خرم کو بہت چاہتی اور وہ بھی اسے پسند کرتا، ہر طرح کا خیال رکھتا مگر موی کسک بن کر اس کے دل کے نرم گوشے کو درد سے آباد رکھتی۔

عائشہ اور ابرار نے ایک ساتھ پڑھتے ہوئے سوشل ورک میں ایم اے کر لیا تھا۔ اتنے عرصے میں ابرار اس کے کسی راز تک رسائی تو حاصل نہیں کر سکا تھا۔ ہاں وہ کیا چاہتی ہے، اس کی سوچ کیا ہے یہ وہ ضرور جان گیا تھا اسی لئے اس کے قریب رہنے کے لئے وہ اس کے سوشل ورک میں دل و جان سے شریک ہوتا، کسی بھی قسم کے سوشل کام کے لئے وہ عائشہ کو ہر وقت ہر جگہ دستیاب تھا اور عائشہ جو محبت کے سمندر سے گزر چکی تھی، شادی جیسے جانکنی کے تجربے کی آگ میں بھی جل چکی تھی وہ ابرار کی ان کہی داستان محبت بھی سمجھ رہی تھی۔ وہ ایک اچھا شریف اور پروقار شخص ہے یہ بھی وہ جانتی تھی مگر ابرار یہ نہیں جانتا تھا کہ عائشہ کے آئینۂ دل پر کسی کا عکس پہلے سے موجود ہے۔ اس کی کتاب ہستی پر کسی اور کے عشق کی داستان درج ہے۔ وہ تو دیوانہ وار اسے چاہے چلا جا رہا تھا۔

اس روز عائشہ نے پہلی بار اس کے گھر پر فون کیا تو وہ خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔

"ہیلو ابرار.....! خاموش کیوں ہو.....؟"

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

"پہلے یہ یقین تو کرلوں کہ تم نے مجھے فون کیا ہے۔"

ہر چند کہ ابرار نے اپنے لہجے اور آواز کو نارمل رکھا مگر پھر بھی ہلکی سی لرزش اس کے دل کی بے پایاں بیقراری کا پتہ دے گئی۔ عائشہ نے اِک گہرا سانس لیا۔

"ظاہر ہے مجھے ہی تم سے کچھ کہنا تھا تو فون بھی مجھے ہی کرنا تھا۔"

عائشہ کا لہجہ، آواز ہر قسم کے تاثر سے عاری تھا۔ خاصا سپاٹ سا انداز تھا جسے ابرار نے محسوس نہیں کیا۔

"تت..... تمہیں مجھ سے کچھ کہنا ہے.....؟ تو کہو ناں عائشہ.....!" اس کی بیقرار سماعتیں ہمہ تن گوش ہوگئیں۔

"فون پر نہیں، تم گھر پر آجاؤ تو بہتر ہے۔"

"او کے او کے.....! میں ابھی آیا۔" سارا راستہ خواب بنتے ہوئے، گاڑی اُڑاتے ہوئے اسے اندازہ نہیں ہوا کہ وہ عائشہ کے سامنے جا بیٹھا ہے۔

"ابرار.....! میں ایک این جی او بنانا چاہتی ہوں۔"

"این جی او.....؟" ابرار جو سارے راستے ارمانوں کی کلیاں چنتا ہوا آیا تھا، این جی او کے ذکر پہ بدمزہ ہوگیا۔

"ہاں.....! این جی او۔ ایسی لڑکیوں کے لئے میں کچھ کرنا چاہتی ہوں ابرار.....! جو کسی نہ کسی طرح زیادتی کا شکار ہوئی ہیں۔ مرد کی زیادتی، معاشرے کی زیادتی، جو بے گناہ، بے قصور ہوتی ہیں۔ مگر یہ مرد ایسی سزا سنا دیتے ہیں کہ وہ نہ جی سکتی ہیں نہ مر سکتی ہیں، ان سے ان کا مان، گھر، بچے چھین کر لے جاتے ہیں، ماں اپنی بیٹی کو دیکھنے کے لئے تڑپتی رہ جاتی ہے مگر وہ اسے اس سے دُور بہت دُور لے کر چلے جاتے ہیں۔ میں ایسی بے قصور لڑکیوں کے لئے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔"

آج کل عائشہ کو اپنی بیٹی بڑی شدت سے یاد آرہی تھی۔ ماہین جب اپنے بیٹے کو اُٹھاتی، پیار کرتی تو اس کی ممتا مچل مچل جاتی اپنی بیٹی کے لئے۔ اس وقت بھی اس کے اندر کا دُکھ، ضبط اس کا چہرہ تپا گیا۔ وہ کھڑکی کھول کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ اس کی اس کیفیت کے پیچھے چھپے راز کو نہ سمجھتے ہوئے وہ پریشان ہوگیا۔ وہ جانتا تھا عائشہ ایک نرم اور ہمدرد دل رکھتی ہے، دوسروں کی تکلیف پر دُکھی ہوجاتی ہے، وہ بے سہارا اور دُکھی لوگوں کے لئے بہت کام کرتی تھی مگر آج کی کیفیت ابرار کے لئے نئی اور اجنبی تھی۔

"عائشہ.....! دوسروں کے لئے درد رکھنا بڑی اچھی بات ہے مگر دوسروں کی ہمدردی میں یوں اپنی جان پر بنا لینا....."

"میری جان ہی پر تو بنی ہوئی ہے ابرار.....! ورنہ کب کوئی کسی کا درد اپنے دل میں محسوس کرتا ہے.....؟ خیر تم بتاؤ اس سفر میں میرے ہمسفر بنو گے نا.....؟"

وہ اس کے سامنے کھڑی اسے اپنا ہمسفر بننے کو کہہ رہی تھی اور اس کا رواں رواں چلا رہا تھا۔ میں تو زندگی کے ہر سفر میں تمہارا ہمسفر بننا چاہتا ہوں مگر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

"کیوں.....؟ تمہیں کوئی شک ہے میرے ساتھ ہونے میں.....؟" وہ اپنی تمام خواہشات کو دبائے

[illegible] رہا تھا۔

"نہیں ابرار.....! تم ہی تو میرے ڈوبتے یقین کا کنارہ بنے ہو۔"

عائشہ کے لہجے کا اعتماد ابرار کو معتبر کر گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"تو میں یقین کرلوں کہ آج سے ہم زندگی کے ہمسفر ہیں.....؟"

"بالکل.....!" عائشہ جس نے نہ خود کبھی ایسا سوچا تھا اور نہ ہی اس کے احساسات کو اس انداز میں اہمیت دی تھی، سادگی سے اپنا خوبصورت ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تو جیسے وہ ہواؤں میں اُڑنے لگا۔ اسے لگا جیسے وہ اس کی ہوگئی ہو۔

• • •

"عطیہ خاتون.....! مجھے ٹینا کے گھر جانا ہے۔ چلئے ناں پلیز.....! دیکھئے میں نے اپنا ہوم ورک بھی کرلیا ہے۔ جلدی کیجئے ناں، کارٹون کا وقت نکل جائے گا اور پھر بابا بھی آجائیں گے۔"

پانچ چھ سالہ خولہ شہباز جلدی جلدی ہوم ورک مکمل کر کے اپنی گورنس عطیہ خاتون کے سر پر کھڑی تھی کہ اسے ٹینا کے گھر لے جائے۔ وہاں اسے کارٹون دیکھنا ہوتا تھا۔

خولہ کا اصرار بڑھ رہا تھا جبکہ عطیہ خاتون ڈر رہی تھیں کیونکہ گزشتہ چند دنوں سے وہ شہباز کی اجازت کے بغیر ہی خولہ کو ٹینا کے گھر کارٹون دکھانے لے جاتی تھیں مگر اب خوفزدہ تھیں کہ شہباز کو پتہ چلے گا تو بہت خفا ہوں گے۔ ان کو یہ بات بالکل بھی اچھی نہیں لگے گی کہ وہ ٹینا کے گھر ٹی وی دیکھنے جائے۔

عطیہ خاتون نے اسے ٹالنا چاہا مگر وہ بضد رہی۔

"اوہو عطیہ خاتون.....! میں ٹی وی نہیں کارٹون دیکھنے جاتی ہوں۔ بس آپ چلئے اب۔" خولہ کی ضد کے آگے وہ آج بھی ہار جاتیں۔ وہ اُٹھیں اور خولہ کی الماری سے اسکارف نکال لائیں۔

"او کے.....! تو پہلے آپ یہ اسکارف باندھ لیجئے پھر ہم چلتے ہیں۔"

عطیہ خاتون چاہ رہی تھیں کہ ایک تو شہباز آجائیں اور ان کو ساری بات بتا دی جائے۔ دوسرا کارٹون کا وقت نکل جائے تو اس کو جانے سے روکا جاسکے تب ہی تو وہ اسکارف نکال لائی تھیں۔ ان کو معلوم تھا اس بحث میں اس وقت بریک لگ سکتا ہے اور وہی ہوا تھا۔ خولہ نے اسکارف اُٹھا کر پرے پھینک دیا۔

"عطیہ خاتون.....! میری بات آپ کو سمجھ نہیں آتی.....؟ مجھے اسکارف نہیں لینا۔"

"خولہ بیٹا.....! بابا خفا ہوں گے۔ وہ چاہتے ہیں آپ گھر سے باہر نکلو تو اسکارف باندھ کر نکلو۔"

"کیوں.....؟ کیوں.....؟" خولہ بری طرح چڑ گئی۔

"اس لئے بیٹا.....! کہ بابا چاہتے ہیں کہ انگریزوں کے اس ملک میں آپ اپنے لباس اور عمل سے مسلمان اور پاکستانی لڑکی لگو اس لئے۔ یوں بھی اسکارف بہت اچھی چیز ہے بیٹا.....! آپ نے مجھے نہیں دیکھا میں تو ہر وقت....."

"آپ.....! آپ تو بڑی ہیں عطیہ خاتون.....! میں تو چھوٹی ہوں اور ٹینا، جو بھی تو اسکارف نہیں لیتی، میں کیوں لوں.....؟" ننھے دماغ میں بڑوں کی باتیں اور مصلحتیں نہیں آرہی تھیں۔

Scanned & Posted by Sanyoo @ OneUrdu.com
UrduPhoto.com

"دیکھئے بیٹا.....! ٹینا اور جو ہی نان مسلم بچیاں ہیں۔ وہ اپنے مذہب کے مطابق رہتی ہیں اور آپ کا، ہمارا مذہب تو اسلام ہے ناں اور ہمیں اچھا مسلمان بننا چاہئے۔ اسلام کے احکامات پر عمل کرنا چاہئے اور اگر آپ چھوٹی ہیں تو ہم تو بڑے ہیں ناں اور بچوں کو اچھائی برائی کے بارے میں بتانا ہم بڑوں ہی کا تو فرض ہوتا ہے ناں۔ ارے بھئی خولہ بی بی.....! آپ بہت بحث کرتی ہیں۔ دیکھئے اسکارف کی بحث میں پڑ گئے اور آپ کے کارٹون کا وقت نکل گیا۔ ٹائم دیکھئے اب تو کارٹون ختم ہو گیا ہوگا۔"

عطیہ خاتون اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ انہوں نے سامنے وال کلاک کی طرف اشارہ کیا۔ خولہ نے بھی دیکھا، وقت نکل چکا تھا۔ وہ عطیہ خاتون سے خفا ہو کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ گود میں کشن رکھ کر رونے لگی۔

"آپ.....! آپ بہت گندی ہیں عطیہ خاتون.....! آپ نے جان کر وقت ضائع کیا ہے۔ میں نہیں پہنوں گی اسکارف۔ کبھی بھی نہیں۔" غصے میں آ کر خولہ نے اسکارف کا گولہ بنا کر اُچھال دیا۔ وہ بری طرح سے ہو گئی تھی۔

"ارے بھئی.....! یہ تو بہت بری بات ہو گئی۔ آپ عطیہ خاتون سے خفا ہو گئیں۔ اچھا چلئے آپ کا کارٹون ہماری وجہ سے مس ہو گیا، میں آپ کو بہت اچھی سی لمبی سی شہزادی والی اسٹوری سناتی ہوں، آیئے۔" عطیہ خاتون آگے بڑھیں تاکہ اسے گود میں لے لیں مگر خولہ مچل کر دور جا کھڑی ہوئی۔

"نہیں سننا مجھے اسٹوری۔ بس مجھے ٹی وی چاہئے۔ بابا سے کہیں مجھے ٹی وی لا کر دیں بالکل ٹینا جیسا ٹی وی۔ اس پر اچھے کارٹون آتے ہیں بس مجھے ٹی وی چاہئے۔"

خولہ کا یہ تقاضا روز کا تھا جواب زور پکڑتا جا رہا تھا مگر عطیہ خاتون بہلا دیتی تھیں مگر اب تقاضے میں شدت آتی جا رہی تھی۔

"او کے.....! ایسا کرتے ہیں پہلے ہم کھانا کھاتے ہیں پھر بابا جب آئیں گے تو ہم کہہ دیں گے ہمیں ٹی وی چاہئے بس۔"

عطیہ خاتون جلدی سے بڑھیں کہ شہباز کے آنے سے پہلے اسے کھانا کھلا دیں مگر آج خولہ قابو میں نہیں آ رہی تھی۔

"نہیں کھاؤں گی۔ آپ بھی گندی ہیں بابا بھی گندے ہیں۔ بس مجھے ٹی وی چاہئے۔"

"او کے بے بی.....! میں آپ کے بابا سے بات کروں گی جان.....! آؤ پہلے کھانا کھاؤ۔" عطیہ خاتون اس کے لئے کھانا لینے چلی گئیں، لوٹیں تو وہ کشن گود میں رکھے سو گئی تھی۔ شہباز بھی اسی وقت اندر آیا۔ عطیہ خاتون نے خولہ کو سیدھا کر کے لٹایا اور کمبل اوڑھا کر پلٹیں۔ شہباز نے اس کے لئے لایا ہوا پیکٹ میز پر رکھا اور خولہ کی طرف بڑھا۔

"آج اتنی جلدی کیوں سو گئی.....؟ اور کیا خولہ روئی ہے.....؟" آنسوؤں کے نشانات اس کے معصوم چہرے پر عیاں تھے، بال بھی چپکے ہوئے تھے گالوں سے۔ شہباز تڑپ ہی تو اُٹھا۔ اس کو اسی وقت گود میں اُٹھا لیا۔ لہجے میں غصہ اور ترشی تھی۔ عطیہ خاتون میز پر خولہ کا کھانا رکھ کر پلٹیں۔ آج خولہ کے ان ہی آنسوؤں کے حوالے سے وہ شہباز کو بہت کہنا اور سمجھانا چاہتی تھیں۔

"آپ کا کیا خیال ہے سر.....! خولہ کے آنسوؤں کا سبب کیا ہو سکتا ہے.....؟"

عطیہ خاتون نے جواب دینے کی بجائے سوال کر دیا تو شہباز نے اسے ذرا استفہامیہ انداز میں دیکھا۔ گزرے وقت اور حالات نے شہباز کو بالکل بدل کر رکھ دیا تھا۔ وہ بہت تلخ ہو گیا تھا۔ عطیہ خاتون پڑھی لکھی مگر بے سہارا خاتون تھیں اور شہباز ان کو جانتا تھا کہ بہت اچھی خاتون ہیں اسی لئے انہوں نے خولہ کی تربیت اسے سونپ دی تھی مگر اس نے کبھی اتنا حوصلہ نہیں ہونے دیا تھا عطیہ خاتون کو کہ وہ اس انداز میں بات کریں۔

"عطیہ خاتون.....! میں اس قسم کی باتیں اور طرزِ تکلم کو پسند نہیں کرتا، جانتی ہیں آپ پھر بھی....."

"جی.....! معذرت کے ساتھ میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ سر.....! کہ خولہ آپ کی سگی بیٹی ہے مگر جو پالنے والے ہوتے ہیں ناں ان کو بھی بچے سگی اولاد کی طرح پیارے ہوتے ہیں۔ جس طرح آپ کو خولہ کے آنسوؤں سے تکلیف پہنچتی ہے اسی طرح مجھے بھی ہوتی ہے۔"

"میں اپنی اور آپ کی تکلیف جاننا نہیں چاہتا۔ میں نے اس کے آنسوؤں کا سبب پوچھا ہے بس۔" شہباز کا درشت لہجہ عطیہ خاتون کو دُکھی کر گیا۔

"ان کے آنسوؤں کا سبب ٹی وی ہے سر.....!" عطیہ خاتون نے بلا تمہید کہا۔

"ٹی وی.....؟" وہ یوں چونکا جیسے چلتے چلتے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا ہو۔

"جی.....! خولہ روز ٹینا کے ہاں کارٹون دیکھنے جاتی ہے۔ آج میں انہیں لے کر نہیں گئی تو....."

"واٹ.....! آپ اسے روز ٹینا کے گھر ٹی وی دکھانے لے جاتی ہیں عطیہ خاتون.....! اور مجھے آج بتا رہی ہیں۔" شہباز دھاڑا تو عطیہ خاتون سہم گئیں۔ ان کو معلوم تھا کہ وہ تو بچی کی ضد کے ہاتھوں مجبور ہو کر لے جاتی ہیں مگر جس روز شہباز کو معلوم ہوگا ایسا ہی کوئی دھماکہ ہوگا۔

"عطیہ خاتون.....! آپ کو یاد ہے جب میں نے چند ماہ کی خولہ آپ کی گود میں ڈالی تھی تو کہا تھا ناں کہ میری اس بیٹی کی تربیت، تعلیم، پرورش صرف اور صرف اسلامی، مشرقی اور پاکستانی انداز میں ہوگی اور ٹی وی..... ٹی وی تو خولہ کے لئے ایجاد ہی نہیں ہوا پھر خولہ کی زندگی میں ٹی وی اتنی اہمیت کیوں اختیار کر گیا کہ اس کے لئے اس نے آنسو بہائے، برباد کر کے رکھ دیا اس ٹی وی نے مجھے۔ میں نے اپنی زندگی کی کتاب آپ کو پہلے ہی روز اس لئے کھول کر نہیں دکھائی تھی کہ آپ اسے ناول سمجھ کر وقت گزاری کریں۔ اپنے وہ دُکھ جو خود سے بھی چھپاتا رہا آپ کو دکھا دیئے کیونکہ میں اپنی بیٹی کی تربیت میں کوئی کمی، کوئی جھول دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ خولہ ایک مسلمان، مشرقی پاکستانی لڑکی ہوگی یہی طے ہوا تھا ناں آپ سے۔ پھر آپ نے کیسے میرے اعتماد کی دیوار گرا کر خولہ کو اسی راستے پر ڈال دیا جو سوائے بربادی کے کسی طرف نہیں جاتا.....؟ کیوں عطیہ خاتون.....! آپ نے میرے ساتھ ایسا کیا.....؟ میں نے آپ کے ساتھ کیا برا کیا کہ آپ نے اسے اس کی ماں کے راستے پر ڈال دیا.....؟ جس بات سے خوفزدہ ہو کر میں اسے اس کی ماں سے چھین لایا آپ نے عطیہ خاتون.....! اس کو اسی راستے پر ڈال دیا۔"

شہباز بہت اَپ سیٹ ہو گیا تھا۔ اس کے سینے میں تکلیف ہونے لگی۔ وہ لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ ایک پل کے لئے شہباز کو لگا اس نے لیلیٰ کے ساتھ جو زیادتی کی ہے اس کی اس کو سزا ملنے لگی ہے مگر وہ خولہ کو کسی صورت

UrduPhoto.com

لیلیٰ کے راستے پر چلنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ ہر چند کہ یہ تمام باتیں پہلے ہی طے ہو گئی تھیں مگر عطیہ خاتون بھی انسان تھیں، خولہ کو انہوں نے بہت محبت سے پالا تھا، وہ اس کی خواہش اور ضد کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے لے جایا کرتی تھیں اور ان کو معلوم تھا جس روز شہباز کو پتہ چلے گا ایسا ہی کچھ ہوگا۔ وہ ان حالات کے لئے ذہنی طور پر تیار تھیں۔

"آئی ایم سوری سر.....! ابھی آپ بہت جذباتی ہو رہے ہیں ممکن ہے جو بات میں کہنا چاہتی ہوں وہ آپ کو مزید بری لگے آپ کی طبیعت بہتر نہیں، آپ آرام کیجئے میں پھر بات کروں گی۔"

"نیو نیور.....! اب آپ اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کریں گی۔ پلیز.....! یہاں سے چلی جائیے۔ آپ نے دشمنی کی ہے میرے ساتھ، جس ٹی وی نے مجھ سے میرا گھر، میری محبت، میرا سکون چھینا آپ نے اس آسیب کو میری بیٹی کے پیچھے لگا دیا۔ پلیز.....! چلی جائیے۔"

شہباز کو عطیہ خاتون نے اتنے غصے میں پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ سہم کر دور ہٹ گئیں۔ وہ تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ خوفزدہ نظروں سے شہباز کو دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ شہباز سے ہمدردی کی تھی مگر شدت پسندی عطیہ خاتون کو پسند ہی نہیں تھی۔ وہ اس وقت شہباز کو دیکھے جا رہی تھیں جس کی بری حالت تھی۔ ایسی حالت ایک خوفزدہ شخص ہی کی ہو سکتی ہے اور وہ بھی خوفزدہ شخص تھا۔ وہ اپنے ماضی سے خوفزدہ تھا کہ کہیں کہانی خود کو دہرا نہ لے اور وہ اپنی ہی نظروں میں گر نہ جائے کیونکہ وہ بھی انسان تھا جہاں اسے اپنے دل کے اُجڑنے کا دُکھ تھا وہاں لیلیٰ کی گود اُجاڑنے کا صدمہ بھی تھا اور ایسا کر کے بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوتا تو اس سے بڑھ کر اس کی کیا شکست ہو سکتی تھی اور وہ زندگی تو ہار سکتا تھا مگر یہ جنگ نہیں ہار سکتا تھا تب ہی تو عطیہ خاتون کا اتنا احترام کرنے کے باوجود ان کو ڈانٹ دیا تھا۔ وہ مزید کوئی بات کئے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

شہباز جب حواسوں میں آیا تو سب سے پہلے اپنے ناروا سلوک کا خیال آیا تھا۔ ضمیر نے ملامت کی تو اسی وقت ان سے معذرت کرنے کا سوچ لیا۔ عطیہ خاتون بہت اچھی فیملی سے تعلق رکھتی تھیں، اولاد سے محروم رہیں تو شوہر نے طلاق دے دی، وہ اپنے بوڑھے باپ کے پاس آ گئی اور وہ بزرگ شہباز کے آفس میں ملازم رہ چکے تھے۔ آخری وقت میں انہوں نے عطیہ خاتون کو شہباز کے حوالے کر دیا تھا جس کو خولہ کے لئے ایک ایسی ہی باکردار، نیک پروین قسم کی خاتون درکار تھیں اور چند ماہ کی خولہ کو ان کی گود میں دے کر وہ بالکل بے فکر ہو گیا تھا اور آج پہلا موقع تھا کہ اس نے عطیہ خاتون کو برا بھلا اور چلے جانے کو کہا وہ تو ویسے ہی عورت کا احترام کرتا تھا اور ایسی عورت جو اس کی بیٹی کو ماں کی طرح پیار کرتی ہوں۔ کتنی ہی دیر وہ ٹہلتا رہا، سوچتا رہا، ساری باتیں احساس، ندامت بنی کچوکے لگا رہی تھیں۔ پھر جاگتے جاگتے ان ہی پر ملال خیالوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ رہا اور فجر کا وقت ہو گیا اس نے پہلے فجر کی نماز پڑھی پھر خولہ کو لے کر عطیہ خاتون کے دروازے پر آ گیا۔ وہ بھی نماز کے بعد قرآن پاک لے کر بیٹھی ہی تھیں کے دروازے پر مانوس سی دستک پر وہ قرآن پاک سینے سے لگائے دروازہ تک آ گئیں۔

"آپ.....!" وہ شہباز کو دیکھ کر حیرت سے بولیں۔

"جی.....! وہ بات یہ ہے عطیہ خاتون.....! کہ خولہ اب بڑی ہو رہی ہے اس لئے یہ میرے بجائے آپ

کے ساتھ سویا کرے گی۔" لہجے میں ندامت اور معذرت کا واضح احساس لئے وہ بولتا آگے بڑھا اور ان کے بستر پر خولہ کو ڈال کر کمبل اوڑھا کر چند قدم ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ چپ رہیں، ساری رات شدت گریہ سے ان کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں شہباز نادم سا ہو گیا۔

"آپ.....! آپ بہت ناراض ہیں مجھ سے.....؟" شہباز ہی کی آواز نے سکوت توڑا وہ پھر بھی چپ رہیں۔ دونوں ہاتھوں سے قرآن پاک تھامے رکھا۔

"آپ کو ناراض ہونا بھی چاہئے عطیہ خاتون.....! اس لئے کہ آپ خولہ کو پال رہی ہیں، ماں ہیں، آپ کو حق حاصل ہے۔ بس میں ہی ضبط کی حد کراس کر گیا تھا اس لئے میں اپنے رویے کی آپ سے بہت بہت معذرت چاہتا ہوں۔ یقین جانیے میں بہت نادم اور شرمندہ ہوں آپ سے۔" اس کا لہجہ، اس کے الفاظ کی سچائی اور پاکیزگی کا ثبوت تھا۔ ان کا دل صاف ہو گیا۔ یوں بھی وہ اس شخص کے خوف کو اچھی طرح جانتی تھیں مگر کچھ باتوں پر ان کو اختلاف تھا۔ ابتداء میں خولہ کے معاملے میں اس کا سخت رویہ ان کو تپا جاتا تھا۔ اس وقت چونکہ وہ اپنی حرکت پر شرمندہ اور نادم کھڑا تھا وہ بھی اپنی بات کہنا اپنا حق سمجھتی تھیں۔

"بیٹھ جائیے شہباز صاحب.....! آپ میرے کمرے میں پہلی بار آئے ہیں۔" عطیہ خاتون نے آہستگی سے کہا۔ قرآن پاک جزدان میں رکھا تو شہباز صوفے کی طرف بڑھتے بڑھتے مڑا۔

"میں صرف اسی صورت میں بیٹھوں گا جب آپ کہہ دیں گی کہ آپ نے مجھے معاف کیا۔"

"شہباز صاحب.....! میں الفاظ کو اتنی اہمیت دیتی تو نہیں پھر بھی اپنی تسلی کے لئے آپ یہی سمجھئے اور بیٹھ جائیے میں بھی آج آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

تحمل سے بولیں وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"جی ضرور کہئے.....! ضروری نہیں کہ ہمیشہ میں ہی درست ہوں کہیں تو میں بھی غلط ہو سکتا ہوں۔"

شہباز کی طرف سے گرین سگنل ملتے ہی عطیہ خاتون کھڑی ہو گئیں۔ خولہ کے قریب آ کر اسے پیار کرنے لگیں۔ شہباز نے ساری بات ان کو بتا دی تھی تب ہی تو خولہ ان کو بہت عزیز تھی جس نے ڈھنگ سے ماں کے لمس کو محسوس بھی نہیں کیا تھا۔ خولہ اپنی عمر کے لحاظ سے معصوم چھوٹی چھوٹی ان خواہشات کا اظہار کرتی جن سے شہباز نے سختی سے منع کر رکھا تھا ایسے میں انہیں شہباز پر غصہ آنے لگتا۔ مگر وہ اپنے اختیارات کی حد کو کراس کرنا پسند نہیں کرتی تھیں اس بار مجبور ہو کر انہوں نے خولہ کی خواہش پوری کر دی تو شہباز آپے سے باہر ہو گیا اور اسی حوالے سے وہ اسے کچھ کہنا چاہتی تھیں۔

"شہباز صاحب.....! آپ نے اپنی زندگی کی کتاب مجھے پڑھنے کو دی اور میں نے سوچ سمجھ کر بغور اسے پڑھا۔ مائنڈ نہ کیجئے گا، مجھے اس کہانی میں سب سے مظلوم کردار خولہ ہی لگی، جب مرد اور عورت ایک دوسرے کو زندگی کے سفر کے لئے ہمسفر بناتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ بس اسی ہمسفر کے ساتھ زندگی تمام ہو جائے گی لیکن پھر ہوتا یوں ہے کہ کسی نہ کسی وجہ سے زندگی کے یہ ساتھی ایک دوسرے کا ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں اور اپنی اپنی انا کو خوش کرنے کے چکر میں یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے اس سفر میں کچھ ننھے مسافر بھی شریک ہو گئے ہیں اور ان ننھے مسافروں کے لئے ماں اور باپ دونوں ضروری ہوتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے سمجھتے کہ ماں غلط ہے یا باپ ان کو تو بس دونوں

UrduPhoto.com

چاہئے ہوتے ہیں۔ شہباز صاحب.....! ایسا کرتے ہوئے لوگ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ گھر نہیں ٹوٹتے دل ٹوٹتے ہیں۔ گھر تو پھر آباد ہو جاتے ہیں لیکن دل وہ نگر ہیں کہ پھر آباد نہیں ہوتے اور یہ دل ان معصوم بچوں کے ہوتے ہیں جن کے والدین سمجھوتے کی راہ اختیار نہیں کرتے آر پار ہو جاتے ہیں اور بچے درمیان میں لٹکتے رہتے ہیں۔ میں معذرت کے ساتھ کہوں گی کہ ایک ماں سے چند روز کی بچی چھین کر آپ نے انتہائی چھوٹی اور سفاکانہ حرکت کی ہے اور اس سے بھی چھوٹی حرکت آپ اس معصوم بچی کی معصوم خواہشات کو مار کر رہے ہیں۔"

عطیہ خاتون کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع خود شہباز نے فراہم کیا تھا اور اب ان کے الفاظ اس کے زخموں کے ساتھ اس کے فیصلے کی پختگی کو بھی بے وقعت کر رہے تھے۔ تاہم وہ ضبط کئے سنتا رہا۔

"عطیہ خاتون.....! میں آپ کا احترام کرتا ہوں اس لئے میں نے آپ کی بات بھی سن لی ہے۔ میں خولہ کے معاملے میں کس حد تک سچی ہوں یہ آپ جانتی ہیں۔ میں اس کی چھوٹی سے چھوٹی خواہش بھی پوری کرنا اپنا فرض ہی نہیں خوشی سمجھتا ہوں۔ اس کے سوا میری زندگی میں ہے ہی کیا.....؟"

"ایسا ہے تو پھر شہباز صاحب.....! آپ اس کی معصوم خواہشات کا احترام کریں۔ وہ ٹی وی دیکھنا چاہتی ہے، وہ اپنے گھر میں....."

"پلیز.....! پلیز عطیہ خاتون.....! وہ بچی ہے، کچھ نہیں جانتی، آپ سب جانتی ہیں کہ ٹی وی نے میری زندگی برباد کر دی ہے۔"

"لیکن وہ صرف کارٹون دیکھنا چاہتی ہے۔" عطیہ خاتون نے خولہ کی حمایت کی۔

"آج بچی ہے کارٹون پسند ہیں، کل بڑی ہوگی ڈرامے پسند کرنے لگے گی، پھر ایکٹنگ کا شوق ہوگا۔ پھر کوئی شہباز اس کی زندگی میں آئے گا پھر..... پھر یہی کہانی دہرائی جائے گی۔ نو شور عطیہ خاتون.....! اب وہ کہانی دہرائی نہیں جائے گی۔ نہیں..... میں اس کی ایسی خواہش پوری نہیں کر سکتا۔"

شہباز کی رگیں تن گئیں۔ عطیہ خاتون نے اُٹھ کر پانی کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھما دیا جسے وہ جلدی سے پی گیا۔ وہ کچھ دیر اس کے سانس بحال ہونے کا انتظار کرنے لگیں۔

"میں آپ کی فیلنگ بہت اچھی طرح سمجھ سکتی ہوں مگر شہباز صاحب.....! خولہ معصوم بچی ہے، اس کا دل، اس کا دماغ کورا کاغذ ہے۔"

"ہاں.....! اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ اس کے کورے دل و دماغ پر ہم اپنی پسند کی تحریر درج کر دیں، اپنی پسند کے نقش اُبھار دیں، بچہ تو موم کی طرح ہوتا ہے جس کو بڑے اپنی پسند کی....."

"بات کاٹنے کی معذرت چاہتی ہوں شہباز صاحب.....! ابھی تو یہ بچی ہے۔ آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ کل کو یہ بڑی ہوگی، اس کی اپنی سوچ ہوگی، اپنی پسند ہوگی پھر....."

"نہیں ہوگی اس کی اپنی کوئی سوچ، اس کی ہر سوچ پر کڑے پہرے ہوں گے، اس کی ہر پسند میرے حکم کے تابع ہوگی۔ عطیہ خاتون.....! آپ بہت اچھی خاتون ہیں، اپنی طرح اس کی اچھی سی تربیت کر دیجئے، میں اسے اس کی ماں کے راستے پر دیکھنا نہیں چاہتا، میں خولہ کو مثالی لڑکی کے رُوپ میں اس کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، اس سے شرمندہ نہیں ہونا چاہتا اسی لئے اس کی پرورش اور تربیت کے لئے میں نے آپ کا انتخاب کیا ہے۔

".....!"

لیلیٰ سے جنگ جیت لینے کی خواہش میں اس نے امداد طلب نظروں سے عطیہ خاتون کو دیکھا جن کو اس سے بہت جگہ پر اختلاف ہوتا تھا مگر بحث فضول گردانتے ہوئے چپ رہتیں۔

"ہم انسان تو اپنی سی کوشش ہی کر سکتے ہیں شہباز صاحب.....! اللہ مالک ہے، میں صرف اتنا کہوں گی کہ اعتدال کامیابی کا ضامن ہے۔ ہمارے دین میں اعتدال اور میانہ روی ہی کو پسند کیا ہے، شدت اور انتہا مناسب نہیں، میری کوشش اور دُعا ہوگی کہ خولہ بیٹی آپ کی خواہشات پر پوری اُترے لیکن ہار اور جیت کے بارے میں قبل از وقت کوئی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ کس کی نظریں کس کے سامنے جھکتی ہیں یہ صرف اللہ جانتا ہے ہم نہیں۔"

اپنی سوچ و خیالات کو عطیہ خاتون نے مناسب الفاظ میں لپیٹ دیا تھا مگر شہباز ایسی کسی سوچ کے راستے پر نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ شروع ہی سے اُصول پرست تھا، اس نے کبھی اُصولوں پر سمجھوتہ نہیں کیا تھا مگر اب شدت پسند ہو گیا تھا۔ خولہ کے معاملے میں وہ کہیں بھی کمپرومائز کے لئے تیار نہیں تھا مگر گزرتا وقت آہستہ آہستہ اس کی شدت پسندی اور اُصول پرستی میں دراڑیں ڈالتا جا رہا تھا۔ عطیہ خاتون جیسی مضبوط اعصاب کی خاتون بھی خولہ کو کبھی کبھی روک نہ پاتیں تو عطیہ خاتون مناسب انداز میں اس کی بات اس لئے مان لیتیں کہ کہیں وہ بغاوت پر نہ اتر آئے۔ شہباز نے اسے مغربی انداز کے لباس سے منع کر رکھا تھا مگر خولہ کو اتنی ہی شرٹس اور جینز پسند تھیں۔ اسے ہر اس چیز سے لگاؤ تھا جس سے شہباز نے روکا تھا۔ وہ باپ کے مخالف راستے پر چلتی تو عطیہ خاتون کانپ جاتیں۔ دینی اور اخلاقی دیوار اس کے سامنے کھڑی کر دیتیں۔

...

مرد اور عورت کو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم بنایا ہے تاکہ دونوں باہمی اتفاق اور محبت زندگی کے توازن کو برقرار رکھیں لیکن جب دونوں ایسا نہیں کرتے تو توازن بگڑنے لگتا ہے اور اس بات کا شدت سے شہلا کو اب احساس ہو رہا تھا۔ وجاہت جیسا بھی تھا اس کا شوہر تھا، بچیوں کا باپ تھا، وہ زندگی میں کتنا ضروری تھا یہ اس کے جانے کے بعد پتہ چلا تھا۔ بزنس ہاسپٹل بچیوں کی تعلیم و تربیت خاص کر علیزہ کے جارحانہ رویے نے اسے ایک حلیم سے سخت گیر عورت بنا دیا تھا جو بچوں پر اپنا فیصلہ ہی صادر کرنا جانتی تھی۔ باقی تینوں بچے اس کے حکم کی حد کبھی کراس نہ کرتے مگر علیزہ بے حد نافرمان تھی۔ وہ شہلا کو اپنے پیارے بابا کی دُشمن سمجھتی تھی اور شہلا کو اسی سے خطرہ تھا وہی اسے وجاہت کے سامنے شرمندہ کر سکتی تھی اس لئے وہ اس پر چیک بھی زیادہ رکھتی۔ وہ جانتی تھی علیزہ وجاہت کی تربیت کی وجہ سے اس کو پسند نہیں کرتی، اس کا یہ انداز شہلا کو خوفزدہ تو رکھتا ہی دوسری طرف سے اسے سخت بھی بنا دیا۔ اس نے زندگی کے سرد و گرم دیکھے تھے، موسموں کی تبدیلی کی سختیاں برداشت کی تھیں اور جس نتیجہ پر پہنچی تھی اور جو زینت کی وصیت تھی اس کے مطابق اس کی بیٹیوں کو اتنا مضبوط بنا دیا جائے کہ ان کے کردار کی چوٹی کو کوئی وجاہت یا ریحان جیسا مرد سر نہ کر سکے ان ہی باتوں کی وجہ سے وہ سختی کرتی جس پر علیزہ بپھر جاتی۔

"واٹ نان سینس.....! تم لوگوں کے فائنل ایگزام سر پر ہیں اور کالج والے پکنک مناتے پھر رہے ہیں۔

UrduPhoto.com

ربش.....! میں تم لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ بات کرواؤ وردہ.....! اپنی پرنسپل سے۔"

ان دونوں کے ایف ایس سی کے فائنل ایگزامز تھے۔ شہلا نے سنا تو وہ غصے میں آ گئی۔ وہ خود بھی بہت محنتی اسٹوڈنٹ رہی تھی اور چاہتی تھی کہ یہ لوگ بھی اپنی محنت سے میرٹ پر آئیں۔ اس نے غصے سے کہا تو وردہ سہم گئی، علیزہ کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے۔ اسے شہلا کی یہ بات انتہائی ناگوار گزری تھی کیونکہ اس کا شمار بھی ان نچلے اسٹوڈنٹس میں تھا جنہوں نے ٹیچرز کو مجبور کر کے پکنک کا پروگرام بنوایا تھا اور اب شہلا ان ہی کو جانے سے منع کر رہی تھی۔

"نہیں مما.....! یہ..... یہ پکنک ٹیچرز نے نہیں خود اسٹوڈنٹس نے ارینج کی ہے ورنہ ٹیچرز نے بھی یہی کہا تھا کہ ایگزامز قریب ہیں مگر اسٹوڈنٹس نے ایک نہیں سنی، مجبوراً ٹیچرز کو اجازت دینا پڑی۔" وردہ نے ساری بات بتا دی تو علیزہ کو بہت غصہ آ گیا۔ وردہ پر اس نے اسے گھورا، شہلا نے بھی دیکھ لیا۔

"ہاں.....! میں سمجھ سکتی ہوں۔ ہوتے ہیں کچھ خودسر بچے بھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ بچوں کو اچھی بری بات سمجھانا بڑوں کا فرض ہوتا ہے خواہ والدین ہوں یا ٹیچرز۔ اپنی ہاؤ کالج جاتا ہے جائے تم لوگ نہیں جاؤ گی۔ یہ ایف ایس سی کا فائنل ہے، زیادہ محنت ہی تم لوگوں کو میرٹ تک لائے گی اور کالج میں ایڈمیشن کے لئے میرٹ پر آنا بہت ضروری ہے۔ یوں بھی میڈیکل کالج میں اب آسانی سے ایڈمیشن نہیں ملتے اور میں چاہتی ہوں کہ تم لوگ میرٹ پر میڈیکل کالج میں ایڈمیشن حاصل کرو اور پھر تم دونوں کے بعد ہنی ہے، میں چاہتی ہوں تم تینوں بہنیں ڈاکٹر بنو اور باعزت زندگی گزارو۔"

شہلا اپنی حیثیت، اپنا مرتبہ استعمال کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وردہ حسب عادت فرمانبرداری سے سن کر ان الفاظ کو اپنا نصب العین بنا رہی تھی جبکہ علیزہ کو ہر بات تیر بن کر لگ رہی تھی۔

"آپ یہ چاہتی ہیں، آپ وہ چاہتی ہیں، چاہتوں کے سارے اختیارات آپ اپنے پاس رکھنا چاہتی ہیں اور دوسروں کو کیا چاہئے، وہ کیا چاہتے ہیں اس باب کو آپ پڑھنا گوارہ ہی نہیں کرتیں۔ کیوں آپ کی بیٹیاں ڈاکٹر بنیں.....؟ بیٹیاں کیا بننا چاہتی ہیں اس بارے میں آپ نے کبھی سوچا ہے.....؟" علیزہ بدتمیزی سے شہلا کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔

"یہ میں ہی نہیں تمہاری ماں بھی یہی چاہتی تھی۔ یہ الگ بات کہ میں بھی یہ چاہتی ہوں۔"

"ایئی دے یہ آپ چاہیں یا ہماری ماں، مجھے ڈاکٹر نہیں بننا اور پھر ضروری نہیں کہ ہاسپٹل اپنا ہے تو سارے ڈاکٹرز بھی گھر کے ہوں۔ مجھے ڈاکٹر نہیں بننا فائن آرٹس پڑھنا ہے بس۔"

علیزہ نے اپنے بازو پر لپیٹے ہیر بینڈ کو کھولا اور شولڈر کٹ بالوں کو لہرا کر ہیر بینڈ میں قید کرتے ہوئے قطعی فیصلہ سنا دیا تو وردہ نے اک خوفزدہ سی نگاہ شہلا پر ڈالی جس کے چہرے پر لمحہ بھر کے لئے تناؤ کے بعد نرمی چھا گئی تھی۔ یہ وہ جانتی تھی کہ علیزہ اس کے لئے لوہے کا چنا ثابت ہوگی۔ وہ نہ صرف شکل میں باپ کی طرح تھی اس کی حرکتیں، باتیں اور اس کی ہر بات، ہر فیصلے سے انحراف سب کچھ وجاہت پر گیا تھا مگر وہ شروع ہی سے تعلیم میں بہت اچھی تھی، ہر کلاس میں پوزیشن لیتی تھی اور شہلا چاہتی تھی کہ وہ میڈیکل ضرور پڑھے اور علیزہ کو شوق بھی تھا کہ ڈاکٹر بنے مگر محض شہلا کی چڑ میں وہ اپنی لائن تبدیل کرنا چاہتی تھی۔ علیزہ کو وجاہت سے بے حد پیار تھا اور وہ

جانتی تھی کہ وہ شہلا سے لڑ کر چلا گیا ہے اور شہلا کا یہ قصور تو وہ کسی صورت معاف نہیں کر سکتی تھی اس لئے اس کے خلاف راستے پر ہی چلتی۔

"تمہیں جو کچھ بھی بننا ہے یہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ فی الحال تم لوگوں کے امتحانات ہونے والے ہیں کسی پکنک پر جانے کی ضرورت نہیں۔"

شہلا نے حتمی انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا اور باہر نکل گئی۔

"آئی ہیٹ ڈیٹ وومن۔" شہلا کے جاتے ہی علیزہ نے غصے سے تکیہ دیوار پر مارا۔

"علیزہ.....! تمہیں شرم آنی چاہئے، وہ ہماری مما ہیں۔" وردہ کسی ناصح کی طرح اسے سمجھاتی ہی رہتی۔

"نہیں ہے ہمارا اور اس کا کوئی رشتہ اور جو ہے وہ دودھاری تلوار سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ جس نے ہم سے ہمارا باپ چھین لیا۔ بابا ان کی وجہ سے گھر چھوڑ کر چلے گئے اور یہ ہمیں اپنی مرضی کی زندگی کا لبادہ اوڑھانا چاہتی ہیں اور میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ انہوں نے بابا کو گھر سے نکالا ہے میں....."

علیزہ کی نگاہوں میں وہ منظر گھوم گیا جب شہلا اور وجاہت میں تلخ کلامی ہوئی تھی۔ وجاہت نے گھر چھوڑنے کی دھمکی دی تھی اور تیسرے روز وہ سو کر اٹھے تو وجاہت گھر چھوڑ کر جا چکا تھا۔ تب سے آج تک وہ اپنے بابا کی واپسی کی دعائیں کر رہی تھی۔ بابا اسے کتنی یاد آتے تھے، ننھا دل باپ کی گود کے لئے مچل مچل جاتا مگر وہ تو نجانے کن راہوں کی دھول ہو گیا تھا کہ پلٹ کر خبر بھی نہیں لی تھی اور علیزہ شہلا ہی کو مجرم سمجھتی تھی۔

"وردہ.....! تمہیں بابا کی یاد نہیں آتی.....؟" بابا کی محبت میں ڈوبی علیزہ نے وردہ سے سوال کیا تو اک ٹیس وردہ کے دل میں اٹھی۔ اب وہ کیا بتاتی کہ وہ بابا سے کتنی محبت کرتی ہے اور کتنی محروم رہی ہے وہ بابا کی محبت سے، اب وہ علیزہ کو کیسے کہتی کہ جب بابا اسے اگنور کر کے صرف علیزہ کو گود میں بٹھاتے، اس کی پسند پوچھتے اور ڈھیروں چیزیں، کھلونے اس کی خواہشات نہ ہونے کے باوجود لاتے اس کی ایک ایک خواہش اور ضد پوری کرتے اور جب وہ قریب جاتی تو اسے دھتکار دیتے، جب بھولے سے وہ کوئی خواہش کر بیٹھتی تو جھڑک دیتے، وہ ان کی گود میں جانا چاہتی تھی، ان کی محبتوں کے لمس کو محسوس کرنا چاہتی تھی مگر وہ واضح انداز میں اسے جھڑک کر علیزہ کو اہمیت دیتے تب وہ اپنا ننھا سا دل تھام لیتی، بے آواز ہچکیاں اندر ہی اندر دم توڑ دیتیں ایسے میں شہلا اتنے بھرپور انداز میں اسے سینے سے لگاتی کہ محبتوں کو ترستا اس کا صحرا دل تر ہو جاتا مگر پھر بھی بابا کی محبت اور توجہ کا خانہ ویران رہتا۔ اس کے باوجود وہ بابا کو شدت سے چاہتی تھی، ان کی ایک تصویر اس کے پاس ہر وقت رہتی، ان کی واپسی کی دعائیں وہ بھی کرتی۔ آج علیزہ کے سوال پر یوں لگا جیسے زخموں پر نمک پاشی ہو گئی ہو۔

"علیزہ.....! ضروری ہے کہ کسی کو یاد کرنے کے لئے چیخا چلایا جائے ڈھونڈرا پیٹا جائے۔" اک گہرے سانس کو اندر کھینچتے ہوئے وردہ نے مختصراً کہا۔

"تو پھر تم مان کیوں نہیں لیتیں کہ مما نے بابا کو گھر سے نکالا ہے.....؟" علیزہ بہت چڑی ہوئی تھی۔

"تم یہ بات کیوں نہیں مان لیتیں کہ مما بہت اچھی ہیں اور انہوں نے بابا کو نہیں نکالا بلکہ وہ خود گئے ہیں۔"

"جسٹ شٹ اپ وردہ.....! تم تو ہو ان کی چمچی، میں تو کم از کم ان کو معاف نہیں کروں گی کہ ان کی وجہ سے بابا گھر سے گئے، ہم سے دور ہو گئے، آئی لو بابا.....! اینڈ آئی مس ہم الاٹ۔"

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo

بابا کی یادیں محبتیں بڑی آہستگی سے اس کی بے حد حسین آنکھوں کے کنارے بھگو گئیں تو اس نمی کو وردہ نے دل میں اُترتے محسوس کیا۔ کم از کم درد کی اس منزل پر ان میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ یہیں دونوں کے جذبات ہم آہنگ ہوتے۔

"علیزہ ایک نہ ایک دن ہمارے بابا ضرور آجائیں گے۔"

وردہ نے اس کی آنکھوں کی نمی کو اپنے ہاتھوں میں اُتارتے ہوئے محبت سے کہا تو علیزہ اس سے لپٹ گئی۔

"کب وردہ.....! کب آئیں گے بابا.....؟ وہ دن کب آئے گا.....؟"

وہ شدت سے رو پڑی تو اسے دلاسا دیتے دیتے وردہ بھی بھیگ گئی۔

"مما کھانے پر آپ لوگوں کا انتظار کر رہی ہیں مگر یہاں تو بھیگنے بھگونے کا دور چل رہا ہے۔ میں بھی آجاؤں۔"

جواد ان دونوں کا بھائی شہلا کا بیٹا جواب میٹرک میں آیا تھا اور قد بھی نکال رہا تھا، اپنی بہنوں پر جان دیتا تھا اور وہ تینوں اس کے بغیر جی نہیں سکتی تھیں۔ وردہ تو جواد کو دیکھ دیکھ کر جیتی، شہلا سے ہزار اختلاف ہونے کے باوجود علیزہ کو اپنا یہ بھائی بہت پیارا اور عزیز تھا۔ یہ دونوں بہن بھائی ہو بہو وجاہت پر گئے تھے۔ علیزہ کو اس لئے بھی جواد بہت پیارا لگتا۔

"مجھے کھانا نہیں کھانا، جاؤ تم۔" وہ برہمی سے بولی تو جواد صوفہ پھلانگ کر اس کے قریب آگیا۔

"قسم کھائیے کہ آپ کھانا نہیں کھائیں گی۔"

"جواد.....! پلیز کہہ دیا ناں مجھے کھانا نہیں کھانا۔"

"اوہو.....! تو مت کھائیے کھانا، مجھے بھی تو نہیں کھانا۔ چلئے دونوں بہن بھائی بھوک ہڑتال کرتے ہیں۔"

"یہ کیا بدتمیزی ہے جواد.....! تم کھانا کیوں نہیں کھاؤ گے.....؟ علیزہ.....! جواد کی خاطر چلو۔" وردہ نے علیزہ کو گھورا تو وہ محض بھائی کی خاطر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"بہت بدتمیز ہو تم جواد.....!" علیزہ نے جواد کو گھورا۔

"سچ مما بھی یہی کہتی ہیں بدتمیز بالکل اپنی آپی علیزہ پر گیا ہے۔"

وہ شوخی سے بولا اور پھر علیزہ کی مار سے بچنے کے لئے وردہ کی اوٹ میں ہو گیا جو اس کی بات پر ہنس رہی تھی۔

"ہوں.....! مما کو تو ایک میں ہی بدتمیز نظر آتی ہوں۔" علیزہ برہمی سے بولی تو وہ پھر سامنے آگیا۔

"ارے.....! ایسی بات نہیں آپی.....! دراصل بات یہ ہے کہ مما کی آنکھ کے لینز میں گڑبڑ ہے اور جس لینز سے وہ آپ کو دیکھتی ہیں ناں وہ ٹیڑھا ہے اسی لئے آپ ان کو ذرا تیز نظر آتی ہیں۔ ڈونٹ وری میں مما کا لینز تبدیل کرواؤں گا جس میں آپ ان کو ذرا سی نہیں پوری ٹیڑھی نظر آئیں، ٹھیک ہے ناں.....؟"

وہ آنکھ دبا کر بولا تو علیزہ کو ہنسی آگئی۔ وہ اسے مارنے کو لپکی۔ جواد آنکھیں بند کر کے کھڑا ہو گیا۔ پھر بھلا کس بہن میں ہمت تھی کہ پیار سے بھی مارتی۔ علیزہ نے اس کی پیشانی پر بھرپور انداز میں پیار کر لیا پھر تینوں

مسکراتے ہوئے آگئے۔ میز پر ان تینوں کا انتظار کرتی شہلا نے ایک پیار بھری نگاہ تینوں پر ڈالی۔ ایک اطمینان سا اندر تک اُتر گیا۔ یہی تو وہ چاہتی تھی کہ ان سب بہنوں اور بھائی میں بے مثال محبت ہو۔ اس نے جواد کی ایسی ہی تربیت کی تھی کہ وہ نہ صرف بہنوں کا مان بنے بلکہ اگر ضرورت پڑے تو وہ ان کی خاطر جان بھی دے دے اور جواد بھی بہنوں سے ایسی ہی محبت کرتا۔

"چلو بچو.....! بسم اللہ پڑھو۔ ارے یہ ہنی کہاں گئی.....؟" ہنی سب سے چھوٹی تھی۔

"السلام علیکم دوستو دشمنو.....!" ارمغان کی آواز پر سب نے دروازے سے آتے ارمغان کو دیکھا۔ ہنی اس کے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔ ارمغان نے بلند آواز میں سلام کیا اور نظریں سیدھی علیزہ کی بھیگی پلکوں پر ٹکیں۔

"وعلیکم السلام.....! اور ہنی.....! تم کیا بھائی سے بندریا کی طرح چپکی ہوئی ہو.....؟"

آٹھ نو سالہ ہنی کو شہلا نے سرزنش کی تو ارمغان نے جواد کو اشارہ کیا۔ اس نے علیزہ کے ساتھ والی کرسی خالی کر دی۔ ارمغان اس کے برابر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک ناگوار سی نظر اس پر ڈالی اور کھانا نکالنے لگی۔

"کیا کہا آپ نے پھپھو.....! ہنی بندریا ہے تو آپ نے مجھے در پردہ بندر کہہ دیا ہے۔" ارمغان نے مصنوعی خفگی سے کہا تو ہنی اور جواد کے ساتھ وردہ بھی مسکرانے لگی۔

"میں اعلانیہ کہتی ہوں کہ تم..... خیر یہ مٹھائی کس خوشی میں.....؟" شہلا نے بڑا سا مٹھائی کا ڈبہ جو ارمغان کے ہاتھ میں تھا، لیتے ہوئے پوچھا۔

"کمال کرتی ہیں پھپھو.....! فون پر بتایا نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرا لاہور انجینئرنگ یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہو گیا ہے۔" اس نے اتر اکر کالر درست کئے تو شہلا نے اُٹھ کر اسے ساتھ لگا کر پیار کرتے ہوئے مبارکباد دی۔

"او پھپھو.....! پھپھو آپ نے اپنے اندر پیار کا خزانہ چھپا رکھا ہے، دوسروں کو بھی تو پیار کرنا سکھا دیں۔"

ارمغان نے ایک گہری نظر کھانے میں مصروف علیزہ پر ڈالی۔

"مبارک ہو ارمغان بھائی.....!" وردہ نے مبارکباد دی تو ارمغان اُچھل پڑا۔

"کیا..... کیا ارمغان بھائی۔ خبردار لڑکی.....! جو مجھے بھائی وائی بنایا تو۔ ارے بھئی.....! ہم لوگ کزنز ہیں، اب وقت کا کیا بھروسہ کب کزن کو بجن بنا دے۔ کیوں پھپھو.....؟"

علیزہ پر گہری نظر ڈال کر بات کی تصدیق کے لئے وہ پھپھو کی طرف مڑا۔

"شٹ اَپ.....! فضول بکواس بند کرو، کھانا کھانا ہے تو کھاؤ۔"

شہلا نے ڈپٹ کر کہا تو اس نے فوراً سامنے سے چمچہ اُٹھایا۔

"وائے ناٹ.....! قسم سے بھوک لگی ہے۔" اپنی پلیٹ بنانے کی بجائے وہ شرارت سے علیزہ کی پلیٹ میں کھانے لگا تو وہ سلگ اُٹھی۔

"ارمغان صاحب.....! یہ میری پلیٹ ہے۔ اپنی بنائیے اور ٹھونسئے۔" علیزہ غصے سے کھڑی ہو گئی۔

"ارے واہ.....! واہ کیا حیثیت اور مرتبہ پہچان کر بات کی ہے۔ واہ کیا بچی پائی ہے پھپھو.....! آپ نے۔ ویسے کہاں سے پائی ہے.....؟" وہ شوخ ہوا جا رہا تھا۔

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com

"جہنم سے۔" علیزہ چلائی۔

"ارے واہ.....! کیا جہنم میں ایسی چیزیں ملتی ہیں.....؟ بس جواد میاں.....! جہنم کا ایک ٹکٹ کٹوا دو۔"

ارمغان کی بات پر وردہ ہنسی اور جواد تو زور سے ہنس پڑے۔ شہلا نے بھی مسکراہٹ چھپانے کے لئے چہرہ جھکا لیا مگر علیزہ اندر تک سلگ اٹھی تھی۔

"مما.....! آپ اپنے اس جوکر بھتیجے سے کہہ دیجئے کہ میرے معاملے میں مت بولا کریں۔ اپنی شعبدہ بازی کے مظاہرے میرے سامنے نہ کیا کریں تو بہتر ہوگا۔" اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ چہرہ غصے کی حدت و سرخی سے اور حسین ہو گیا۔ ارمغان اسے دیکھے گیا۔

"ارے.....! اتنی سی بات آپ خود کہہ دیجئے ناں، مجال ہے جو کبھی....."

ہونہہ.....! وہ پھنکارتی ہوئی آگے بڑھ گئی تو ارمغان جو اس کے محفل سے چلے جانے کے بعد بدمزہ ہو گیا تھا ان سب کی طرف پلٹا۔

"یار جواد.....! کیا چیز ہے یہ تمہاری بہن.....؟" وہ اس کی چھوڑی ہوئی پلیٹ سے ایک نوالہ لے کر منہ میں ڈالتا ہوا بولا۔

"یار.....! سارا پرابلم بھی تو یہی ہے۔ اوہ.....!" وہ گہرے لہجے میں بولتا پلٹا کہ کہیں شہلا نے کچھ سن تو نہیں لیا مگر شکر تھا کہ وہ جا چکی تھی۔ ارمغان شہلا کے خلیل بھائی کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اور وردہ، علیزہ سے تین سال بڑا تھا۔ شوخ و شنگ سا یہ لڑکا شروع ہی سے علیزہ کو تنگ کرتا تھا۔ سارا بچپن ان لوگوں کا لڑتے جھگڑتے گزرا تھا۔ شہلا ارمغان کو اتنا چاہتی تھی کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے کسی ایک کو اس کی دلہن بنانا چاہتی تھی مگر وہ عفت کو وردہ بہت پسند تھی۔ انہوں نے بچپن ہی سے شہلا سے وردہ کو مانگ رکھا تھا مگر شہلا نے کوئی واضح جواب نہیں دیا تھا مگر جیسے جیسے بچپن کی معصومیت نے جوانی کے شوخ رنگوں کا روپ دھارا، شہلا کو ان شوخ رنگوں میں علیزہ ہی نظر آئی تھی۔ ارمغان علیزہ کو پسند کرتا تھا مگر وہ اس سے چڑتا تو دور کی بات، باقاعدہ نفرت کرتی تھی۔ اسی لئے شہلا ارمغان کو آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ یہ شوخ کھلنڈرا لڑکا جب بھی آتا ماحول کو رنگین بنا دیتا۔ ہنی اور جواد تو اس کے آنے سے بہت خوش ہوتے۔ خوب پروگرام بنتے، گھوما جاتا اور اب تو ارمغان کو لاہور چلے جانا تھا، یہ بات سب سے زیادہ ہنی اور جواد کو اداس کر گئی تھی۔

"ارمغان بھائی.....! آپ لاہور مت جایئے ناں۔"

"ارے گڑیا.....! جانے کو کس کافر کا دل چاہتا ہے مگر کیا کریں، آج کل کی لڑکیاں جاہل لڑکے قبول بھی تو نہیں کرتیں۔" وہ قریب سے گزرتی علیزہ کو سنانے کی غرض سے بولا جو اس کی موجودگی کو اس ظالمانہ انداز میں اگنور کرتی کہ وہ دل ستم زدہ کو تھام جاتا۔

"جواد.....! چلو ذرا مجھے مہرین کے گھر جانا ہے۔" وہ کتاب اور فائل لئے کھڑی جواد سے کہہ رہی تھی۔

"ارے.....! کوئی ضرورت نہیں مہرین و ہرین کے گھر جانے کی۔ دس ہزار تو برائیاں کرتی ہے وہ تمہاری۔ آخر تم گلشن آرا کے گھر کیوں نہیں جاتیں.....؟ ٹھیک ٹھاک قبول صورت ہے۔"

"مسٹر ارمغان.....! میں نے آپ سے کہا ناں میرے معاملے سے دور رہا کیجئے۔" وہ دانت پیس کر بولی

اور وہ بھی مقابل آن کھڑا ہوا۔

"محترمہ.....! کسی خوش فہمی میں مت رہئے گا۔ یہ آپ کا معاملہ کم اور میرا زیادہ ہے۔ مہرین مجھے لفٹ نہیں کراتی اور گلشن آرا ہر بار مسکرا کر میرا استقبال کرتی ہے۔"

"جھاڑو سے.....؟" جواد اور ہنی زور سے ہنسے تو ارمغان نے دونوں کو پکڑ لیا۔

"یہ..... یہ راز کی بات تمہیں کس نے بتائی.....؟ یار.....! ہوتا ہے عشق میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ کبھی جھاڑو، کبھی جوتا اور کبھی ڈانٹ کھانا پڑتی ہے۔ کیوں.....؟ درست کہہ رہا ہوں ناں میڈم.....!"

وہ علیزہ کی طرف جھکا مگر وہ تیزی سے چلتی گاڑی میں بیٹھ کر جواد کو بلا رہی تھی۔ جواد جلدی سے بھاگا آیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ قریب تھا کہ وہ گاڑی اسٹارٹ کرتا۔ ارمغان نے دروازہ کھولا اور علیزہ کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"جواد میاں.....! مجھے ذرا جہنم تک ڈراپ کر دینا۔ سنا ہے وہاں ایسی چیزیں بہت ملتی ہیں۔"

جواد.....! تم ان کو جہنم تک ڈراپ کر آؤ میں بعد میں چلی جاؤں گی۔"

علیزہ اسی وقت باہر نکل گئی تو ارمغان بھی اس پھرتی سے باہر کھڑا ہو گیا۔

"ارے ارے.....! ایسا کیسے ہو سکتا ہے.....؟" ارمغان نے ذرا سا جھک کر کہا۔ اس کے لئے دروازہ کھولا تو وہ اسے گھورتی گاڑی میں بیٹھ گئی اور گاڑی تیزی سے گیٹ سے نکل گئی۔ وہ گہرا سانس لے کر پلٹا تو وردہ کھڑی تھی۔

"یہ تم میرا پیچھا کیوں کر رہی تھیں لڑکی.....؟"

"اسی لئے کہ میں آپ کو اپنے ہاتھوں سے بنی چائے پیش کر سکوں۔ چلئے ارمغان بھائی.....!"

"ہائیں.....؟ پھر بھائی.....؟ بھئی قسم سے حسین لڑکیوں کے منہ سے یہ لفظ بھائی زہر لگتا ہے۔ خبردار جو.....!"

"اچھا فی الحال تو چلئے چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" دونوں مسکراتے اندر آ گئے۔ دونوں ساتھ چلتے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ شہلا نے دونوں کی خاموشی سے نظر اتاری اور چائے پر جھک گئی پھر ارمغان کافی دیر تک علیزہ کی واپسی کا انتظار کرتا رہا مگر مجبوراً اسے گھر واپس جانا پڑا۔

"نہیں مسز اکرم.....! آپ لوگوں کو خود سوچنا چاہئے کہ بچوں کے امتحانات سر پر ہیں اور..... جی جی..... میں مانتی ہوں کہ یہ بچوں ہی کا اصرار ہوگا مگر یہ بچے اچھا برا کب سمجھتے ہیں۔ یہ سب تو ہمیں سمجھنا ہوتا ہے۔ اوکے چلئے، آپ کہہ رہی ہیں تو میں مان لیتی ہوں۔ جی ٹھیک ہے میں بھیج دوں گی دونوں کو پکنک پر..... اوکے خدا حافظ۔"

پرنسپل سے بات کر کے شہلا علیزہ اور وردہ کے کمرے کی طرف آ گئی۔ ہلکی سی دستک دے کر وہ اندر آ گئی۔ اندر کے منظر نے ہر چند کہ غصہ دلا دیا تاہم وہ ضبط کر گئی۔ وردہ اسٹڈی ٹیبل پر پڑھ رہی تھی جبکہ علیزہ کانوں میں ہیڈ فون لگائے ٹی وی پر کوئی انگلش فلم دیکھ رہی تھی۔ شہلا نے آگے بڑھ کر ریموٹ کنٹرول لے کر پہلے تو ٹی وی آف کیا پھر علیزہ کا ہیڈ فون اتار کر ایک طرف رکھتے ہوئے اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھا اور وہ جو اپنی پسندیدہ

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com

ایکٹریس کی فلم بڑے انہماک سے دیکھ رہی تھی بری طرح چڑ گئی۔

"جن اسٹوڈنٹس کے امتحانات سر پر ہوتے ہیں وہ یوں اپنا وقت فلمیں دیکھ کر برباد نہیں کرتے۔ اپنے سارے شوق امتحانات کے بعد پورے کر لینا فی الحال پڑھو۔ موڈ نہیں تو اپنی ویز۔ ابھی میں تم لوگوں سے یہ کہنے آئی ہوں کہ میری مسز اکرم سے بات ہوگئی ہے۔ زیادہ وقت برباد نہیں ہوگا تم دونوں پکنک پر جا سکتی ہو، میری طرف سے اجازت ہے۔"

شہلا کا خیال تھا کہ اجازت نامہ ملتے ہی دونوں خوشی سے اُچھل پڑیں گی اور خوشی سے اس سے لپٹ جائیں گی اور وردہ نے کچھ ایسا ہی رسپانس دیا۔

"سچ مما.....! ہم جا سکتے ہیں پکنک پر.....؟" وردہ روشن آنکھوں کے ساتھ خوشی سے اس سے آ لگی جبکہ علیزہ نے استفہامیہ نظروں سے شہلا کو دیکھا۔ اپنا کمبل پرے پھینکا۔

"لیکن اب مجھے پکنک پر نہیں جانا۔" اس نے گستاخ لہجے میں کہا اور زور سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ شہلا گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ وردہ کو علیزہ پر غصہ آ جاتا جب مما اس کی وجہ سے دُکھی ہو جاتیں۔

• • •

وردہ اور علیزہ نے ایف ایس سی بہت اچھے نمبروں سے پاس کر لیا تھا۔ دونوں کے مقامی میڈیکل کالج میں ایڈمیشن ہو رہے تھے۔ شہلا چاہتی تھی کہ دونوں میڈیکل پڑھیں مگر علیزہ نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"یہ..... یہ لڑکی تو حقیقتاً لوہے کا چنا ثابت ہو رہی ہے۔ بھابی جان.....! میں بہت خوفزدہ ہو جاتی ہوں اس لڑکی سے۔ کہیں اس کی وجہ سے میں وجاہت سے ہار نہ جاؤں، میرا اپنا میرے ہی لئے شرمندگی نہ بن جائے اور میں کسی صورت بھی وجاہت سے ہارنا نہیں چاہتی، میں یہ جنگ اس سے جیتنا چاہتی ہوں۔ باقی تینوں بہت فرمانبردار ہیں مگر علیزہ تو مخالفت کی دیوار بن کر میرے سامنے آ کھڑی ہوئی ہے۔ اب دیکھئے ناں وردہ سے اچھے نمبر لئے ہیں اس نے مگر میڈیکل کالج میں داخلہ نہیں لے رہی جبکہ زینت نے اس بات پر بھرپور زور دیا تھا کہ ان دونوں کو ڈاکٹر بناؤں اور ایسی مضبوط لڑکیاں بنا دوں کہ وجاہت جیسا کوئی مرد آسانی سے ان کو فتح نہ کر سکے مگر یہ تو میری ہمتوں کو توڑ توڑ دیتی ہے، ارادوں کو کمزور کر دیتی ہے۔ میں کیا کروں بھابی.....!"

ہمیشہ کی طرح جب شہلا حالات سے گھبرا جاتی تو بھابی جان کے سامنے دل کھول کر رکھ دیتی۔

"اتنی کمزور کیوں ہو رہی ہو شہلا.....! اللہ مالک ہے۔ انسان کی نیت نیک ہو، ارادے مضبوط ہوں تو اللہ تعالیٰ خود اس کی مدد کرتا ہے۔ دیکھنا انشاء اللہ تم سرخرو ہو گی، جیت تمہاری ہی ہو گی انشاء اللہ۔" ہمیشہ کی طرح بھابی اس کی ہمتوں کی ڈوبتی ناؤ کا پتوار بن جاتیں تو وہ اپنا تھکا تھکا سا سر ان کی گود میں رکھ کر رو دیتی۔

"اللہ آپ کی زبان مبارک کرے بھابی جان.....! ورنہ یہ لڑکی تو..... اب کہتی ہے فائن آرٹ پڑھے گی اور اس کے لئے اسے لاہور جانا ہوگا۔ میں اسے کیسے ہاسٹل میں رہنے کی اجازت دوں، بہت اکھڑ اور نادان ہے، اپنا اچھا برا بالکل نہیں سمجھتی، بالکل باپ پر گئی ہے۔ اسے بس میرے مخالف جانا ہے چاہے نقصان ہی اُٹھانا پڑے۔"

اصل میں شہلا کی وجہ یہی تھی کہ وہ اسے اکیلا لاہور نہیں چھوڑ سکتی تھی اور آزاد منش علیزہ گھر سے ہاسٹل اسی

لئے جانا چاہتی تھی تاکہ آزادی کے ساتھ اپنی پسند کی زندگی انجوائے کر سکے۔

"ہاں.....! یہ بات پریشان کن تو ہے مگر اس جان پر بنا لینے والی بھی نہیں۔ بھئی.....! بچے گھروں سے اور شہروں سے بلکہ ملک سے دُور بھی پڑھنے جاتے ہیں۔"

"بھابی جان.....! ان بچوں میں اور اس میں بہت فرق ہے۔ علیزہ محض میری چڑ میں بھی بعض دفعہ وہ کر جاتی ہے جو مناسب نہیں ہوتا۔ گھر سے دُور رہ کر ہی تو وہ مجھے شکست دینا چاہتی ہے، مجھے مجرم سمجھتی ہے کہ میں نے وجاہت کو گھر سے نکالا ہے۔ بھابی جان.....! آپ لوگوں نے سچ کہا تھا یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ میں ارادہ خوش فہمی کا شکار ہو گئی تھی کہ اپنی سمجھداری، محبت اور خدمت سے میں وجاہت کے اندر کی برائی کو نکال باہر کروں گی، بچوں کو اتنا پیار دوں گی کہ..... مگر بھابی جان.....! اب احساس ہوتا ہے کہ سوتیلی ماں جان بھی دے لے، بہلاتی سوتیلی ماں ہے۔ اس کی کوئی خدمت، محبت اس رشتے کی تلخی کو کم نہیں کر سکتی۔" شہلا آج بہت تھکن محسوس کر رہی تھی۔

"اور وردہ.....؟"

"ہائے بھابی جان.....! وردہ تو حقیقتاً رحمت ہے۔ میری سب سے فرمانبردار بیٹی ہے۔ وہ تو میری خاطر جان بھی دینے کو تیار رہتی ہے۔ ایسی بیٹیوں کو دیکھ کر دل کہتا ہے، بیٹیاں واقعی رحمت ہوتی ہیں۔" وردہ کا ذکر شہلا کے چہرے پر روشنی پھیلا گیا۔

"تو پھر شہلا.....! اپنے گھر کی اسی رحمت کو میرے گھر کی زینت بنا دو، مجھے یہ لڑکی شروع ہی سے پسند ہے تو تم جانتی ہو۔ یوں بھی میں چاہتی ہوں کہ جیسا میرا اپنا ارمغان شہزادہ ہے ناں ویسی شہزادیوں جیسی اسے اللہ دلہن دے دے تو....."

عفت بیگم کو وردہ بچپن ہی سے پسند تھی اور وہ وقفے وقفے سے اپنی اس خواہش کا ذکر کرتی رہتی تھیں۔ شہلا کو اور کیا چاہئے تھا۔

"اللہ کا شکر ہے بھابی جان.....! آپ کو وردہ ہی پسند آئی، علیزہ نہیں۔ ورنہ تو میری طرف سے صاف انکار ہوتا۔ شیر کی کچھار میں کون جاتا ہے۔ رہی وردہ تو یہ لڑکی نہ صرف شکل میں بالکل ماں جیسی ہے بلکہ فطرتاً بھی زینت پر گئی ہے۔ بہت صلہ جو، نرم خو، خوددار اور مضبوط لڑکی۔ اگر وردہ جیسی لڑکی کو آپ جیسی ساس، ارمغان جیسا دولہا مل جائے تو اسے اور کیا چاہئے۔"

بات چونکہ وردہ کی تھی اور اس کی فرمانبرداری پر شہلا کو پورا بھروسہ تھا اس لئے اس نے پورے اعتماد اور خوشی کے ساتھ اپنی رضامندی دے دی۔

"اچھا تو آج ہم نند بھاوج یہ رشتہ طے کرتے ہیں۔ اللہ بہتر کرے۔"

"چلئے ٹھیک ہے۔ وردہ اور ارمغان کا رشتہ طے ہے۔ مبارک ہو.....! اللہ بہتر کرنے والا ہے۔" دونوں خواتین خوشی سے بغلگیر ہو گئیں اور سامنے پڑے کیک سے ایک دوسرے کا منہ میٹھا کرا دیا۔

"شہلا.....! کوئی چھوٹی سی رسم نہ ہو جائے۔" عفت تو اس قدر خوش تھیں کہ ان کا بس چلتا تو آج ہی وردہ کو ارمغان کی دُلہن بنا کر لے آتیں۔

Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com
UrduPhoto.com

"نہیں بھابی جان.....! ابھی یہ بات صرف میرے اور آپ کے بیچ رہے گی۔ بچے پڑھ رہے ہیں، ان لوگوں کو یکسوئی سے تعلیم کے مراحل طے کرنے دیں بعد میں پھر چھوٹی سی رسم کیوں، بڑا سا نکاح کر دیں گے۔"

"چلو جیسے تم خوش۔ شوہر کو خوش رکھنا ہے تو نند کو خوش رکھنا پڑے گا۔"

دونوں ایک بار پھر گلے ملنے لگیں۔ وردہ کی کلاسز شروع ہو چکی تھیں۔ اس روز وہ پہلے دن کے لئے گھر سے نکلی تو راستے میں گاڑی خراب ہو گئی۔ وہ بری طرح جھنجلا گئی۔ کلاس میں لیٹ پہنچنا اسے قطعی پسند نہیں تھا۔ ڈرائیور پر غصہ ہونا بھی اسے فضول لگا۔ وہ تیز تیز چلتی پھولی سانسوں میں داخل ہوئی۔ پہلا دن تھا، سارے اسٹوڈنٹس ہی حاضر تھے، وہ گھبرا گئی۔

"مے آئی کم ان سر.....!" خشک حلق کے ساتھ بمشکل اجازت مانگ پائی۔ سب متوجہ ہو گئے۔

"یس.....! یو آر لیٹ مس وردہ وجاہت.....؟"

یس سر.....! وہ میں لیٹ ہو گئی۔ دراصل....."

"کیا کریں سر.....! ٹرینیں بھی لیٹ ہو رہی ہیں اسی لئے محترمہ بھی....." پچھلی رو سے آواز آئی۔

• • •

"تو میرے بھائی.....! یہ ہے میری داستان حیات، داستان عشق اور روداد زندگی۔ میں مانتی ہوں کہ اصل قصوروار میں ہی ہوں، میں ہی اتنی کمزور پڑ گئی تھی۔ اس ذلیل شخص کی خاطر میں نے اپنے اتنے پیاروں کو ٹھکرایا، ان کی محبتوں کو قربان کر دیا، اس ایک شخص پر جس نے ذلت اور تباہی کے موڑ پر زندگی کی تباہ کاریاں سمیٹنے کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دیا مگر میں اس وقت تمہیں ہی ہمراز بنا کر سب کچھ بتا دیتی عارف.....! تو شاید آج حالات یہ نہ ہوتے۔" آمنہ سے اب برداشت نہیں ہوتا تھا۔ اس نے اپنی کتاب عارف کے سامنے رکھ دی تو وہ جو اس کی باتیں سن کر سن سا ہو گیا تھا، اس نے بڑے ظرف سے آمنہ کے ہاتھ تھام لئے۔

"یقیناً ایسے حالات نہ ہوتے بھابی.....! اگر آپ نے مجھے ہمراز بنا لیا ہوتا۔ آپ نے ہمراز بنایا بھی تو اسے جو اتنا چھوٹا ظرف رکھتا ہے۔ آپ ہماری کزن ہیں، بھابی ہی نہیں آپ میری بہن بھی تو ہیں پھر آپ نے مجھے ہمراز کیوں نہ بنایا.....؟"

عارف کو بھی شکوہ ہو رہا تھا کیونکہ وہ واصف کی دیوانگی آمنہ کے بارے میں جانتا تھا مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ واصف اندر سے اتنا کمزور اور کم ظرف بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

"بس میرے بھائی.....! انسان کی اپنی غلطیاں ہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا پچھتاوا بن جاتی ہیں۔ بہت غلط کرتی ہیں میری طرح وہ لڑکیاں جو کسی بھی خوف کی وجہ سے کسی دوست، ہمدرد کو اپنا ہمراز نہیں بناتیں، خود ہی غلط فیصلے کر کے اپنی اور دوسروں کی زندگی برباد کرتی ہیں۔"

"بھابی.....! کسی اور کیا بات ہے، آپ دونوں نے برا حال کر دیا ہے اپنی ہی اولاد کا۔ قسم سے دل جلتا ہے شرجیل کو اس حال میں دیکھ کر۔ خاندان کے سارے لڑکوں سے زیادہ اسمارٹ اور خوبرو ہے مگر بہت ٹوٹا پھوٹا کمزور، لڑکیوں کی سی چال ڈھال، لڑکیوں کی طرح بات کرنے کا انداز، لڑکیوں کی طرح بات بات پر خوفزدہ ہو جانا، اعتماد نام کی کوئی چیز نہیں اس میں، ایک بات کو دس بار کرتا ہے، قصور کسی کا ہوتا ہے صفائیاں یہ پیش کرتا ہے،

وقت ناخن کا شار رہتا ہے اور ماہم، وہ اس قدر بے باک اور منہ پھٹ کہ اسے بڑے چھوٹے کی تمیز نہیں، اپنی من مانی کرتی ہے۔ بھابی جان.....! آپ دونوں نے برباد کر دیا ہے، بچوں کو زندگی میں سروائیو کرنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ دل جلتا ہے میرا ان کو دیکھ دیکھ کر۔"

عارف کو واقعی شکوہ بھی تھا اور دکھ بھی ہوتا تھا دونوں بچوں کو دیکھ کر۔

"جو جی میں آئے کہہ لو عارف.....! میں کچھ کہنے یا کرنے کے قابل ہوتی تو آج یہ سب نہ ہوتا۔"

آمنہ بری طرح رو رہی تھی۔

"آپ اور کچھ نہیں کر سکتیں، پہلے آپ نے کچھ نہیں بتایا تھا تو کم از کم بعد ہی میں مجھے بتا دیتیں تو کم از کم میں بچوں کو برباد ہونے نہ دیتا۔ دونوں کو اپنے پاس لے آتا تو آج بچوں کا یہ حال نہ ہوتا۔ یہاں تو میں آپ ہی کو قصوروار کہوں گا، آپ نے بعد کی باتیں کیوں نہ بتائیں مجھے، بچے برباد کر دیئے۔ بھابی جان.....! بہت بڑا ظلم کیا ہے آپ دونوں نے معاشرے کو دو الجھے ہوئے شہری دیئے ہیں، آگے جا کر یہ..... یہ کیا کریں گے۔" عارف کو شدید غصہ آ رہا تھا واصف اور آمنہ پر۔

"میں مانتی ہوں عارف.....! یہ بھی میری ہی غلطی ہے، میری ہی خطا ہے، تم درست کہہ رہے ہو۔ اگر میں تمہیں بتا دیتی تو کم از کم بچے..... شاید تباہ ہونے سے بچ جاتے لیکن عارف تم واصف کو نہیں جانتے، وہ کس حد تک شکی ہیں۔ شک ان کے اندر کینسر کی طرح پھیل چکا ہے۔ پتا ہے وہ تو اپنے سائے پر بھی شک کرتے ہیں، مجھ پر شک کرتے ہیں، اب تو خود کو اذیت دیتے ہیں۔ عارف.....! واصف کا یہ حال ہو گیا ہے کہ اپنا پتا بھول گئے ہیں مگر شرجیل کا پتا رکھتے ہیں۔ کہاں ہے، کب سے ہے اور کب تک رہے گا۔ میری ایک ایک حرکت پر نظر رکھیں گے، فون چیک کرتے رہیں گے، ان کے شک کے چنگل میں بچے بھی پھنس چکے ہیں، میں تو شرمندہ ہوں واصف سے، اپنے بچوں سے اور تم سب سے۔ کاش میں مر ہی جاتی یہ سب دیکھنے سے پہلے۔" آمنہ کے سارے زخم ہرے ہو گئے اور وہ عارف کے ساتھ لگی شدت سے رو دی۔

"بھابی جان.....! حوصلہ کریں، اب اللہ بہتر کرے گا۔ کاش.....! آپ لوگ بچوں کو لے کر پہلے آ جاتے تو..... خیر اب زیادہ فکرمند نہ ہوں، اب یہاں ہم سب ہیں سب مل کر دکھ کہیں تو اتنی شدت نہیں ہوتی جتنی....."

عارف مزید کوئی بات کرنے والا تھا کہ اسی وقت واصف آ گیا۔ آمنہ اندر سے کانپ گئی۔

"ہاں ہاں.....! کرو ناں میری شکایت، میں برا ہوں، تم پر ظلم کرتا ہوں، بچوں کو بگاڑ دیا ہے۔ بولو، چپ کیوں ہو گئیں، ہر وقت تم میری برائیاں کرتی ہو ہر ایک سے۔"

"ہر ایک.....؟ بھائی ہوں میں آپ کا، ہر ایک نہیں کہ آپ کو کوئی خوف ہو اور پھر اس میں شکایت والی کیا بات ہے۔ میں نے خود بھابی سے ساری باتیں پوچھیں۔ آپ لوگوں نے اپنی زندگی تو برباد کی ہی ہے، بچوں کا بھی بیڑا غرق کر دیا ہے۔ کیا بنا دیا ہے آپ دونوں نے بچوں کو۔ شرجیل مرد ہو کر بھی مرد نہیں، ماہم....." عارف شدید تناؤ میں تھا، اس نے واصف کو بھی سنا ڈالیں۔ اسے سب سے زیادہ صدمہ شرجیل کا تھا۔

"یہ..... یہ سارا کیا دھرا ان کی ماں کا ہے، میں نے کچھ نہیں کیا جو کچھ کیا ہے ان کی ماں نے کیا ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم تھا بھائی.....! کہ آپ اتنے چھوٹے ظرف کے مالک ہوں گے۔ ٹھیک ہے بھابی سے

Scanned & Posted by Sanyoo @OneUrduForum
UrduPhoto.com

ایک غلطی ہوگئی اور غلطی بھی کیا، شادی سے پہلے لڑکیوں کی زندگی میں لڑکے اور لڑکوں کی زندگی میں لڑکیاں آ جاتی ہیں۔ نصیب میں ہو تو ہمسفر بن جاتے ہیں نہ ہو تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اپنی اور دوسروں کی زندگی کو عذاب بنا دیا جائے۔ سارے قصے میں مجھے بھابی کا کوئی قصور نظر نہیں آتا۔ اس وقت تو آپ بڑے سپرمین بنے ہوئے تھے کہ خود ان کے ساتھ ملے ہوئے تھے، حسن اور ان کو ملانے کے لئے پیچھے ہٹ رہے تھے۔ اگر حسن نے ذلالت کا ثبوت دیا تو آپ کو اپنے ظرف کی بلندی پر رہنا چاہئے تھا۔ خاموشی سے ان کو اپنا کر کانوں کان کسی کو خبر نہ ہونے دیتے مگر آپ نے تو انتہا کر دی کم ظرفی کی۔ ان پر احسان کیا کہ ان کی عزت کی خاطر ان کو اپنا کر اور بزرگوں کے سامنے سعادت مند بن کر دُعائیں سمیٹیں۔ کاش بھائی.....! آپ نے یہ سب نہ کیا ہوتا تو..... آج بچے دوہرے معیار کی زندگی گزارنے پر مجبور نہ ہوتے، آپ بہت چھوٹے ظرف.....''

''شٹ اَپ عارف.....!'' واصف کی دھاڑ گونجی۔

♦ ♦ ♦

واصف کی دھاڑ کی گونج کمرے کے احاطے کو اپنی گرفت میں لے کر باہر نکل جاتی اگر دروازے کھڑکیاں بند نہ ہوتے۔ آمنہ جس کی حالت اس وقت ایسی ہو رہی تھی کہ جیسے وہ کوئی گناہ کر کے بیچ بازار میں بیٹھی ہو، ہر طرف سے لعن وطعن کے پتھر برس رہے ہوں۔ آج عارف کے سامنے مجبوراً اپنے ماضی کو بے نقاب کرتے کرتے وہ اس بے حجابی پر پانی پانی ہو رہی تھی۔ عارف نے اپنی عدالت سے اسے بے گناہ قرار دے کر بری کر دیا تھا مگر واصف، وہ تو ہر وقت کوڑے برسانا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ مگر جانے شک کی کیسی گیلی لکڑی سلگ رہی تھی اس کے اندر کہ نہ جلتی تھی نہ ختم ہوتی تھی، ہر وقت دُھواں بھرا رہتا تھا آنکھوں میں اور اس دُھویں کی چبھن کو دل میں اُتارنا آمنہ کا مقدر تھا اور وہ اپنے مقدر کو، اپنی شکست کو قبول کر چکی تھی۔

''عارف.....! پلیز.....!'' اس نے آہستگی سے عارف کا ہاتھ دبا کر مزید کچھ کہنے سے روک دیا مگر عارف نے آمنہ کا ہاتھ الگ کرتے ہوئے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا اور واصف کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ غصہ سے جس کے نتھنے پھولے ہوئے تھے، رگیں تنی ہوئی تھیں اور گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ عارف دُکھ کا گہرا احساس لئے اسے کتنی دیر دیکھتا رہا۔ خاندان کا سب سے خوبرو اور اسمارٹ بندہ تھا یہ جس کو شک نے کیا بنا دیا تھا۔ یہ رنگ روپ رہا تھا نہ چال میں اعتماد۔ اس نے ایک ملول سا سانس لیا اور آہستگی سے واصف کا ہاتھ پکڑا پھر شدت سے گلے لگا لیا۔

''بھائی.....! یہ..... یہ آپ نے خود کو کیا کر لیا ہے.....؟ بھائی.....! آپ کی تو پہچان دُشوار ہو گئی ہے۔ کہاں گم کر دیا ہے آپ نے میرے اس بھائی کو جس کو میں پسند کیا کرتا تھا.....؟ میں نے ماضی کے اس واصف کے کردار کو اپنا آئیڈیل بنایا تھا اور اسی کردار پر میں نے اپنی زندگی کی بنیاد کھڑی کی اور آج الحمدللہ میں خوش اور مطمئن ہوں لیکن آپ بھائی.....! کہاں کمزور پڑ گئے.....؟ قسم سے بھائی.....! میں آپ کو پہچان نہیں پا رہا کہ آپ میرے وہی بھائی ہیں جو دوسروں کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ جایا کرتے تھے، دوسرے کی خوشی کے لئے خود کو فنا کر دیا کرتے تھے۔ بھائی.....! آپ کا تو فلسفہ زندگی اور فلسفہ محبت تو بہت زیادہ مضبوط تھا پھر اپنی زندگی کو عذاب کیسے بنا لیا آپ نے.....؟ کیوں بھائی.....؟ کیوں.....؟''

Scanned & Posted by Sanyoo @ OneUrdu.com
UrduPhoto.com

دونوں بھائی آپس میں ملے ہوئے تھے۔ آمنہ دل کا درد لئے سسکیوں کو دباتی اُٹھ کر چلی گئی۔

"مجھے نہیں معلوم عارف.....! یہ سب کب اور کیسے ہوگیا.....؟ آمنہ میری زندگی میں کیا حیثیت رکھتی ہے یہ تو تم جانتے ہو ناں اور پھر جب میں نے اپنے پیار کا پہلا شہر اس کی محبت سے آباد کیا تو میں اس کی زندگی میں دوسرا شخص، دوسرا احساس، سیکنڈ چوائس کیسے بن گیا.....؟ کیوں.....؟ بس یہ احساس ہی مار ڈالتا ہے مجھے۔ سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے مجھے لگتا ہے یہ احساس حسن کی صورت میں منہ چڑا رہا ہے۔ آمنہ کے چہرے پر حسن کا چہرہ سجا نظر آتا ہے، اس کی آنکھوں میں حسن نظر آتا ہے تو..... میرا دماغ پھٹنے لگتا ہے، میرا دل چاہتا ہے میں سب کچھ فنا کر دوں، تباہ کر دوں، اسے بھی، خود کو بھی، آمنہ کو بھی۔ میں عذاب مسلسل میں گرفتار ہوں عارف.....! میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں.....؟ اِک آگ سی لگی ہے میرے دل میں۔"

واصف گہرے گہرے سانس لیتا بولے جا رہا تھا۔ اس کی حالت قابل رحم ہو رہی تھی۔ عارف نے اسے بولنے دیا کہ ہوسکتا ہے اپنے اندر کی کیفیت کو لفظوں کے ذریعے باہر نکال کر شاید وہ پرسکون ہو جائے۔ اس دوران آمنہ کئی بار آئی، اندر جھانکا مگر عارف نے اشارے سے باہر رہنے کا اشارہ کیا تو وہ ندامت آمیز بے چینی لئے باہر ہی رہی۔

"بھائی.....! آپ لیٹ جائیں۔ بہت مضطرب اور مضمحل سے لگ رہے ہیں، آرام کیجئے۔"

عارف اس سے باتیں تو بہت سی کرنا چاہتا تھا مگر اس کی حالت دیکھ کر اس نے اسے لٹانا چاہا مگر واصف کی بیقراریاں اسے کہاں آرام کرنے دیتیں۔ اس کے دل و دماغ میں پلنے والا شک نام کا کیڑا رینگتا رہتا اور اسے بیقرار رکھتا۔

"نہیں عارف.....! تم جاؤ آرام کرو۔ مجھے تو شاید آرام موت کے بعد بھی نہ ملے تم زندگی میں سکون کی بات کرتے ہو۔ جاؤ سو جاؤ جا کر۔" واصف نے اُکتائے لہجے میں اس کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"بھائی.....! کیا واقعی آپ نے آمنہ بھابی سے محبت کی ہے.....؟" عارف کے اس بے تکے سوال پر واصف نے استفہامیہ نظروں سے اسے گھورا۔ اپنے شانوں پر پڑی گرم شال اُتار کر بیڈ پر پھینک دی۔

"کیا میری دیوانگی، میرا پاگل پن اس ثبوت کے لئے کافی نہیں.....؟"

واصف کا کٹیلا انداز عارف کو خاموش کرنے کے لئے کافی تھا مگر اس نے یہ بات کی ہی اس لئے تھی کہ اسے وہ بات کہہ سکے جو شاید اب تک اس نے کہی ہی نہیں تھی اور نہ ہی خود اس کو احساس تھا۔

"نہیں بھائی.....! واقعی محبت کے ثبوت کے لئے یہ دیوانگی، یہ پاگل پن کافی نہیں۔ اگر آپ کو واقعی آمنہ سے محبت ہے تو پھر درگزر سے کام کیوں نہیں لیا آپ نے.....؟ محبت میں تو اتنی گنجائش ہوتی ہے کہ محبوب کی ہر خطا کو معاف کر دیا جاتا ہے پھر آپ کی محبت کیسی ہے.....؟"

"ہاں.....! نہیں ہے میری محبت میں گنجائش، تنگ نظر اور نفسیاتی مریض ہوں میں، کسی کو کوئی ضرورت نہیں ناصح بننے کی، میں جس حال میں ہوں خوش ہوں، مجھے تو کسی کی ہمدردی نہیں چاہئے اور محبت سے تو مجھے نفرت ہوگئی ہے اور میں تمہیں بھی اتنا پرسنل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ یہ میری زندگی، میرے مسائل ہیں کسی کو کوئی ضرورت نہیں کہ مداخلت کرتا پھرے، انڈر اسٹینڈ.....!"

حسب معمول اس ذکر سے واصف پر ہذیانی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔ خنکی میں بھی اس کی پیشانی پر پسینہ آگیا تھا۔ سینے میں اُٹھتا درد، ہاتھوں کے دباؤ کا طلبگار ہو رہا تھا، گہری سانس پھنسی پھنسی سی درد کی شدت کا اعلان کر رہی تھی۔ اس کی اس بے گانگی پر عارف کا دل ٹوٹ گیا۔ اسے غصہ آگیا۔

"اگر ہمارا آپ سے کوئی تعلق نہیں، ہمیں آپ کے دُکھوں کی سرحد پار کرنے کا حق نہیں تو پھر کیوں تماشا بنا رہا ہے آپ نے اپنی زندگی کو.....؟ اپنی میرڈ لائف کی ناکامی کو شرجیل اور ماہم کی صورت میں بربادی کی طرف لے جا رہے یہ بچے آپ کی انتہا پسندی کی نذر ہو گئے ہیں بھائی.....! بھابی کو آپ نے مجرم بنا کر ضبط کی سلاخوں میں قید کر رہا ہے۔ کیا اسی زندگی کے خواب دیکھے تھے آپ نے.....؟ سلگ کر آمنہ زندگی کا قطرہ قطرہ دے رہے ہیں کیا اس لئے چاہا تھا ان کو.....؟ کیا محبت اسی شدت پسندی کا نام ہے.....؟ آمنہ نے یہ بات کہی ہو یا نہ کہی ہو مگر میں دل سے کہتا ہوں آپ نے آمنہ سے محبت کی ہی نہیں۔"

"عارف.....! گیٹ لاسٹ.....!" واصف کو سچائی کا یہ آئینہ دکھانے والا عارف ہی تھا اور وہ اس آئینے سے چھپتا پھرتا تھا۔ آج جب اپنی بھیانک صورت نظر آئی تو وہ اتنی زور سے دھاڑا کہ آمنہ تڑپ کر اندر آگئی۔

"عارف.....! پلیز چلے جاؤ یہاں سے۔ نہیں چاہئے مجھے تمہاری ہمدردیاں۔ جاؤ چلے جاؤ۔"

واصف کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ غصے میں آمنہ نے اپنے ہی حمایتی، اپنے وکیل عارف کو ڈانٹ دیا اور واصف کے لئے لایا پانی کا گلاس آگے بڑھایا تو واصف نے جھٹکے سے گلاس دیوار پر دے مارا۔

"نہیں چاہئے مجھے پانی وانی۔ میں سب جانتا ہوں تم مجھے زہر دے کر مار دینا چاہتی ہو تاکہ میں مر جاؤں اور تم حسن کے پاس چلی جاؤ۔ نہیں آمنہ حسام الدین.....! اب تو یہ میں ہونے نہیں دوں گا۔ میں نے پتہ لگا لیا ہے وہ اب آسٹریلیا سے ناصحیہ یا جا رہا ہے۔ بزنس ٹائی کون بن گیا ہے۔ لیکن میں..... میں بھی کچھ کم تو نہیں۔"

واصف کو استسقا کا اٹیک ہو چکا تھا۔ کھانسی کا شدید دورہ تھا۔

"بھابی.....! ان کو گرم کپڑے دیں میں گاڑی نکالتا ہوں۔ ابھی ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتے ہیں۔"

عارف کے سامنے یہ پہلا اٹیک تھا۔ وہ بری طرح گھبرا گیا۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف بھاگا اور پھر واصف کے لاکھ انکار کے باوجود عارف اسے ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔

"دیکھئے عارف صاحب.....! آپ کے بھائی باقاعدہ دمے کے مریض نہیں ہیں تفصیلی چیک اپ کے بعد میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ واصف صاحب کسی سائیکولوجیکل پرابلم میں مبتلا ہیں اور جب تک ان کی یہ نفسیاتی الجھن دُور نہیں ہو جاتی ایسے دورے ان کو پڑتے رہیں گے۔ بہتر ہوگا کہ آپ ان کو کسی بہت اچھے سائیکاٹرسٹ کو دکھائیں۔"

ڈاکٹر عبدالصمد ہر بات سے بے خبر بول رہے تھے۔ عارف اور آمنہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے کہ واصف کی نفسیاتی وجہ کیا ہے۔

"یہ میڈیسن میں نے لکھ دی ہیں، دیتے رہئے اور جتنی جلدی ممکن ہو ان کو کسی....."

"جی ڈاکٹر صاحب.....! انشاء اللہ بہت جلد ہم ان کو سائیکاٹرسٹ کو دکھائیں گے۔" آمنہ نے جلدی سے کہا اور واصف کو سہارا دے کر گاڑی تک لے آئی۔

UrduPhoto.com

"آئی ایم سوری عارف.....! میں غصہ ہوگئی تھی ذرا، ورنہ سارے حقوق تم ہی لوگوں کو تو حاصل ہیں، سوری.....!"

واصف کو بیڈ پر لٹا کر عارف جانے لگا تو آمنہ کے شرمندہ لہجے میں ڈھلے ندامت زدہ الفاظ نے عارف کو مڑنے پر مجبور کر دیا۔

"نیور مائنڈ بھابی.....! افسوس صرف اس بات کا ہے کہ بھائی تو بھائی آپ نے بھی ہم سے ہر بات چھپائی۔ آپ نے اپنی زندگی تو برباد کی ہی تھی مجھے اصل صدمہ بچوں کا ہے۔ دونوں بچوں کے رویے ایب نارمل ہیں اس سے پہلے مجھے یہ سب پتہ چل جاتا بھابی.....! تو....."

عارف جذباتی ہو کر تیزی سے باہر نکل گیا تو آمنہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو پڑی۔

• • •

وقت کروٹ لے چکا تھا اور جوانی کو بڑھاپے اور لڑکپن کو جوانی کے راستے پر ڈال کر آگے بڑھ چکا تھا اور اس وقت کے بزرگ اللہ کو پیارے ہو چکے تھے اپنی زندگی کا سفر پورا کر کے اور عارف کو دُکھ اور شکوہ اسی بات کا تو تھا کہ واصف اور آمنہ نے واپسی میں اتنی دیر کر دی تھی کہ ہاتھوں پر پچھتاوے کی گرد بھی باقی نہیں رہی تھی۔ ماہم تو لڑکی تھی اور تھی بھی نارمل، کچھ ناپسندیدہ حرکتیں اور عادتیں جو کہ ان کے ماحول نے اس کو دی تھیں اس میں موجود ضرور تھیں مگر شرجیل چھ فٹ کا خوبرو نوجوان جب زیادہ وقت لڑکیوں کے درمیان گزارتا، لڑکیوں کی طرح باتیں کرتا، باتیں کرتے کرتے ہکلا جاتا، بات دُہرائے جاتا، لڑکوں سے دبتا تو عارف ماتھا پیٹ کر رہ جاتا۔ اس وقت بھی گھر کے سارے لڑکے باہر کرکٹ کھیل رہے تھے اور شرجیل ساری کزنز میں گھسا بیٹھا ان کی باتیں دلچسپی سے سن رہا تھا کہ عارف آ گیا۔

"شرجیل.....!" عارف کی آواز کیا گونجی شرجیل کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ مارے خوف کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ نجانے کیا خطا ہوگئی۔ یہ خوف جسم میں لرزا بن کر اُترا تو ہاتھوں میں پکڑا گرم چائے کا مگ ہاتھ سے چھوٹ کر اپنے ہی پیروں پر گرا لیا۔ گرم گرم چائے آبلے بنا گئی پیروں پر مگر اندر کے خوف نے اس جلن اور تکلیف کی اہمیت کو ختم کر دیا۔

"جج، جج، جج جی.....! چاچو.....!" لڑکیاں تو اس کے انداز میں اپنی ہنسی چھپا کر رہ گئیں اور کچھ کو ہمدردی ہونے لگی اور ہمدردوں میں فضہ عارف نمایاں تھی۔

"یہ تم ہر وقت لڑکیوں میں کیوں گھسے رہتے ہو.....؟ چلو باہر.....!"

عارف کا لہجہ نارمل تھا مگر شرجیل کے پسینے چھوٹ گئے تھے۔ پیروں کی جلن سناٹا بن کر دماغ میں سائیں سائیں کر رہی تھی۔

"یہ تمہاری بہنیں ہیں ان کے ساتھ ضرور بیٹھا کرو لیکن تمہیں زیادہ وقت لڑکوں کے ساتھ گزارنا چاہئے۔ چلو باہر لڑکے کرکٹ کھیل رہے ہیں تم بھی کھیلو.....!"

عارف اس کے چہرے کو پڑھ رہے تھے۔ خوفزدہ تحریر کے بھیانک سائے نے اس کے نوجوان مردانہ جسم پر رعشہ طاری کر دیا تھا۔

"جج، جی ضرور کھیلوں گا مگر چاچو.....! مجھے تو کھیلنا آتا ہی نہیں۔" کرکٹ اس کا فیورٹ کھیل تھا۔ اسکول میں وہ کتنا کھیلا کرتا تھا پھر ایک روز اسی کے گھر کے بڑے لان کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے بچوں نے کرکٹ کھیلنا شروع کیا تو بال سے واصف کے کمرے کی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ گیا۔ پھر کیا تھا اس کے ان ہی دوستوں کے سامنے واصف نے وہ درگت بنائی تھی کہ وہ سب کچھ بھول گیا۔

"چاچو.....! شرجیل بھائی کو تو لڈو کھیلنا بھی نہیں آتی۔ ان کے چھ پر چھ آتے ہیں مگر یہ اپنی گوٹ ہی باہر نہیں نکالتے۔ ان کو تو کچھ بھی کھیلنا نہیں آتا۔ کھیلتے ہیں تو ہار جاتے ہیں۔"

مونا نے مذاق اُڑانے والے انداز میں کہا تو ماہم کھڑی ہوگئی۔ وہ جو بھائی کے حقوق کے لئے بچپن ہی سے لڑتی آئی تھی اس وقت بھی بھائی کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"جن بچوں کے والدین ان کی زندگی سے کھیلتے ہیں ناں مونا.....! وہ بچے زندگی کا ہر کھیل ہار ہی جایا کرتے ہیں۔ تم لوگوں کو نارمل والدین ملے ہیں اس لئے تم لوگ ہر کھیل جیت جاتے ہو۔ آئیں بھیا.....! ہم اپنے کمرے میں چلیں۔"

اپنی زندگی کی ناکامی، والدین کا رویہ اور شرجیل کی حالت سب باتیں مل کر ماہم کے حلق میں گولا سا بن کر اٹک گئیں۔ اس نے شرجیل کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھنے لگی تب عارف نے دونوں کو ساتھ لگا لیا۔

"ماہم بیٹا.....! ہم لوگ بھی تم لوگوں کے کچھ لگتے ہیں۔ کاش وقت پر پتہ چل جاتا تو آج زندگی کی ناکامی کے یہ الفاظ تمہارے ہونٹوں پر نہ ہوتے۔ تم جاؤ کمرے میں میں شرجیل کو باہر لے کر جا رہا ہوں۔"

ماہم آگے بڑھ گئی۔ عارف اسے گھر سے باہر گراؤنڈ میں لے آئے جہاں ان کے گھر کے لڑکوں کے علاوہ محلے کے نوجوان لڑکے بھی کرکٹ کھیل رہے تھے۔ عارف اور شرجیل کو دیکھ کر وقتی طور پر کھیل رُک گیا اور گھر کے لڑکے عارف کے قریب آ گئے۔

"خیریت ہے چچا جان.....!" امجد نے سب کی سوالیہ حیرت کو جملے میں لپیٹا تو عارف نے ایک نظر سب لڑکوں پر ڈالی جو اپنے کھیل میں مخل ہونے پر جز بز ہو گئے تھے۔

"ہاں.....! بالکل خیریت ہے بیٹا.....! یہ شرجیل تم لوگوں کا بھائی ہے۔" عارف نے شرجیل کو دیکھا جو اندر ہی اندر خوفزدہ ہو رہا تھا کہ نجانے اب کیا ہونے والا ہے۔ عارف کی بات پر موبی نے شانے اُچکائے۔

"ابو.....! آج تک یہ فیصلہ تو ہو نہیں سکا کہ شرجیل ہمارا بھائی ہے کہ بہن ہے۔"

موبی نے اپنے دوست کو دیکھ کر آنکھ دبائی۔ دونوں معنی خیز انداز میں ہنسے تو عارف کو غصہ آ گیا۔

"شٹ اَپ موبی.....! شرم آنی چاہئے تمہیں ایسی باتیں اور حرکتیں کرتے ہوئے۔ بدنصیبی سے اگر اس کے ساتھ ایسا ہو گیا ہے تو بجائے اس کا ساتھ دینے کے گھٹیا باتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آئی.....؟ امجد.....! ثاقب.....!"

موبی کو ڈانٹ کر عارف بڑے بھائی کے بیٹے امجد اور ثاقب کی طرف مڑے۔

"جی چاچو.....!" دونوں ہمہ تن گوش ہو گئے۔

"بیٹا.....! یہ تم ہی لوگوں میں سے ہے اس کو اب تم لوگوں نے ہی سہارا دینا ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ

UrduPhoto.com

اپنے ساتھ رکھا کرو، اس کی جو بھی بیماری ہے وہ توجہ اور اعتماد کی کمی ہے۔ اسے بھرپور توجہ دو، اعتماد دلاؤ اس کے اندر۔ یہ تم لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ اگر گھر کے لوگ ہی ساتھ نہ دیں تو پرائے لوگ پھر پرائے ہوتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ زیادہ سے زیادہ تم لوگوں کی صحبت میں رہے۔" عارف نے قدرے فاصلے پر کھڑے شرجیل کو دیکھا جو خوفزدہ نظروں سے اطراف میں پھیلے لڑکوں کو دیکھ کر سمٹ رہا تھا۔ کبھی ناخن کاٹنے لگتا۔

"آپ فکر نہ کریں چاچو.....! ہم پوری کوشش کریں گے کہ شرجیل نارمل ہو جائے۔"

"تھینک یو بیٹا.....! شرجیل.....! آؤ بیٹا.....! بھائی کے ساتھ کھیلو.....!"

عارف نے ثاقب کی بات پر ایک اطمینان بھرا سانس لیتے ہوئے شرجیل کو قریب بلایا تو وہ ناخن کاٹتا ہوا ان کے قریب آ گیا۔

"بیٹا.....! یہ تمہارے اپنے بھائی ہیں، دوست ہیں، اپنا زیادہ وقت بہنوں کے ساتھ گزارنے کی بجائے اپنے ان بھائی کے ساتھ گزارہ کرو۔ چلو شروع ہو جاؤ ان کے ساتھ کرکٹ کھیلنا۔"

معصوم ستم رسیدہ شرجیل جس انداز میں بات کر رہا تھا تو بہت سے لڑکے ایک دوسرے کو ٹھوکے مار کر یا آنکھ دبا کر ہنس رہے تھے۔ سب میں نمایاں موبی تھا جو عارف کا بیٹا تھا مگر شرجیل سے اسے اس لئے چڑ تھی کہ شرجیل کو ثنا کی بھرپور توجہ حاصل تھی اور ثنا کو وہ بچپن ہی سے پسند کرتا تھا۔ اس لئے شروع ہی سے شرجیل کو تنگ کرنے کا وہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ اس وقت بھی وہ دوسرے لڑکوں کے ساتھ مل کر اس کا مذاق اُڑا رہا تھا۔

"کم آن مس شرجیل.....! اب لجانا چھوڑیئے اور جائیے گیند پکڑ کر لائیے۔" موبی نے شارٹ مارا تو موبی کا دوست شرجیل کے قریب آ کر بدتمیزی سے بولا۔ شرجیل اپنے انداز میں آہستہ آہستہ جانے لگا تو اسجد نے ساجد کو ڈپٹ دیا۔

"کیا بدتمیزی ہے یار ساجد.....! ہم جس ٹرانس سے اسے باہر لانا چاہتے ہیں تم لوگ....."

"ابے او حسینہ.....! گیند پھینک دے۔ اب کیا جائیداد سمجھ کر مٹھی میں بند کر لی ہے.....؟"

اسجد کی بات منہ میں تھی کہ دوسری طرف سے کسی دوسرے لڑکے کی آواز پر اس نے غصے سے اسے گھورا۔

"شرجیل.....! تھرو دا بال.....!" ثاقب نے کہا تو شرجیل کانپ اُٹھا۔ بال اس کے پاؤں پر ہی گری۔ جلے ہوئے پاؤں سخت گیند کی چوٹ اس کی آنکھیں بھگو گئی۔

"او یار.....! باہر نکالو اس کا کی کو۔" کسی طرف سے برہم سی آواز اُبھری۔

"یار ثاقب.....! آئندہ سے اس لڑکی کو کھلایا تو ہم سے میچ نہ رکھنا۔"

ایک اور تیر شرجیل کے دل ناتواں میں پیوست ہو گیا۔

"اس لڑکی کو لڑکا بنانا ہے تو کرکٹ سے نہیں ہو سکتا یہ کرشمہ۔ اس کے لئے میڈیکل والوں سے رجوع کرو۔ کمبخت نے سارا موڈ غارت کر دیا گیم کا۔ او یار.....! تم تو بس کرو، خوامخواہ رن بنا بنا کر مرے جا رہے ہو۔"

مخالف ٹیم کا کپتان شرجیل کو گھور کر آگے بڑھ گیا۔

شرجیل کی ٹانگوں کی جان ختم ہو گئی۔ وہ گراؤنڈ میں وہیں بیٹھ گیا اور خاص لڑکیوں والے انداز میں گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگا تو موبی مسخرے پن سے آنکھ دباتا ہوا آگے بڑھا، اس کے قریب بیٹھ کر اس کے انداز

میں رونے لگا۔

"اوں، اوں.....! کس نے مارا میری گڑیا کو.....؟ ٹافی کھاؤ گی.....؟"

"جسٹ شٹ اَپ موبی.....! حد ہوتی ہے بدتمیزی کی۔ تم تو گر گئے ہو انسانیت سے۔ وہ لوگ تو غیر ہیں مگر تم سے تو اس کا خون کا رشتہ ہے۔ بھائی ہے یہ تمہارا۔" ثاقب نے غصے سے موبی کو دھکا دیا اور شرجیل کو اُٹھا کر ساتھ لگا لیا مگر موبی باز نہ آیا۔ کپڑے جھاڑتا کھڑا ہو گیا۔

"بھائی ہے.....؟ سچ یقین تو نہیں مگر تم کہتے ہو تو مان لیتے ہیں۔"

"یقین نہیں آتا کہ تم عارف چاچو ہی کے بیٹے ہو.....؟" اسجد کو شدید تاؤ آ رہا تھا۔

"تو اس میں تمہارے یقین کا قصور ہے میرا نہیں۔ آؤ شرجیلہ.....! گھر چلیں۔"

"آؤ شرجیل.....! گھر چلیں۔"

موبی نے شرجیل کا ہاتھ پکڑا تو ثاقت نے اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے الگ کر کے خود پکڑ کر کہا۔

"تم تو اسے مجھ سے ایسے پیار ہے ہو ثاقب.....! جیسے یہ واقعی شرجیل نہیں شرجیلہ ہو۔"

"شٹ اَپ موبی.....! چاچو کو بتانا ہی پڑے گا کہ تم آج کل کس صحبت میں رہتے ہو۔"

ثاقب نے قریب ہی کھڑے نوید کو گھورا جو بدتمیزی سے چیونگم چبا چبا کر ببل بنا کر پھوڑ رہا تھا۔ ثاقب کی بات کا مطلب ناگواری کا دھواں بن کر اس کے چہرے پر آیا اور تمسخرانہ مسکراہٹ نے ہونٹوں پر آ کر دم توڑ دیا۔

"ثاقب.....! مجھے چھپا لو۔ پپا..... پپا آ جائیں گے، ماریں گے۔ گھر چلو مجھے مما کے پاس جانا ہے۔"

شرجیل بری طرح کانپ رہا تھا۔ ایک ہی جملہ بار بار دُہرا رہا تھا۔ لڑکوں کے درمیان ہوتی لفظوں کی جنگ اسے گولہ بارود کی جنگ لگ رہی تھی۔ وہ اگر نارمل ہوتا تو کسی کو ایسا کہنے کی جرأت نہ ہوتی اور وہ دانت توڑ کر ہاتھ میں پکڑا دیتا مگر اس وقت بالکل خوفزدہ لڑکی ہی لگ رہا تھا۔ ثاقب اور اسجد اسے گھر لے آئے۔

"ماہم.....! ماہم مجھے چھپا لو۔" وہ اپنے سے چھوٹی نازک سی ماہم کی اوٹ میں چھپنے لگا۔ اس کے دوپٹے میں خود کو چھپانے لگا۔ بھائی کی یہ حالت کیوں اور کب ہوتی ہے یہ ماہم اچھی طرح جانتی تھی۔ اس کے خون میں ابال اُٹھنے لگے۔

"کیا ہوا ہے بھائی آپ کو.....؟ لیکن آپ یہ بتانے کے قابل ہوتے تو آج یہ حالت کیوں ہوتی.....؟ بھائی کو کیا ہوا ہے ثاقب بھائی.....؟" ماہم نے شرجیل کا برف ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر تیز نظروں سے سب لڑکوں کو دیکھا تو ثاقب اور اسجد چپ رہے۔ موبی چیونگم کے ببل بنا بنا کر پھوڑتا رہا۔ ماہم نے موبی کو مشکوک انداز میں گھورا۔

"کچھ نہیں ماہم.....! تم تو جانتی ہو کچھ لوگ سطحی سوچ کے مالک ہوتے ہیں بس آج کھیل میں بھی لڑکوں نے اُلٹی سیدھی باتیں کر دیں تو شرجیل ہسٹرک ہو گیا اور....."

ثاقب سمجھدار نوجوان تھا۔ جانتا تھا اگر اس نے موبی کا نام لیا تو ماہم اسے نوچ ڈالے گی۔ وہ اپنے بھائی کے معاملے میں بہت زیادہ حساس اور پوزیسو تھی۔ گھر کی فضا آلودہ نہ ہو اسی لئے موبی کا نام چھپا لیا گیا اور شرجیل کو سب جانتے تھے۔ وہ کبھی بھی اپنے مجرم کا نام نہیں لیتا تھا مگر اس کا پیش کردہ جواز ماہم کو سلگا گیا۔

Scanned & Posted by Sanyoo @ OneUrdu.com
UrduPhoto.com

"سب لوگ پاگل ہیں میرا بھائی ایب نارمل نہیں۔ وہ سب لوگ ایب نارمل ہیں جو ان کو سمجھتے ہیں۔ سب کان کھول کر سن لیں شرجیل لاوارث نہیں ہے۔ ماں باپ ساتھ نہیں دیتے تو کیا ہوا میں ہوں ناں اپنے بھائی کی جنگ لڑنے کے لئے۔ میں ہوں اپنے بھائی کی ڈھال، کوئی کچھ کہہ کر تو دیکھے میں اسے کا جینا حرام نہ کر دوں تو کہنا۔"

حلق میں آنسوؤں کے گولے کو بمشکل دبائے وہ چلا رہی تھی۔ شرجیل کو یوں لگا جیسے وہ واقعی مضبوط ڈھال کی اوٹ میں محفوظ ہو گیا ہو۔

"ماہم.....! ماہم بیٹا.....! کیا ہوا ہے.....؟ کیوں ایسے بول رہی ہو.....؟"

اس وقت آمنہ تیزی سے بھاگتی ہوئی آئیں۔ ماہم کا ہاتھ پکڑا جو اس نے غصے سے الگ کر لیا۔ البتہ شرجیل جس نے ماں ہی کو مہربان پایا تھا بہن کے بعد ان کی اوٹ میں ہو گیا۔

"مما.....! مما مجھے چھپا لیں۔ مما.....! میں اچھا لڑکا نہیں لڑکی ہوں۔ مما.....! میں کیا ہوں.....؟ لڑکا یا لڑکی.....؟" شرجیل ماں کے ساتھ لگا بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر اپنی پہچان پوچھنے لگا تو آمنہ کو لگا جیسے وہ زندگی کی بازی آج ہاری ہوں جب بیٹے نے اپنی شناخت پوچھی کہ وہ مرد ہے کہ عورت۔ وہ ڈھے سی گئیں۔

"میری تو اپنی کوئی شناخت، کوئی پہچان نہیں میرے بیٹے.....! تمہیں کیا بتاؤں.....؟ تم لڑکے ہو یا لڑکی، ہاں.....! اتنا جانتی ہوں کہ تم میری بدنصیبی، میری بے بسی کی تصویر ہو، میرے ان گناہوں کی سزا ہو جو میں نے کئے ہی نہیں۔"

"یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے تم ماں بیٹے نے.....؟" واصف کی آواز پر سب چونک کر مڑے۔

• • •

میڈیکل فرسٹ ائیر کا پہلا دن تھا اور فرسٹ ائیر کو فول بنانا سینئرز اپنا حق سمجھتے ہیں مگر بدحواس وردہ یہ بات بالکل بھولی ہوئی تھی۔ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ ایک لرزتی سی نظر اس نے کلاس روم پر ڈالی۔ سب اس جیسے احمق ہی بیٹھے تھے۔ ہونق چہرے لئے دم سادھے بیٹھے تھے۔ وہ بیگ لٹکائے فائل پکڑے ہاتھوں کی نمی کو دوپٹے سے صاف کرتی پراعتماد نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کلاس کی پچھلی طرف بیٹھے لڑکے لڑکیاں مسلسل چھک چھک کر کے ٹرین کی آواز نکال رہے تھے، ہل رہے تھے، طرح طرح کے فقرے، ہنسی اسے مزید نروس کر رہے تھے۔

"چائے والا.....! چائے گرم.....!" ٹرین میں آنے والی آواز کی نقل اُتاری جا رہی تھی۔

"ہائے.....! چائے والے.....! چلو بھر چائے دینا۔" نجانے کون بولا۔

"ارے.....! ڈوبنے کے لئے چلو بھر پانی ہوتا ہے چائے نہیں اور تجھے تو ڈوبنے کے لئے پورا سمندر چاہئے ہاتھی میرے ساتھی.....!" اب وردہ میں اتنی ہمت کہاں تھی کہ وہ پلٹ کر ہاتھی اور اس کے ساتھی کو دیکھتی۔ وہ تو ٹیچر کے حکم کی منتظر تھی کب اسے بیٹھنے کی اجازت دیں۔

"اللہ کے نام پہ اے بی بی.....! اتنے لمبے ٹرین کے سفر پر نکلی ہے اللہ کے نام پر دیتی جا۔ اللہ تجھے بھلی سے بچائے۔ دے دے تیرے یہ ہیرے کے ٹاپس سلامت رہیں۔"

ایک لڑکا تو باقاعدہ گریبان چاک کرے، منہ ٹیڑھا کر کے ہاتھوں کو اُلٹے سیدھے کرتا ہوا اس کے سامنے

بھیک مانگنے آ گیا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔

"لاہور آ گیا۔ او کے اُستاد.....! لاہور لاہورا ے.....! لاہور لاہورا ے.....!"

تین لڑکے بھنگڑا ڈالنے لگے۔ وردہ کی قوت برداشت جواب دینے لگی۔ حیرت تو یہ تھی کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ یہ لوگ فرسٹ ائیر ہیں اور ان کے ساتھ ایسے فولز ہو سکتے ہیں۔

"سر.....! مے آئی سیٹ.....؟" اس نے ٹشو سے چہرے کو صاف کیا اور سر کی طرف دیکھا تو ایک جھٹکا سا لگا کیونکہ سر بھی ان ہی کی طرح نوجوان سا لڑکا تھا۔ بہت اسمارٹ اور خوبرو اور ہونٹوں پر بڑی اچھی مسکراہٹ لئے سر اس کی گھبراہٹ کو انجوائے کر رہے تھے۔ وہ پھر بھی نہ سمجھی کہ یہ ان کی سینئر کلاس ہو سکتی ہے۔

"یس.....! یس وائے ناٹ ہیوا ے سیٹ.....!" وہ سر کی اجازت ملتے ہی تیزی سے پہلی رو میں خالی کرسی کی طرف بڑھی کہ فائل اس کے ہاتھ سے نکل کر فرش پر آ رہی۔ سارے کاغذات بکھر گئے۔

"بریک.....! شاہ اُستاد.....! بریک.....! دیکھتے نہیں چلتی ٹرین میں بی بی کی فائل گر گئی۔" پھر کوئی منچلا بولا۔

"مے آئی ہیلپ یو مس وردہ وجاہت.....!"

بہت خوبصورت لہجے میں ڈھلی خوبصورت سی آواز اسے اپنی سماعتوں کے انتہائی قریب سنائی دی تو اس نے بوکھلا کر اپنے انتہائی قریب جھکے سر کو دیکھا جو گہری اور شوخ نظروں سے اس کی بوکھلاہٹ سے محظوظ ہو رہے تھے۔

"نو.....! نو تھینکس سر.....!" وہ تیزی سے پیچھے ہٹ گئی۔ قریب تھا کہ وہ اپنا اس پوزیشن کے باعث تھکا بوجھ کرسی پر ڈھیر کر دیتی، کرسی کی جانب بڑھی کہ سر کی آواز گونجی۔

"مس وردہ وجاہت.....!" پوری کلاس میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ فرسٹ ائیر کے اسٹوڈنٹس دم سادھے وردہ کی درگت بنتے دیکھ رہے تھے اور خاص طور پر لڑکیاں شکر کر رہی تھیں کہ وہ لیٹ نہیں ہوئیں۔

"یس سر.....!" وہ فائل کو مضبوطی سے تھامے مڑی۔

"بھئی مس وجاہت.....! بچے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آپ امریکہ سے کون سی ٹرین سے آئی ہیں.....؟"

نظر کا موٹا سا چشمہ لگا کر اس نوجوان نے زبردستی خود کو سر بنایا ہوا تھا مگر وردہ بیچاری اور دوسرے اسٹوڈنٹ حقیقتاً اسے ٹیچر سمجھ چکے تھے۔

"یس.....! یس مس وردہ.....! ضرور بتائیے تاکہ ہم بھی ہانگ کانگ سے، امریکہ سے اور چیچہ وطنی سے اس ٹرین پر آیا کریں گے تاکہ سر آپ کا لیکچر نکل جایا کرے اور ہم آپ کا تھوبڑا دیکھنے سے محظوظ رہیں۔" شریر لڑکے اپنی اپنی بولی بول رہے تھے۔

"آپ اپنی چونچیں بند رکھئے، مس وردہ کو ٹاکنے کا موقع فراہم کیجئے۔ جی تو مس وردہ وجاہت.....! آئندہ جب آپ جاپان سے مال گاڑی پر آیا کریں تو چیک کر لیا کیجئے کہ مال گاڑی کا ٹائر پنکچر تو نہیں۔ خیر آپ تشریف رکھئے۔ ابھی ہم فرسٹ ائیر سے تعارف حاصل کریں گے۔"

وردہ لرزتی ٹانگوں سے کرسی پر ڈھیر ہو گئی۔ سب کی نظریں اس پر تھیں۔ کلاس کا پہلا دن تھا۔ سب اس کی طرف متوجہ تھے۔ طرح طرح کی باتیں، کلاس کے اُستاد کا رویہ، لڑکوں کی حرکتیں اور باتیں۔ اس نے بہت چپکے

UrduPhoto.com

سے ہتھیلی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

"جی تو فرسٹ ائیر.....! آپ سے تعارف حاصل کرنے سے قبل ہم چاہیں گے کہ فرسٹ ائیر کی آمد پر تیار کی گئی تختی کی نقاب کشائی کی جائے اور اس کے لئے ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ فرسٹ ائیر کا جو اسٹوڈنٹ پہلی کلاس میں لیٹ آئے گا وہی اس کی نقاب کشائی کرے گا۔ لہٰذا یہ فیتہ کاٹنے کے لئے میں دعوت دیتا ہوں مس وردہ وجاہت کو۔ سب بچے تالیاں بجائیں، شاباش.....!" سر کی ہدایت پر فرسٹ ائیر سمیت سب تالیاں پیٹنے لگے۔ شریر گروپ نے سیٹیاں بجانا بھی شروع کر دیں۔ وردہ کی حالت دیدنی تھی، خنکی میں بھی گھبراہٹ کے قطرے اس کی پیشانی پر آ گئے۔

"آیئے مس وردہ وجاہت.....!" سر اسے لینے اس کے قریب آ گئے۔ اپنا ہاتھ پیش کیا مگر وردہ کی تو گویا ٹانگوں سے جان نکل چکی تھی۔ آنکھوں کا آسمان مٹیالے بادلوں سے گھر گیا تھا۔ ابھی چھاجھوں بارش ہونے لگے گی۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے، کیوں ہو رہا ہے اس وقت ماؤف دماغ میں کچھ نہیں آ رہا تھا سوائے اس کے کہ بھلا کہیں ایسا بھی ہوتا ہے۔ ٹیچرز اتنے کم عمر اور ایسے بھی ہوتے ہیں۔ اس نے لرزتی پلکوں سے اپنی بچپن کی دوست ناجیہ کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت کب اس سے جدا تھی ہاں اطمینان تھا تو اتنا کہ لیٹ نہ آنے کی صورت میں اسے یہ فیس کرنا نہیں پڑا۔

"جلدی کیجئے سر.....! آپ کی مہمان خصوصی کچھ زیادہ ہی نخرے نہیں دکھا رہی.....؟"

یہ آواز بھی اسی شریر گروپ میں سے آئی تھی۔ سر نے اشارے سے ان کو چپ کرایا۔

"ہوتا ہے میرے بھائی.....! ایسا ہی ہوتا ہے۔ خدا جب حسن دیتا ہے تو نزاکت آ ہی جاتی ہے۔ میرا مطلب ہے مس وردہ وجاہت.....! دیر ہو رہی ہے، ابھی آپ لوگوں کو اور سبق بھی سکھانے ہیں۔" وردہ کی جانب جھکے سر بڑی گہری نگاہوں سے وردہ کا مطالعہ کرتے ہوئے گہرے انداز میں بولے۔

"جاؤ ناں.....!" ناجیہ نے کہنی مار کر اسے جانے کے لئے کہا۔

"جی سر.....!" آواز کی کپکپاہٹ اور محظوظ کر گئی۔

"گڈ.....! آیئے.....! تالیاں.....! بھئی تالیوں کے معاملے میں کنجوسی ہرگز نہیں چلے گی۔" اور یوں تالیوں کی گونج میں وہ لرزتے کے ساتھ بڑے سے بلیک بورڈ کی جانب چلنے لگی جس کو باقاعدہ پردے سے ڈھانپا ہوا تھا۔

"یہ لیجئے فیتہ کاٹئے وردہ وجاہت.....!" سر نے قینچی اس کی طرف بڑھائی تو اس نے دھڑکتے دل اور لرزتے ہاتھوں سے فیتہ کاٹ دیا۔ ہال تالیوں، سیٹیوں سے گونج اٹھا۔

"سب بچے اب مس وردہ وجاہت کے ساتھ مل کر بورڈ پر لکھا ہوا دہرایئے۔"

سر نے آواز کو رعب دار بناتے ہوئے حکمیہ انداز میں کہا تو سب بلیک بورڈ پر درج تحریر کو دیکھنے لگے جس پر بڑا بڑا درج تھا "ہم سب فول ہیں" پھر ساری فرسٹ ائیر ایک دوسرے کو دیکھنے لگی۔ اب تو وردہ کو ساری کہانی سمجھ آنے لگی تھی۔ غصے کی ایک شدید لہر نے کھولا دیا مگر وہ کوئی تماشا نہیں کرنا چاہتی تھی، ضبط کئے چپ رہی۔

"مس وردہ وجاہت.....! آپ آج اس کلاس کی مانیٹر ہیں، ذرا بلند آواز میں پڑھیے ورنہ....."

مزید تماشا بننے سے بہتر تھا اس نے پہل کی۔ پڑھنا شروع کیا تو ساری فرسٹ ائیر پڑھنے لگی۔

"ہم سب فول ہے، ہم سب فول ہے۔" فرسٹ ائیر پڑھ رہی تھی اور سیکنڈ ائیر کا یہ شریر گروپ ان کی معصومیت کو انجوائے کر رہا تھا۔

"یس.....! آف کورس یو آر فول.....!"

"ارے.....! سر آ گئے۔" سامنے سے واقعی سر آ گئے تو لڑکے بھی دم دبا کر بھاگے۔

"غزین آفاق.....! کم بیک۔" غزین آفاق جو سر کا کردار ادا کر رہا تھا اب بھاگ رہا تھا کہ سر نے بلا لیا۔

"یس سر.....!" وہ بھیگی بلی بنا، معصوم بنا کھڑا ساری فرسٹ ائیر کی غصیلی نگاہوں کی حدت اپنے وجود پر برداشت کر رہا تھا۔ اس نے کن انکھیوں سے وردہ کو دیکھا جس کو وہ ایڈمیشن کے سلسلے میں آتے جاتے دیکھتا رہا تھا اور جانے کیوں اسے ہی تنگ کرنے کو دل چاہا تھا اسی لئے اس نے اس کے بارے میں تمام معلومات لے کر ان کی کلاس کو فول بنانے کا پروگرام بنایا تھا اور وردہ کا بس چلتا تو اس کا سر توڑ دیتی۔

"غزین آفاق.....! میں جانتا ہوں اس قسم کی کارروائیوں کے کیڑے تمہارے ہی دماغ میں کلبلاتے ہیں۔ خیر ہو گئی تمہاری تسلی فرسٹ ائیر کو فول بنا کر.....؟ کسی کو زیادہ تنگ تو نہیں کیا.....؟"

"ناٹ ایٹ آل سر.....! یہ تو کچھ بھی نہیں اور یوں بھی فرسٹ ائیر کو فول بنانا سینئرز کا حق ہوتا ہے اس میں جو کچھ بھی ہو اٹس پارٹ آف گیم۔ آپ نے بھی تو اپنی فرسٹ ائیر کو فول بنایا ہی ہوگا۔ فول از فول ہے ناں مس وردہ وجاہت.....!"

غزین آفاق وردہ کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا جھکا تو وہ تلملا کر پیچھے ہٹی۔

"شٹ اپ.....!" وہ اپنی سیٹ پر جا بیٹھی۔

"آپ جائیں غزین آفاق.....!" سر سلطان نے اسے جانے کو کہا تو وہ ان سب کو ہاتھ ہلاتا کلاس سے باہر نکل گیا۔ فرسٹ ائیر کے اسٹوڈنٹس یہ مصیبت ٹل جانے پر کچھ پرسکون ہو کر بیٹھ گئے۔ وردہ کا خون کھولتا ہی رہا کیونکہ سب سے زیادہ وہی فول بنائی گئی تھی۔

"ناؤ چیئر اپ.....! یہی زندگی ہے اور روایت کی رو سے فرسٹ ائیر ہمیشہ فول بنائی جاتی ہے اور اس کی سینئر کلاس اپنی درگت کا انتقام نئی فرسٹ ائیر سے لیتی ہے۔ اٹس پارٹ آف گیم۔ سیریس نہیں ہونا چاہئے۔ یوں بھی فرسٹ ائیر اور سیکنڈ ائیر اوپر تلے کے بہن بھائیوں کی طرح آپس میں الجھتے ہی رہتے ہیں۔ کھیل کو کھیل جان کر انجوائے کریں سیریس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ پہلا اور آخری کھیل نہیں، یہ نوک جھونک تو چلتی ہی رہے گی۔ مائنڈ کرنے یا دل پر لینے کی ضرورت نہیں۔ اسپیشلی یو مس وردہ وجاہت.....! ریلیکس.....! آپ کے چہرے سے لگ رہا ہے آپ بہت ٹینس ہیں، اعصابی تناؤ ختم کیجئے۔ آپ لوگ مستقبل کے ڈاکٹرز ہیں اور ڈاکٹرز میں تو بہت زیادہ ضبط ہونا چاہئے۔ اینی ویز آیئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ انسانیت کی خدمت کا جو جذبہ لے کر آپ لوگ میدانِ طب میں اترے ہیں تو اس کے بہترین کھلاڑی ثابت ہوں اور انسانیت کی سچی خدمت کریں، آمین.....!"

ڈاکٹر سلطان نے جو دعائیہ انداز میں ہاتھ کھڑے کر رکھے تھے دعا مانگ کر منہ پر پھیرے۔ ان کی تائید

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

میں سب نے ایسا کرتے ہوئے آمین کہا۔

"آج پہلی کلاس ہے۔ پڑھائی تو خیر کیا اسٹارٹ ہوگی پہلے ہم ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرتے ہیں۔ میرا نام ڈاکٹر سلطان احمد ہے اور اسی کالج کے پہلے بیچ کا اسٹوڈنٹ ہوں۔ بحیثیت اسٹوڈنٹ بھی اس کالج کا وفادار رہا ہوں اور بحیثیت اُستاد بھی کوشش کرتا ہوں کہ اپنا علم، اپنی قابلیت اپنے اسٹوڈنٹس میں منتقل کردوں۔"

اور پھر سر سلطان باری باری سب سے تعارف حاصل کرتے رہے۔

"اینڈ یو.....؟" وردہ پر آکر سر رُک گئے جو ابھی تک کھول رہی تھی۔

سر نے وردہ کی طرف اشارہ کیا تو وہ چونک کر کھڑی ہوگئی۔

"آئی ایم وردہ وجاہت اینڈ....."

اور یہ کہ آپ ڈاکٹر شہلا کی بیٹی ہیں۔ یقیناً اگلا جملہ یہ نہیں تھا۔ میں خود ہی کہہ رہا ہوں اس لئے کہ فول بن جانے پر ابھی آپ کا غصہ گیا نہیں۔ بیٹا.....! میں آپ سب کو بتاؤں کہ ڈاکٹر شہلا اور میں ساتھ اسی کالج میں پڑھتے رہے ہیں۔ شہلا جب فرسٹ ائیر بن کر آئی تو سیکنڈ ائیر یعنی ہم لوگوں نے شہلا کی کلاس کو خوب خوب ستایا، خوب فول بنایا۔ شہلا بھی کچھ ایسے ہی جذباتی ہوگئی تھی اور جب ہم لوگوں کو پتہ چلا تو ہم نے اسے مزید ستایا۔ دراصل مخالف صنف کے لوگ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور نوجوانی میں تو کیا اچھا کیا برا ہے یہ تو کوئی سمجھنا چاہتا ہی نہیں۔ اس لئے بیٹا.....! اگر تم نے ایسا رویہ شو کیا تو یہ شریر لڑکے خاص طور پر غزین آفاق بہت تنگ کرے گا۔ بس یہ سب انجوائے کرو کیونکہ آج کی یہ انجوائے منٹ کل کی یاد بن جائے گی اینڈ آئی ہوپ کہ آپ اپنی مما کی طرح بہت قابل اسٹوڈنٹ ثابت ہوں گی، نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں اپنی مما کی طرح کالج کا نام روشن کریں گی۔"

"آئی ول بیسٹ مائی ٹرائی سر.....!"

شہلا کا ذکر یوں بھری کلاس میں اپنے اُستاد کے منہ سے اتنے اچھے الفاظ میں سن کر وردہ کو عجیب سی خوشی ہونے لگی۔ اِک عجیب سا اعتماد آگیا تھا اس کے اندر اور ساری کلاس کے لوگ رشک سے وردہ کو دیکھنے لگے جیسے وردہ خاص چیز ہوگئی ہو۔

"حیرت ہے.....! مما نے کبھی بھی اپنے تعلیمی دور کا ذکر ہی نہیں کیا۔"

کالج کے کوریڈور میں چلتے ہوئے وہ ناجیہ سے کہہ رہی تھی۔

"حالانکہ سر سلطان قابل ذکر شخصیت ہیں، کتنے سوبر اور ہینڈسم ہیں ناں.....؟" ناجیہ سر سلطان سے متاثر لگ رہی تھی۔ دونوں باتوں میں مگن جا رہی تھیں کہ پیچھے سے آنے والی آواز پر پلٹیں۔

"ارے لڑکیو.....! سنو تو، کچھ سنا آپ لوگوں نے.....؟" وہ انتہائی قریب آکر حیرت اور وحشت طاری کئے گھبرائے انداز میں بولے تو وہ گھبرا گئی کہ جانے کیا بات ہے۔

"جی نہیں.....! ہم نے تو کچھ نہیں سنا۔" ناجیہ گھبرائی۔

"کتنی حیرت کی بات ہے ہم نے بھی کچھ نہیں سنا۔"

دونوں لڑکوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور قہقہہ لگاتے ہوئے بھاگ گئے۔

"بدتمیز.....! ڈرا دیا، میں سمجھی نجانے کیا بات ہوگئی ہے۔" وردہ نے دُور تک ان شریر لڑکوں کو گھورا جو ابھی بھی ہنس رہے تھے۔

"یار.....! فرسٹ ائیر میں کچھ دن تو فول بنیں گے ہی۔ خیر جب ہماری فرسٹ ائیر آئے گی ہم ان کو بھی خوب خوب فول بنا کر بدلے لیں گے۔"

"ارے ناجیہ حسین.....! وردہ وجاہت.....! کہاں جا رہی ہو.....؟ تم لوگوں کو کچھ پتہ بھی ہے.....؟"

دونوں اپنے دھیان میں تھیں کہ ایک لڑکا اور لڑکی ان کی طرف بھاگے آئے۔

"جی بالکل.....! ہمیں پتہ ہے کہ ہم فرسٹ ائیر فول ہیں اور کوئی نئی بات.....؟" اب دونوں نے طے کر لیا تھا کہ فول بنانے والے کو ایسا ہی جواب دے کر لاجواب کردیں گی۔

"ارے.....! وہ تو تم لوگ ہو مگر یہ پتہ نہیں کہ وہاں کینٹین میں زبردست چائے اور کھانے پینے والی چیزوں کی سیل لگی ہوئی ہے۔"

"تو جائیے سیل میں سے فائدہ اُٹھائیے اور خوب کھائیے۔ ہمیں کیوں بتانے آئے ہیں.....؟" وردہ نے اس لڑکی اور لڑکے کو گھورا۔

"اس لئے کہ یہ سیل ہم نے لگائی ہی آپ جیسے غریب غرباء اور فلش اسٹوڈنٹس کے لئے ہے۔" وردہ اور ناجیہ نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ غزین آفاق جیبوں میں ہاتھ ڈالے چیونگم چباتا ہوا وردہ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ وہ بار بار حملہ کر رہا تھا۔ وردہ اب برداشت نہ کرسکی۔

"اوہ.....! تو وہ کینٹین آپ کی ہے تو پھر سیل پر کیوں.....؟ آؤ ناجیہ.....! ہم فل قیمت پر چائے پئیں تاکہ اسی طرح ان جیسے مستحق طلباء کی مدد ہوسکے۔ چلئے یوں بھی صدقہ خیرات کرتے رہنا چاہئے ناں.....!"

ہائیں، یہ کیا ہوا۔ سیر کو سوا سیر، چور کو مور، نہلا پہ دہلا، سارے محاورے اسی پر فٹ آگئے تو غزین آفاق چونک گیا۔ وردہ عام سی لڑکی نہیں یہ تو اسے اندازہ تھا ہی مگر وہ اس کی ٹکر کی ہے ایک ہی جملے سے اندازہ ہوگیا تھا۔ اس نے بڑی گہری نظر سے وردہ کا سر سے پیر تک جائزہ لیا پھر ایک اُچٹتی سی نظر ناجیہ پر ڈالی جس کا خیال تھا کہ وردہ کو اسے منہ نہیں لگانا چاہئے پھر غزین نے سن گلاسز چڑھائے اور کیفے کی طرف مڑا۔

"چلئے مس حاتم طائی.....!" وہ دوبارہ واپس پلٹا تو کچھ دیر کے لئے وردہ گھبرا سی گئی۔ ناجیہ کو تو غزین کے انداز میں خوف آنے لگا تھا۔ دونوں نے کھسکنے کا فیصلہ کرلیا۔

"نن.....نہیں.....! ہماری کلاس ہے ہم جا رہے ہیں یوں بھی ہم چائے کم ہی پیتے ہیں۔" ناجیہ نے وردہ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا اور خوفزدہ لہجے کو زبردستی پر اعتماد بناتے کہا اور واپسی کے لئے دونوں مڑیں ہی تھیں کہ اسی پھرتی سے وہ ان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"میں جانتا ہوں اس وقت آپ لوگوں کی کوئی کلاس نہیں بس مجھ سے ڈر کر بھاگ رہی ہیں۔ ویسے سوری.....! مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ لوگوں کے بیگ میں اتنے پیسے بھی نہیں کہ سیل میں ملنے والی چائے ہی خرید کر پی سکیں، ویری سوری.....! ویسے بس کا کرایہ تو ہے ناں تم لوگوں کے پاس یا وہ بھی نہیں.....؟ ڈونٹ وری میں ہوں ناں، یہ لو ٹیکسی کا کرایہ رکھو۔"

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com

غزین نے خاص طور پر وردہ کو چڑانے کے لئے جیب سے پانچ سو کا نوٹ نکالا اور اس کی طرف بڑھایا اور وہ جواب تک تمیز کے دائرے میں پہلا دن برداشت کر رہی تھی، اب کھول اُٹھی۔

"الحمدللہ.....! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرے پاس اتنا ہے کہ آپ کو تو کیا آپ کی سات پشتوں کی تعلیم کا خرچہ بھی اُٹھا سکتی ہوں۔" وردہ کے مورچے سے نکلا گولا غزین آفاق کے اندر دھماکا کر گیا۔ غزین آفاق جو خود سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوا تھا، ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔ کسی میں جرأت نہ ہوتی اس کی بات پلٹا سکتا تو یہ اجنبی کانچ کا پیکر رکھنے والی نازک سی لڑکی اتنی بڑی بات کہہ گئی تھی۔ وہ اندر تک سلگ اُٹھا۔

"اوہ.....! واقعی آپ تو مس حاتم طائی نکلیں تو گویا آپ میری ذمہ داری قبول کرتی ہیں اور میری تعلیم کا خرچ اُٹھانے کو تیار ہیں.....؟"

وہ اتنی بڑی بات کہہ جائے اور وہ معاف کر دیتا، یہ کہاں درج تھا۔

"آف کورس.....! اگر آپ مستحق ہیں تو....." وردہ اعتماد سے اپنی جگہ ڈٹی رہی۔ ناجیہ خوفزدہ ہو رہی تھی۔ کبھی غزین کو دیکھتی کبھی وردہ کا ہاتھ دبا کر چلنے کا اشارہ کرتی۔ اس کی بات پر غزین زور سے ہنس پڑا۔ وہ ہنستا ہوا بہت اچھا لگ رہا تھا مگر وردہ کو زہر لگ رہا تھا۔

"ہے گائز.....! کم آن.....!" غزین نے اسی طرح ہنستے ہوئے اپنے پورے گروپ کو بلایا۔

"میں مستحق ہوں یا نہیں مس وردہ وجاہت.....! اب تو آپ کو میری ذمہ داری قبول کرنا ہی پڑے گی۔ گائز.....! مجھے مبارک باد دو مس وردہ وجاہت نے پہلی ہی ملاقات میں مجھے قبول کر لیا ہے۔ بھئی.....! غزین آفاق کو اِگنور کرنا.....؟ ویری امپاسبل.....!"

وہ وجیہہ ہینڈسم سا نوجوان اس وقت اسے انتہائی گھٹیا ولن لگ رہا تھا۔ وردہ کی ہتھیلیاں بھیگ گئیں۔ غصے اور ضبط سے چہرہ سرخ ہو کر تپ گیا۔

"اوہ.....! تو یہ بات ہے.....! کیا بات ہے غزین تمہاری.....!"

اس کے دوست نے غزین کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

"مس وردہ وجاہت.....! میرے ہاسٹل کے ڈیوز بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ یو تو بوے دل کا....."

"جسٹ شیٹ اَپ آل آف یو.....!"

اندر سے حوصلے تو اتنے ٹوٹ چکے تھے کہ بند ٹوٹتے محسوس ہو رہے تھے مگر آواز کی لرزش پر قابو پا کر وہ چلائی اور ناجیہ کا ہاتھ گھسیٹ کر آگے بڑھ گئی۔ ان بدتمیز لڑکوں کے بے باک قہقہے دُور تک اس کا پیچھا کرتا رہا۔

"کیا ضرورت تھی حاتم طائی بن کر آفر کرنے کی.....؟ ارے.....! یہ لڑکے تو ایسے ہی ہوتے ہیں اور یوں بھی آج ہم فرسٹ ائیر فول ہیں۔ یہ لوگ کچھ بھی کہہ سکتے ہیں، کر سکتے ہیں بلاوجہ ہی۔" ساتھ چلتے چلتے ناجیہ اسے ڈانٹے جا رہی تھی۔

"تم کیوں مری جا رہی ہو خوف سے.....؟ ایک تو یہ کہ اس کی بات کا جواب ہی یہ بنتا تھا، دوسرا یہ کہ اسے ڈانٹ دینا ہی بہتر تھا ہمارے لئے۔ آئندہ کے لئے تم فکر نہ کرو دیکھنا خود لائن پر آ جائے گا۔" ناجیہ سے زیادہ خود کو تسلی دیتی وہ لوگ کینٹین آ گئیں۔ دونوں نے چائے پی اور بل منگوایا۔

"واٹ.....! ہم نے صرف دو کپ چائے پی ہے اور اتنا بل.....؟"

وردہ بل دیکھ کر اُچھل پڑی تو لڑکا مسکین صورت بنائے کھڑا رہا۔

"باجی.....! یہ آپ کی چائے کا بل نہیں وہ غزین بھیا کے گروپ کے لوگ آئے تھے۔ خوب کھا پی کر گئے ہیں اور کہا کہ بل آپ دیں گی۔ باجی.....! آپ نہیں دیں گی تو میں تو غریب آدمی ہوں، مالک میری ہڈیوں سے بل نکال لے گا، میرے گھر والے بھوکے مر جائیں گے۔ باجی.....! بل ضرور دیں۔"

لڑکا جانتا تھا یہ لڑکے لڑکیاں اس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں اور اکثر وہ پھنس جاتا ہے۔ وہ باقاعدہ رونے لگا۔

"ارے بھئی.....! رو نہیں، یہ لو بل اور آئندہ جو کھائے بل اُسی سے وصول کیا کرو۔"

وردہ نے ہزار کے دو نوٹ لڑکے کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

"اوہ تھینکس میڈم.....! آپ نے تو واقعی حاتم طائی ہونے کا ثبوت دے دیا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں آئندہ بھی آپ کے بیگ پر بوجھ ڈال سکتا ہوں۔"

پیچھے سے اچانک غزین آ گیا اور وردہ کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا تمسخرانہ انداز میں بولا۔

"وائے ناٹ.....! اس حرکت سے تو آپ نے واقعی اپنے مستحق ہونے کا ثبوت دے دیا ہے۔ ایکسکیوزمی.....!"

وردہ نے اعتماد سے کہا اور اسے راستے سے ہٹنے کو کہہ کر خود دوسری طرف سے آگے بڑھ گئی اور غزین دُور تک اسے دیکھتا رہا۔

"وقت لے گی غزین آفاق.....! آثار بتا رہے ہیں کہ بہت وقت لے گی یا پھر اُنگلیاں ہی....."

لگتا ہے تم غزین آفاق کو سمجھے ہی نہیں، آؤ.....!"

غزین نے راحیل کے شانے پر مکا مارا پھر دونوں پارکنگ کی طرف بڑھ گئے۔

• • •

"اوہو.....! اتنا کچھ سن کر آ گئیں۔ میں ہوتی زوردار تھپڑ رسید کرتی کہ نانی یاد آ جاتی۔"

گھر آ کر وردہ نے آج کی تفصیلات بتائیں تو علیزہ غصے سے بولی۔ جواد اور ہنی بھی علیزہ کے ہم خیال تھے۔ بھلا کسی میں اتنی جرأت کہ ان کی پیاری آپی کے ساتھ بدتمیزی کرے۔

"بالکل آپی.....! آپ کے ناخن اتنے بڑے ہیں یہی چبو دیتیں۔"

اپنی عمر اور سمجھ کے مطابق یہ بات ہی ہنی کے ذہن میں آئی۔

"خیر آپی.....! آئندہ اگر وہ آپ سے بدتمیزی کرے تو مجھے ضرور بتائیں۔ درست کر کے رکھ دوں گا بدتمیز آدمی جانتا نہیں آپ میری آپی ہیں۔"

"مجھے تو رہ رہ کر غصہ تم پر آ رہا ہے وردہ.....! کہ تم نے اس کی اتنی باتیں سنیں اور اسے تھپڑ تک نہیں مارا۔"

تینوں جوش میں بڑھ چڑھ کر بول رہے تھے۔

"کوئی ضرورت نہیں اُلٹے سیدھے مشورے دینے کی اور کیوں تھپڑ مار دیتی وہ ایک اجنبی کو.....؟"

شہلا جو کھانے کی میز پہ کھانا لگا رہی تھیں، کان ان سب کی باتوں ہی کی طرف لگے ہوئے تھے۔

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com

"اور جو اس اجنبی نے وردہ کے ساتھ اتنی بدتمیزی کی اس کے بارے میں کیا کہیں گی آپ.....؟"

علیزہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ تو شہلا کی ہر بات کا اُلٹ ہی مطلب نکالتی تھی۔ اس وقت بھی تو وہ یہی سمجھی تھی کہ شہلا کو وردہ سے زیادہ اس اجنبی لڑکے کا خیال ہے۔

"اس بارے میں میں یہ کہوں گی بیٹا.....! کہ آج ان کا فرسٹ ایئر کا فرسٹ ڈے تھا اور ہر تعلیمی ادارے میں فرسٹ ایئر کو فول بنایا جاتا ہے۔ ہم بھی بنے تھے، ہم نے بھی بنایا تھا اور نجانے کب سے یہ سلسلہ چل رہا ہے اور کب تک چلے گا۔ تم جب فرسٹ ایئر بنو گی ناں تو تمہیں خود ہی اندازہ ہو جائے گا۔"

شہلا نے انتہائی پیار سے علیزہ کے سیاہ چمکدار بالوں پر ہاتھ پھیرا مگر وہ نخوت سے منہ بنا کر سر جھٹک کر کھڑی ہو گئی۔

"میں فرسٹ ایئر بنوں گی، فول نہیں بنوں گی اور اگر کسی نے میرے ساتھ ایسی بدتمیزی کی کوشش کی تو اس کا سر توڑ دوں گی۔" علیزہ نے کچھ اتنی نفرت سے کہا جیسے وہ اجنبی نوجوان شہلا کا رشتہ دار ہو گا۔ اس کی بات پر وردہ اور شہلا نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اس سے کچھ بعید بھی نہیں تھا۔

"اوکے.....! جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ فی الحال اُٹھو سب لوگ کھانا کھائیں پھر آج ہم بھائی کی طرف جائیں گے ان کی طبیعت خراب ہے، عیادت بھی ہو جائے گی اور آؤٹنگ بھی۔"

"مجھے ابھی نہ تو بھوک ہے اور نہ ہی کہیں جانا ہے۔" علیزہ نے بدتمیزی سے اپنا فیصلہ سنا دیا تو وردہ نے تنبیہی انداز میں اسے گھورا جسے وہ منہ بنا کر اگنور کر گئی۔

"تمہیں کھانا نہیں کھانا نہ کھاؤ مگر خلیل بھیا کے ہاں تو سب جائیں گے۔ میں تمہیں تنہا گھر میں چھوڑ کے نہیں جاؤں گی۔ گھر میں تین تین مرد ملازم ہیں اور میں کسی قسم کا کوئی رسک نہیں لیتی یہ تم لوگوں کو اچھی طرح اندازہ ہے۔"

شہلا نے حتمی انداز میں کہا اور سب کو اشارہ کیا کھانا کھائیں۔ وردہ کو تو سخت بھوک لگی تھی سب سے پہلے وہی اُٹھی۔ علیزہ کو بھی بھوک تو لگی تھی مگر جب وہ شہلا کی کسی بات پر چڑ جاتی تو کھانا چھوڑ دیتی۔

"وردہ.....! میری بیٹی.....! تم لوگ اپنی اپنی پریکٹیکل لائف میں قدم رکھ رہی ہو اور لڑکی جب گھر سے باہر نکلتی ہے تو اس کے شانوں پر، سر پر والدین کی، خاندان کی عزت آنچل کی صورت میں پڑی ہوتی ہے۔ دانستہ یا نادانستہ طور پر اُٹھایا گیا غلط قدم خاندان بھر کو ذلت آشنا کر سکتا ہے۔ اس لئے بیٹا.....! بی کیئر فل، اچھائی برائی مرد عورت دونوں میں موجود ہے نہ تو سارے مرد برے ہوتے ہیں نہ ہی اچھے ہوتے ہیں، اکثر شیطان صفت مرد بڑے خوبصورت انداز میں لڑکیوں کو پھانس لیتے ہیں، دیکھنے میں سننے میں فرشتہ نظر آنے والے مرد اندر سے شیطان صفت ہوتے ہیں اور معصوم لڑکیاں ان کو پہچان نہیں پاتیں، ان کی جھوٹی باتوں میں آ جاتی ہیں، مرد کے پھیلائے جھوٹی محبت کے جال میں پھنس جاتی ہیں اور جب یہ بھنورا لڑکی کو اچھی طرح اپنے دامِ فریب میں جکڑ لیتا ہے تو اسے دھوکا دے کر اپنا مقصد پورا کر کے کسی نئے شکار کی جانب بڑھ جاتا ہے۔ ناسمجھ لڑکیوں کو جب اس کی سمجھ آتی ہے تو وقت گزر چکا ہوتا ہے، پچھتاوے کی گرد کے سوا اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہوتا۔ ایسی لڑکیاں اپنا مقام، گھر اور معاشرے میں گنوا بیٹھتی ہیں اس لئے بیٹا.....! مرد کے معاملے میں تم لوگوں کو بہت مضبوط ہونا

مرد کے معاملے میں ایسی چوٹی بننا ہے جسے کوئی مرد آسانی سے سر نہ کر سکے، چٹان کی طرح مضبوط ہونا ہے۔ میری بیٹیوں کو کہ مرد ان سے بات کرنے سے پہلے بارہا سوچیں۔ کسی کو اتنی جرأت نہیں ہونی چاہئے کہ تم لوگوں کی طرف قدم بڑھائے نہ ہی کسی اچھے مرد کو نہ ہی غلط مرد کو۔ مرد کے معاملے میں عورت جتنی مضبوط اور طرور ہوتی ہے مرد اس کی اتنی ہی عزت کرتا ہے۔ میری بیٹیو.....! تم لوگوں کو چٹان بن کر اس معاشرے میں جینا ہے ورنہ مرد کا یہ معاشرہ عورت کو قدموں تلے روند کر اس کی پہچان مٹا دیتا ہے۔ تم لوگوں کی زندگی میں ایسا کوئی کمزور دروازہ نہیں ہونا چاہئے کہ جہاں سے کوئی غلط مرد اندر داخل ہو کر تمہاری یا تمہاری خاندان کی عزت سے کھیلے۔ میں تم لوگوں کو سب کچھ معاف کر سکتی ہوں مگر تم لوگوں کی زندگی میں کسی غلط مرد کی آمد نہیں، اوکے.....!"

شہلا کے دھیمے لہجے میں ڈھلے لفظ نہیں تھے بلکہ وہ دُکھ تھے جو کسی ایسے ہی غلط مرد نے دیئے تھے۔ اپنی زندگی میں آنے والے دونوں مردوں ریحان اور وجاہت نے شہلا کو مرد سے متنفر کر دیا تھا اس لئے اس نے بیٹیوں کی تربیت ایسی کی تھی کہ کبھی مرد پر اعتماد نہ کریں۔ آج جب لڑکیاں گھر کے ماحول سے باہر کے ماحول میں جا رہی تھیں تو وہ ان کو سمجھانا اپنا فرض سمجھ رہی تھیں۔ وردہ تو سوجان سے مما سے متفق تھی، علیزہ بھی متفق ہونے کے باوجود منہ بنا رہی تھی اور اس لیکچر سے شہلا کا مقصد بھی علیزہ کو وارن کرنا تھا۔

"ایسا ہے تو پھر آپ نے مجھے اس بات پر کیوں ٹوکا کہ اس لڑکے کو تھپڑ نہیں مارنا.....؟"

علیزہ اسی بات پر چڑی بیٹھی تھی۔ اس کی بات پر شہلا اُٹھ کر اس کے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔

"پہلی بات تو یہ بیٹے.....! کہ آج جو کچھ بھی ہوا اس پارٹ آف گیم تھا اور دوسری بات یہ کہ عورت کتنی ہی تعلیم یافتہ، سمجھدار کیوں نہ ہو مرد کو پہچان نہیں سکتی کہ مرد اچھا ہے کہ برا۔ غلط مرد ایسا سانپ ہوتا ہے بیٹے.....! کہ عورت پر پھنکارنا اپنا فرض سمجھتا ہے اور جو عورت اس کی پھنکار پر پلٹ کر اس کا سر کچل دینے کے لئے پتھر مارتی ہے تو مرنے سے پہلے وہ اسے ڈستا ضرور ہے اور مرد خواہ کتنا ہی غلط کیں نہ ہو عورت کا اُٹھا ہوا ہاتھ برداشت نہیں کرتا۔ ہاتھ اُٹھانے کی بعض اوقات عورت کو بہت بڑی قیمت چکانا پڑتی ہے۔ اس لئے بیٹا.....! لڑکی کو بہت مضبوط ہونا چاہئے کہ نہ خود اپنی حد پار کرے اور نہ کسی کو اپنی سرحد میں گھسنے دے۔ اللہ تم لوگوں کا حامی و ناصر ہو۔"

شہلا نے علیزہ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ وہ جانتی تھی کہ فائن آرٹ پڑھنے لاہور جانا اس کی خواہش کم اور ضد زیادہ بن گیا تھا۔ وہ اپنے بابا کی منہ بولتی تصویر تھی۔ ہر ہر انداز، سوچ، شکل، اکھڑ، بدتمیزی سے ہی کچھ تو اپنایا تھا اس نے اپنے بابا سے جن کی یاد میں وہ چپکے چپکے رویا کرتی اور جتنا اسے بابا یاد آتے اتنا اسے شہلا سے چڑ ہوتی اور اس کا انتقام ان کی بات نہ مان کر لیتی اور اسی لئے شہلا بھی خوفزدہ تھی کہ وہ گھر سے باہر، شہر سے باہر ہاسٹل میں رہے گی مگر اس کی ضد پوری کرنا بھی ان کی مجبوری تھی۔

"اُمید ہے میری بیٹیوں کی سمجھ میں میری بات آ گئی ہوں گی اور اُمید کرتی ہوں کہ میری بیٹیاں کبھی میرا اعتماد مجروح نہیں کریں گی۔ تم لوگوں کے باپ بھائی کے بعد جو مرد تم لوگوں کی زندگی میں آئیں گے وہ تم لوگوں کے شوہر ہوں گے جن کا انتخاب میں خود کروں گی۔"

یہ ممکنہ اندیشہ تھا جس کو خاص طور پر شہلا نے علیزہ کہی کو سنایا تو وہ ہونٹ سکیڑ کر منہ چڑھا کر بولی۔

"اور اگر کسی کو کوئی پسند آ گیا تو.....؟" شہلا کے حسب اندیشہ علیزہ نے بم پھینکا تو شہلا نے سخت چہرے

UrduPhoto.com

کے ساتھ اسے دیکھا۔

"امپاسبل.....! یہ بھول جاؤ کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ تم لوگوں کی زندگی میں مرد میری پسند اور میری مرضی سے داخل ہوں گے۔ انڈر اسٹینڈ.....!"

شہلا کا سخت لہجہ اور الفاظ اس کی بات کی تائید کر رہے تھے کہ جیسا وہ کہہ رہی ہے ویسا ہی وہ کرے گی بھی۔ وردہ سہمی ہوئی اس بات سے خوفزدہ ہو رہی تھی کہ علیزہ کوئی اور بدتمیزی نہ کر بیٹھے مما سے۔ اسی خدشے کے پیش نظر وہ اُٹھ کر علیزہ کے قریب آ بیٹھی۔

"تم لوگوں نے کھانا کھا لیا ہو تو تیار ہو جاؤ۔ ہم بھائی جان کے ہاں چل رہے ہیں۔" شہلا اُٹھ کر برتن سمیٹ کر ملازمہ کے حوالے کرتی ہوئی حکمیہ انداز میں بولی تو جواد اور ہنی اُٹھ گئے۔ وردہ نے بھی علیزہ کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھانا چاہا کہ وہ بھی تیار ہو جائے۔

"اینڈ علیزہ.....! ہری اَپ.....!" دروازے کی طرف جاتے جاتے شہلا نے پلٹ کر علیزہ کو دیکھا جو ٹانگیں پھیلائے وہیں جمی بیٹھی تھی۔

"میں نے کہہ دیا ناں مجھے کہیں نہیں جانا۔" علیزہ کے لہجے میں ڈھٹائی نمایاں تھی۔

"لیکن مجھے تو جانا ہے۔" شہلا اس کے قریب آ گئی تو علیزہ نے منہ بنا کر اسے دیکھا۔

"تو جائیے.....! میں نے کب روکا ہے آپ کو.....؟"

"میری بات سنو.....! مجھے جانا ہے آج ہی اور اپنے سارے بچوں کو لے کر جانا ہے۔ ہری اَپ.....! جلدی سے تیار ہو کر آ جاؤ۔" شہلا نے فیصلہ کن انداز میں کہا تو علیزہ کے اندر بغاوت کا ابال سا اُٹھا۔

"آپ ہر بات اپنی ہی کیوں منوانا چاہتی ہیں.....؟ ہر بات کو اپنی اَنا کا مسئلہ کیوں بنا لیتی ہیں آپ.....؟ میں نہیں جانا چاہتی تو آپ بضد کیوں ہیں کہ میں چلوں.....؟ بس میرا موڈ نہیں، میں نہیں جاؤں گی، اب مت کہیے گا چلنے کو۔" دونوں محاذ گرم ہو گئے تھے۔ وہ ہٹ دھرمی سے بولی تو جواد آگے بڑھا۔

"او کے مما.....! اگر آپی کا موڈ نہیں جانے کا تو نہ جائیں آپ ضد کیوں کر رہی ہیں.....؟"

جواد اور ہنی بھی ماں اور اپنی اس پیاری سی آپی کے درمیان رسہ کشی کو دیکھتے ہی پڑے ہوئے تھے اور بات بڑھ نہ جائے اسی خیال سے جواد نے ریفری کا کردار ادا کیا تو شہلا کو شدید تاؤ آ گیا۔ انہوں نے شعلہ بار نگاہ اس پر ڈالی۔

"تمہیں جہاں ان کی ڈھال بننا ہو گا ناں وہیں بننا۔ فضول باتوں میں ان کے حمایتی بن کر میرے مقابل کبھی کھڑے نہ ہونا جواد.....! تم سب کیا سمجھتے ہو کہ تم لوگوں کی یہ ہٹ دھرمی مجھے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے گی۔ نیور.....اللہ تعالیٰ کی مدد سے میں نے آج تک تم لوگوں کے لئے وہی فیصلے کئے ہیں جو تم لوگوں کے لئے بہترین تھے، آئندہ بھی ایسا ہی ہو گا۔ اپنی فضول ڈھال لے کر میرے مقابل آنے کی کسی کو جرأت نہیں ہونی چاہئے نہ بیٹیوں کو نہ بیٹے کو، انڈر اسٹینڈ.....؟" شہلا بہت نرم اور حلیم خاتون تھیں مگر کبھی کبھی ان کو جب مخالفت کا سامنا ہوتا تو خود کو سخت بنا لیتیں۔ اُصولوں پر سمجھوتا اس نے ایک ہی بار کیا تھا اب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ شہلا جا چکی تھی باقی سب بھی تیار ہو کر جب پورچ میں آئے تو ایک خوشگوار حیرت نے سب کے منہ کھول دیئے۔ علیزہ

باقاعدہ تیار ہو کر گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ وردہ اور ہنی خوش ہو گئیں، جواد اُچھل پڑا۔

"یہ ہوئی ناں بات.....! اب آئے گا ناں مزہ.....! میری پیاری آپی جا رہی ہیں۔"

جواد علیزہ کا ہاتھ تھام کر جھوم اُٹھا۔ شہلا بھی خوش ہو گئی۔ گلابی سوٹ پر سیاہ شال شانوں پر ڈالے کرلی بالوں کی پونی بنائے وہ کتنی معصوم اور پیاری لگ رہی تھی۔ شہلا نے بے اختیار علیزہ کی پیشانی پر پیار کر لیا اور اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"بالکل.....! بھلا میری پیاری بیٹی کے بغیر کوئی خوشی مکمل ہو سکتی ہے.....؟ کوئی محفل سج سکتی ہے.....؟"

"میں صرف اپنے بھائی کی خاطر جا رہی ہوں۔"

علیزہ نے انتہائی بدتمیزی سے شہلا کے ہاتھ جھٹک کر کہا اور گاڑی کی طرف بڑھ گئی تو ایک ٹیس سی شہلا کے دل میں اُٹھی۔ اتنا کچھ کر گزرنے کے بعد اسے کیا ملتا تھا۔

"مجھے نیچا دکھانا ہی تو تم باپ بیٹی کا مقصد حیات ہے اور بیٹا.....! مجھے مخالفت کی یہ جنگ ہی تو جیتنا ہے۔ یا اللہ مدد.....!"

اک دُکھی سا سانس دبا کر شہلا گاڑی میں آ بیٹھی۔ جواد، وردہ، ہنی خوب باتیں کرتے رہے۔ خفا خفا سی علیزہ کو بھی شریک کرتے رہے مگر وہ منہ بنائے اپنی اہمیت جتاتی ہی رہی۔

• • •

"ارے واہ بھئی.....! تمہارے سرپرائز وزٹ نے تو تمہارے بھائی کو خوش کر دیا ہے۔"

عفت بھابی اور خلیل بھائی ان کے اچانک آ جانے پر بہت خوش ہوئے تھے۔

"واقعی شہلا.....! آج طبیعت بہت ملول اور بوجھل تھی۔ غیروں میں رہتے رہتے کسی اپنے کی شدت سے یاد آ رہی تھی سو تم آ گئیں۔"

خلیل صاحب نے حسب عادت عفت بیگم کو ستانے کی غرض سے کہا تو وہ بھی مصنوعی غصے سے کھڑی ہو گئیں۔

"اچھا.....! اگر یہ لوگ آپ کا خیال نہ رکھیں ناں تو پڑے رہیں۔ آؤ وردہ بیٹی.....! ہم غیر لوگ کچن میں جاتے ہیں ان اپنوں کو دُکھ سکھ شمار کر لینے دو۔"

عفت نے وردہ کا ہاتھ پکڑا، اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہا تو خلیل صاحب نے وردہ کا دوسرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ارے خاتون.....! غیر ہوں گی آپ.....! یہ آپ ہماری بیٹی کو کہاں لے جا رہی ہیں.....؟ یہ غیر نہیں ہماری بیٹی ہے، سمجھیں آپ.....!" خلیل بھائی نے اسی محبت سے وردہ کو قریب بٹھا لیا۔

"ماموں جان.....! اتنی تو اچھی ہیں ہماری مامی، آپ ان سے لڑتے کیوں ہیں.....؟"

ماموں کی محبت میں وردہ نے مامی کی طرفداری کی تو مامی بھی حمایتی فوج کو آتا دیکھ کر شیر ہو گئیں۔

"پوچھو بیٹی.....! ایک ایک زیادتی کا حساب لو اپنے ماموں سے۔ ارے.....! میرے ماں باپ نے اپنی بہترین بیٹی اُٹھا کر ان کے حوالے کر دی اور یہ باتیں بناتے ہیں۔"

"بیٹی.....! تم اندازہ لگاؤ کہ ان کے والد صاحب میری طرح اسمارٹ اور کمزور آدمی تھے بھلا بارہ من کی

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

دھوبن کو اُٹھا پائیں ہوں گے.....؟ ہو گیا ناں جھوٹ ثابت۔" خلیل بھائی نے شرارت سے اپنی بیوی کو دیکھا۔

"ارے.....! بولے جایئے، بہن کو دیکھ کر شیر ہو رہے ہیں ناں ذرا جانے دیں بہن کو پھر خبر لوں گی آپ کی اچھی طرح۔ فی الحال تو انجوائے کر لیجئے۔" عفت خوش تھیں کہ خلیل جو کافی دنوں سے بیمار تھے آج ہنس بول رہے تھے اور شہلا بھائی بھاوج کی پیار بھری نوک جھونک کی دھنک کی اوٹ میں سوچ رہی تھی کہ اس کی قسمت کے کسی ورق پر خوشی کی ایسی کوئی تحریر نہیں، دھنک کا کوئی رنگ نہیں، کوئی کرن نہیں، زندگی میں آنے والے دو مردوں نے زندگی کی اتنی بھیانک تصویر کشی کی ہے کہ وہ اس زندگی سے خائف ہو گئی۔ کتنا اچھا لگتا ہے میاں بیوی کے درمیان محبت ہو، اعتماد ہو، عزت ہو تو یہ پیار بھری باتیں زندگی کے حسن کو مزید خوبصورت، رنگین اور دلکش بنا دیتی ہیں۔ وہ تو ترستی ہی رہ گئی ان رنگوں کو جو اس کی پھیکی زندگی کو رنگین بنا دیتے۔ اس کے اور ریحان کے درمیان دھوکے اور فریب کا رشتہ تھا جس نے اس کی تمناؤں کی بستی تاریک کر دی تھی۔ وجاہت اور اس کے بیچ کبھی بھی نارمل میاں بیوی والا رشتہ نہیں رہا۔ نہ محبت، نہ عزت اور نہ ہی اعتماد کا کوئی لمحہ جیا تھا اس نے میاں بیوی کے رشتے سے ہاں رسہ کشی ہی رہی دونوں کے بیچ۔ دونوں ہی اپنے سوچ کے میدان جیت لینا چاہتے تھے۔

"شہلا.....!" وہاں بیٹھے بیٹھے شہلا سوچ کی راہوں پر اتنی دور تک جا نکلی کہ بھائی کی آواز بھی بہت دور سے آتی سنائی دی۔ وہ چونک کر سیدھی ہو گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی ایک ایک سوچ اس کے چہرے سے جھانک رہی ہے جس کو باپ کی طرح چاہنے والا بھائی اِدھر اُدھر کی باتوں کے بیچ بھی دیکھ رہا ہے، پڑھ رہا ہے۔

"جی بھائی.....!" شہلا نے چونک کر اپنی ساڑھی کا پلو درست کیا۔ چہرے پر آئے بالوں کو پیچھے کیا۔

"یہاں آؤ.....! میرے پاس بیٹھو.....!" بھائی نے محبت سے اسے اپنے قریب بلایا تو اک گہرا سانس وہیں چھوڑ کر وہ بھائی کے بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر جا بیٹھی۔ عفت نے دونوں بہن بھائی کو کچھ کہنے سننے کے موڈ میں دیکھا تو وردہ کا ہاتھ پکڑ کر چپکے سے باہر نکل گئیں۔

"کیا سوچ رہی تھیں شہلا.....؟" خلیل بھائی نے پدرانہ شفقت کا بھرپور احساس لئے اس کے دونوں سرد ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر پوچھا تو اندر کہیں موسم بھیگ گیا اور بے شمار آنسو تواتر سے اس کے رُخساروں پر سے ہوتے ہوئے گریبان میں چھپنے لگے۔ بھائی نے رونے دیا تا کہ دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔

"بس بیٹا.....! بس۔ اس بیمار دل میں اس سے زیادہ تمہارے آنسو برداشت کرنے کی طاقت نہیں۔ کیا بات ہے.....؟ کیوں اتنی پریشان ہو.....؟ کیا سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی ہو.....؟"

بھائی نے اس کے آنسو اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں اُتار کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا تو بارش تھمنے کی بجائے تیز ہو گئی پر جب بادل ذرا چھٹے تو یہ خیال کہ بھائی کے بیمار دل کو کتنی تکلیف ہو رہی ہو گی اس نے چہرہ صاف کر لیا اور مسکرا دی۔ بہت اُداس ملول شکستہ سی مسکراہٹ بھائی کو مزید دُکھی کر گئی۔

"سوری بھائی.....! بس دل بوجھل ہو رہا تھا۔" اس کے لہجے میں ہلکی سی ندامت عیاں تھی۔

"اور اب.....!" بھائی سمجھ رہے تھے ابھی بھی گھٹائیں اُمڈ اُمڈ کر آ رہی ہیں۔ وہ تو ان کی خاطر خود کو کنارے پر لے آئی تھی۔

"اب ہلکا ہو گیا ہے۔" شہلا نے نظریں چرا کر جواب دیا۔ اس کے جواب کے کھوکھلے پن کو وہ اچھی طرح

سمجھ رہے تھے۔

"کبھی کبھی دل ہلکا ہونے کی بجائے مزید بوجھل ہو جاتا ہے میری گڑیا.....! اپنے سارے بوجھ مجھے دے دو۔ بس خوش رہا کرو۔" بھائی کی محبت کی تپش ساری برف پگھلا گئی۔

"میں سوچتی ہوں بھائی.....! کہ کبھی زندگی اتنی نامہربان ہو سکتی ہے کسی کے ساتھ جتنا میرے ساتھ نامہربان رہی یہ زندگی، میں نے تو زندگی کے ہر موڑ پر بدلتی رُتوں کے ساتھ حالات کے اُتار چڑھاؤ کے ساتھ سمجھوتے کئے ہیں خود کو مار کر۔ بھائی.....! میں نے ان رشتوں کو اعزاز سمجھ کر جیا ہے جنہوں نے پل پل میرے دل زخموں پر نمک پاشی کی ہے۔ کیوں بھائی.....! کیوں زندگی کا یہ رویہ آخر کیا چاہتا ہے مجھ سے.....؟"

اندر کے دُکھ اس کی سسکیوں میں ڈھلے بھائی کو دُکھ کے صحرا میں لے آئے تھے کہ ان کے بیمار دل میں تکلیف ہونے لگی تھی۔ اپنی بہن کو انہوں نے کبھی بہن نہیں بیٹی سمجھا تھا اور بیٹی دُکھی ہو تو سکون کس بات کو آتا ہے۔

"صبر اور نماز سے مدد لو میری بیٹی.....! زندگی ہم پر مہربان ہو یا نامہربان اس کا فیصلہ زندگی کہاں کر سکتی ہے.....؟ جانِ بھائی.....! سب کچھ.....سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے اور زندگی کی اس روش کو جس کو تم اس کی نامہربانی کہہ رہی ہو آزمائش ہے اللہ کی طرف سے اور یہ بات کبھی نہ بھولنا کہ اللہ تعالیٰ بندے پر اس کی قوت اور برداشت سے زیادہ آزمائش کا بار نہیں ڈالتا، اتنا ہی ڈالتا ہے جتنا وہ سہار سکتا ہے۔ اس لئے ہر حال میں اللہ کا شکر کرنا چاہئے۔" بھائی کے مہربان لہجے میں ڈھلی ان کی شفقت اسے کنارے تک لے آئی۔

"بھائی.....! علیزہ بہت خود سر اور ہٹ دھرم ہے۔ مجھے اس پر کوئی بے اعتباری نہیں مگر وہ میری جڑ میں اپنے باپ کی طرح کوئی بھی ایسی حرکت کر سکتی ہے جس سے مجھے دُکھ ملے۔ اب وہ فائن آرٹ پڑھنے لاہور جانا چاہتی ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔ وہاں اسے ہاسٹل میں من مانی کرنے کا بھرپور موقع ملے گا۔ اس قسم کے اکھڑ بچوں پر اگر احتیاط کی نظر نہ رکھی جائے تو بھائی.....! بس میں اس کے جانے سے بہت اَپ سیٹ ہوں۔ میں وجاہت سے اُصولوں کی یہ جنگ ہارنا نہیں چاہتی اور علیزہ میری کوششوں کا رُخ شکست کی جانب موڑنا چاہتی ہے۔ میں کیا کروں.....؟"

شہلا علیزہ کے لاہور جانے کے خیال سے پریشان تھی۔

"بس.....! اتنی سی بات.....؟ ارے بھئی.....! بچے گھروں سے دُور، شہر سے دُور بلکہ ملک سے دُور بھی تو جاتے ہیں اور ارمغان بھی تو لاہور ہی میں ہو گا۔ اللہ کے بعد وہ وہاں اس کا خیال رکھے گا۔"

"نہیں بھائی.....! وہ ارمغان سے نفرت کرتی ہے، چڑتی ہے بچپن ہی سے۔"

"ارے.....! تو چڑنے دو۔ وہ کوئی اسے بتا کر اس کا خیال تھوڑی رکھے گا۔ خیر یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ تم خود کو ہلکان کرو اور اللہ سے بہتری کی دُعا کرو۔ جیت ہمیشہ حق کی ہوتی ہے اس لئے اگر بندہ یہ چاہے کہ جیت اس کی ہو تو اسے حق اور سچ پر رہنا چاہئے اور پھر مجھے بھی تو دیکھو ناں ایک پاگل کے ساتھ زندگی گزار دی۔"

بات کرتے کرتے خلیل صاحب نے پینترا بدلا تو شہلا نے چونک کر سامنے دیکھا عفت اور وردہ آ رہی تھیں۔ ایک مسکراہٹ شہلا کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

"پاگل کے ساتھ زندگی تو گزار دی مگر کس نے.....؟ یہ تو وضاحت کر دیجئے۔"

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com

عفت نے ان کا آخری جملہ سن کر جوابی حملہ کیا تو خلیل کھسیانے سے ہو گئے۔

"ہائیں شہلا.....! یہ تو کچھ....." وہ کھسیا کر جملہ بھی پورا نہ کر پائے۔ وردہ نے پیار سے ان کو دیکھا اور باہر لان میں آ گئی جہاں جواد اور ارمغان منٹن کھیل رہے تھے اور ہنی جواد کی چڑ میں ارمغان کی تعریف کر رہی تھی۔ موسم بہت دلفریب ہو رہا تھا۔ گہرے مٹیالے بادل برسنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ہلکی مگر خنک ہوا موسم کو اور رومینٹک بنا رہی تھی۔ علیزہ جس کی دلچسپی نہ اندر تھی نہ باہر بس وقت گزاری کے خیال سے کوئی کتاب عدم دلچسپی سے پڑھتی رہی۔ اندر باہر کیا ہو رہا ہے وہ اس خیال سے بے نیاز لان میں لگے جھولے پر بیٹھی بظاہر کتاب میں گم تھی مگر ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اور بظاہر گیم میں اور بچوں میں مصروف ارمغان کی نظریں گھوم گھوم کر اس کے حسین سراپے پر آ کر ٹھہر جاتیں تو ہٹنے سے انکار کر دیتیں۔ وہ خود نہیں جانتا تھا ہمیشہ ہی اس سے چڑنے، لڑنے والی اکھڑ سی، خود پسند سی لڑکی کب دھڑکن بنی، کب پہلا عکس بنی، کب پلکوں میں اترنے والا پہلا خواب بنی، کب لبوں کی مسکراہٹ بنی، کب دل کی پہلی کسک بنی۔

"بدتمیز.....!" بے دھیانی میں ماری گئی ارمغان کی شارٹ کے نتیجے میں شٹل کاک سیدھی علیزہ کی جانب آئی۔ اس کے نازک سے ستواں ناک کو چھو کر کتاب پر گری تو اس نے کھا جانے والی نظروں سے ارمغان کو گھورا تو وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتا ہوا جواد کی اوٹ میں ہو گیا۔ کہیں ہنگامہ نہ ہو اس خدشے کے تحت جواد آگے بڑھا۔

"سوری آپی.....! یہ میرا شارٹ تھا۔"

"شارٹ کس کا تھا یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ تم ہٹو یہاں سے۔"

علیزہ نے ہاتھ سے جواد کو پرے دھکیلا اور ارمغان کی طرف بڑھی جو آنکھیں جھکا کے کھڑا ہو گیا۔ وردہ، ہنی اور جواد، ارمغان کی شامت کے منتظر تھے۔

"اس طرح مت گھورو لڑکی.....! ننھا سا دل ہے بڑے سے سینے میں، فوت فات ہو گیا تو قل پڑھنے آؤ گی ناں.....؟" وہ شرارت سے پھر بھی باز نہ آیا۔

"مسٹر ارمغان.....! میں آپ سے کئی بار کہہ چکی ہوں میرے سامنے ہیرو بننے کی کوشش مت کیا کریں۔" وہ جب اس طرح غصے میں لفظ چبا چبا کر بولتی تو ارمغان کو اور اچھی لگتی۔

"مس علیزہ.....! مجھے ہیرو بننے کی قطعی ضرورت نہیں۔ اللہ نے مجھے ہیرو بنا کر ہی بھیجا ہے۔ ایک جہان کہتا ہے تم تو ہو بہو وحید مراد ہو، تمہاری وحید مراد جیسی پرسنالٹی، ڈریسنگ سب ہی کچھ تو وحید مراد جیسا ہے اور پھر ہیئر اسٹائل بھی۔ آپ ہی کو قدر نہیں، لڑکیاں تو مرتی ہیں ہم پر۔" وہ اترا اترا کر بال درست کرنے لگا۔

"اچھا بھائی.....! ذرا وہ وحید مراد کا گانا تو سنایئے.....! سوچا تھا پیار نہ کریں گے۔"

"ارے ہاں.....!

سوچا تھا پیار نہ کریں گے.....
ہم نہ کسی پر مریں گے.....
مگر دو کالی آنکھیں.....
تڑپانے والی آنکھیں.....

لے گئیں دل کا قرار....."

ہنی اور جواد کی فرمائش پر وہ بالکل وحید مراد جیسے اسٹائل میں علیزہ کے آگے پیچھے لہرا کر گانے لگا اور گاتے گاتے لڑکھڑا کر گرا تو سب کا قہقہہ فضا میں گونج گیا۔ علیزہ بھی ہنسی روک نہ سکی۔ ارمغان نے دیکھا تو لگا جیسے ایک ہزار ساری کلیاں مسکرا پڑی ہوں۔ وہ اسے دیکھے گیا۔

"اگر اسی طرح بات بنتی ہے تو....." وہ کہتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ سامنے سے آتی شہلا اور عفت سے ٹکرا گیا۔

• • •

زندگی کی بدلتی رُتیں اپنی یاد کہانی چھوڑ کر آگے بڑھ گئی تھیں۔ زبیر صاحب اور خرم کی بیوی ماہین زندگی کے سفر میں زیادہ ساتھ نہ دے سکے اور چپکے سے زندگی کے سفر سے الگ ہو کر پرسکون نیند سو گئے تو خرم بیٹے شہرام اور بیٹی سعیدہ کو سینے سے لگا کر تڑپ اُٹھا۔ ماں اور بہن ساتھ نہ ہوتیں تو نجانے ان بچوں کا کیا ہوتا۔ یہ زندگی بھی کتنی عجیب ہے۔ بالکل گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیتی ہے۔ ابھی انسان ایک رنگ کی حیرت سے نکل نہیں پاتا کہ وہ دوسرا رنگ بدل کر نئے انداز میں نمودار ہوتی ہے۔ خرم نے زندگی کو بہت مہربان پایا تھا۔ اسے زندگی نے بہت کچھ دیا تھا مگر جب مومی کی صورت میں اس نے پہلی بار محرومی کو محسوس کیا اور اک درز اڑسی پڑ گئی زندگی میں مومی اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی، خواہش اور محرومی کا نام تھا جسے کھو کر وہ زندگی سے کٹ جانا چاہتا تھا مگر والدین کی خاطر ماہین کے لئے گھر اور دل کے دروازے کھولے۔ ماہین ہوا کا خوشگوار جھونکا محسوس ہوئی تو خرم نے مومی کی یادوں کو دل کے نہاں خانوں میں چھپا کر رکھ دیا مگر زندگی کو اس کی خوشی بھائی نہیں۔ ماہین اچانک ہی ان سب کو چھوڑ گئی۔ اس کے کچھ عرصے بعد ہی زبیر صاحب بیٹی کی محروم زندگی کا درد لئے قبر میں اُتر گئے تو اتنے بڑے صدمے لیلیٰ کو توڑ گئے۔ ایسے میں ابرار نے ایک ہمدرد دوست کا کردار ادا کیا اور آہستہ آہستہ ان کو زندگی کی طرف لے آیا۔ آج سعیدہ کی پندرہویں سالگرہ تھی، گھر بھر مصروف تھا اور شہرام کو جلن ہوئی جا رہی تھی۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی دادو.....! اس کی برتھ ڈے میں سب اپنا کام چھوڑ چھاڑ کر شریک ہیں اور جب میری ہوتی ہے تو بس فون پر وش کر دیا جاتا ہے یا زیادہ سے زیادہ کارڈ دے دیئے جاتے ہیں۔" آج صبح ہی تو سعیدہ سے لڑائی ہوئی تھی اس کی۔ وہ بھی تو اسے بہت چڑاتی۔ تب اس نے طے کیا تھا کہ اس کی برتھ ڈے کا کوئی کام نہیں کرے گا مگر خرم اور لیلیٰ کی ڈانٹ نے سب کچھ کرنے پر تیار کر دیا تھا۔ اس وقت وہ دادو کے ساتھ دُکھ شیئر کر رہا تھا کہ پیچھے سے لیلیٰ نے آ کر اس کا کان پکڑ لیا۔

"اچھا.....! تو آئندہ ہم تمہیں کارڈ نہیں دیں گے بلکہ تمہاری برتھ ڈے پر چوڑیاں دیں گے۔ کہو منظور ہے ناں.....؟"

"پھوپھو.....! آپ بھی ناں بس....." وہ پھوپھو سے خفا ہو گیا۔

"اچھا.....! زیادہ نخرے نہ دکھاؤ۔ ابھی ساری ڈیکوریشن پڑی ہے۔ چلو جلدی کرو۔"

لیلیٰ نے جلدی جلدی جھنڈیاں اسے تھمائیں تو منہ بنا بنا کر وہ لگاتار رہا۔

"بھائی.....! آپ مجھے کیا گفٹ دیں گے.....؟" وہ پہلے ہی دل جلا تھا غصہ سعیدہ پر آ رہا تھا کہ وہ بڑے لاڈ سے سب کچھ بھلائے معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com

"زہر دوں گا گفٹ میں.....!" وہ کاٹ کھانے کو دوڑا۔ اس کی برتھ ڈے کی وجہ سے اس کا کرکٹ میچ ہو گیا تھا۔

"بری بات.....! کوئی اپنی بہن کو ایسے کہتا ہے.....؟ میں تو اپنی بہن کو بہت پیار کرتا ہوں، یہ دیکھو....." دوسری طرف سے خرم آ گیا۔ بہن بھائی کی نوک جھونک پر خرم نے بڑھ کر لیلیٰ کو پیشانی پر پیار کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی بہن ہیں بھی بہت اچھی، بہت پیاری، بہت گریس فل اور اسمارٹ۔"

"بالکل درست کہا.....!"

اس آواز پر سب چونک کر مڑے تو ابرار کھڑا مسکرا رہا تھا۔ شہرام لیلیٰ کی تعریف کر رہا تھا۔ اندر آتے ابرار نے اس پر درستگی کی مہر ثبت کر دی تو اک بے نام سا سایہ لیلیٰ کے چہرے پر آیا اور وہ چپ چاپ آگے بڑھ گئی۔ دوسری طرف ابرار کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اسے خرم کے سامنے ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا۔

"میرا مطلب ہے کہ....." ابھی وہ بات بنا ہی رہا تھا کہ سنیعہ بسورتی ہوئی آئی۔

"آپ کا مطلب میں سمجھتی ہوں۔ آپ بھی یہی کہیں گے ناں کہ چاچا کی بہن زیادہ اچھی ہیں اور بھائی کی بہن اچھی نہیں۔"

"ارے ارے.....! نہیں گڑیا.....! میں کوئی آپ کے چاچا کی طرح احمق تھوڑی ہوں کہ ان کی بہن کو اچھا کہوں۔ ارے.....! میں تو بہت عقلمند ہوں شہرام کی بہن کو اچھا کہوں گا۔ واہ.....! کیا بہن پائی ہے۔ بھئی شہرام.....! کہاں سے پائی ہے اتنی پیاری، اتنی اسمارٹ جیسے....."

"ٹریکٹر کا پہیہ.....!" ابرار کی بات کو شہرام نے مکمل کر کے سارے دن کا بدلہ لے لیا۔ سنیعہ کو کھانے کا بہت شوق تھا اور تھوڑی موٹی تھی تو شہرام اسے موٹی ہی پکارتا۔

"اب رُکو ناں.....! سائیکل کے پہیے.....!" سنیعہ بدلہ لینے کے لئے اس کے پیچھے بھاگی۔ اسمارٹ سا شہرام ہر بار اس کے راستے میں کبھی کرسی یا کوئی رُکاوٹ کھڑی کر دیتا تو وہ گرتے گرتے بچتی۔ ان ہی دونوں بچوں کی وجہ سے ان سب کی زندگی میں حرارت تھی۔ فاطمہ تو ان کو دیکھ کر جیتیں۔

"جیتے رہیں میرے بچے.....! میرے گھر کی رونق ہیں۔ کاش.....! ماں اور دادا بھی خوشی کی یہ کلیاں چن رہے ہوتے ہمارے ساتھ۔"

ہر خوشی کے موقع پر جانے والوں کی یاد آنکھوں کے کنارے بھگو جاتی۔ خرم نے آہستگی سے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا جیسے صبر کرنے کا کہہ رہا ہو۔ لیلیٰ آج صبح ہی سے بہت مضمحل تھی۔ اک عجیب قسم کا اضطراب سا طاری تھا۔ آج سنیعہ پندرہ سال کی ہو گئی تھی تو اس کا مطلب تھا اس کی بیٹی سولہ سال کی ہو چکی ہے۔ وہ سنیعہ سے ایک سال بڑی تھی۔ وہ اپنی بے نام بیٹی کو شدت سے یاد کر کے روئی تھی۔ دل تو ابھی بھی کچھ کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا مگر سنیعہ اور ماں بھائی کی خوشی کے لئے سب کچھ کر رہی تھی۔

"عائشہ.....!" ابرار جس کی نظریں اس کے بھائی اور ماں کے لحاظ کے باوجود اس پر اُٹھ رہی تھیں، بے ساختہ اس کے قریب آ گیا۔

◆ ◆ ◆

"ہوں.....!" عائشہ جو یادوں کے سفر میں بہت دُور جا نکلی تھی ایک دم چونک کر ابرار کی طرف پلٹی جو اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں اُترتا اس کے دل کے رازوں تک جا پہنچا تھا۔ اس کے پلٹنے اور پلکیں اُٹھانے پر ابرار دل میں کہیں نارسائی کی کسک کو دبا کر اس کی پلکوں پر اٹکے موتیوں کو دیکھنے لگا کتنا جی چاہا تھا ان موتیوں کو اپنی پلکوں میں اُتار لینے کو، ان جھیلوں میں اپنا عکس دیکھنے کو، اس دل کی کتاب کے پہلے صفحے پر اپنا نام درج کرنے کو۔ مگر سب تو اب اک خواب تھا۔ ایسا خواب جس کے آنگن میں چاند کی کرنیں کبھی نہیں اُتر سکتی تھیں، اک ایسا بیت تھی اس کی خواہش جس کو کبھی عائشہ کے لبوں کا قرب نصیب نہیں ہو سکتا تھا، وہ ایسا نام تھا جو عائشہ کے دل کی کتاب پر درج ہونے کا شرف حاصل نہیں کر سکتا تھا، وہ احساس تھا جو اس کی محسوسات کی دُنیا میں اپنی جگہ نہیں بنا سکتا تھا۔

وہ جو اس کا سب کچھ تھی اور اس کا سب کچھ وہ ہرجائی بے وفا شہباز تھا جو اشک بن کے اس کی آنکھوں کو تر رکھتا تھا، اس کی یادوں کے دیے اس کی پلکوں کی منڈیروں پر روشن رہتے اور جہاں پہلے ہی اتنی روشنی ہو وہاں کسی اور کی محبت کا دیا کیسے روشن ہو سکتا ہے۔ ابرار نے بڑے چپکے سے اپنے اس زبردست رقیب سے ہار مان لی تھی۔ عائشہ کو شدتوں سے چاہنے کے باوجود اسے نہ پانے کی اک گہری کسک کو اس نے اک گہرے سانس کے ساتھ اندر اُتارا اور عائشہ کے خوبصورت ہاتھ میں ہیرے کی نازک خوبصورت سی رنگ پر اس کی نظریں جا ٹھہریں جس کے بارے میں عائشہ نے بتایا تھا کہ یہ شہباز نے رُونمائی میں دی تھی۔ اک اور کسک لفظوں کا پیراہن لیے لبوں تک آ گئی۔

"عائشہ.....! تم نے کبھی بہتی چاندنی کے سکوت کی اوٹ میں چھپی کسی کی تشنہ لبی کی نارسائی کسی شکستہ دل کی سسکیاں سنی ہیں.....؟"

ابرار کے خوبصورت گمبھیر لہجے میں ڈھلے الفاظ میں اس کی اپنی سسکیوں کی داستان تھی یا کسی اور کی۔ عائشہ کی سماعتوں کے سناٹوں میں جو سسکیاں ہر وقت گونجا کرتی تھیں انہوں نے تو اس کی اپنی چیخوں کو دبا دیا تھا۔

"ہاں.....! ہر وقت یہ سسکیاں ہی تو میری زندگی ہیں، میرے جینے کی اُمنگ ہیں، بہت عزیز ہیں یہ

Scanned & Posted by Sanyoo @ OneUrdu.com
UrduPhoto.com

سسکیاں مجھے، بہت پیار ہے مجھے اپنی ان سسکیوں سے، بہت زیادہ جو آج سولہ برس کی ہو گئیں۔" لفظ ٹوٹ کر اس کے لبوں سے گرنے لگے۔ ابرار نے اِک گہرا سانس لیا اور سامنے دیکھنے لگا۔

"مجھے بھی بہت عزیز ہیں اپنی محبت کی یہ سسکیاں۔"

دونوں اپنی اپنی محبت کی لہروں پر ڈوب رہے تھے۔

"عائشہ.....! تمہیں کبھی شہباز سے نفرت محسوس نہیں ہوئی.....؟"

ابرار کا لہجہ یوں تو سادا تھا مگر اِک عجیب سی حسرت، ہلکی سی تلخی کا احساس لیے ہوئے نجانے کیا پوچھنا چاہ رہا تھا۔ اس کی بات پر عائشہ نے ایک سلگتی سی نگاہ اس پر ڈالی اور پھر کھڑکی سے نظر آتے نیلے آسمان پر اُڑتے پرندوں کو دیکھنے لگی تو ڈھیر ساری یادیں جگنو بن کر اس کے اطراف میں رقصاں ہو گئیں۔ شہباز سے پہلی ملاقات، دل کے دھڑکنے کا نیا انداز، پلکوں پر اُترنے والی پہلی لرزش، آنکھوں میں سجنے والے دلفریب خواب، اس کی نظروں سے نکلتے محبت اور پسندیدگی کے تیر اس کے کم سن دل پر وار کرتے تو اسے پانے کی تمنا لبوں پر دُعا بن کر آجاتی۔ اسے یاد تھا وہ سوچا کرتی تھی کہ شہباز نہ ملا تو وہ زندہ کیسے رہے گی پھر وہ مل بھی گیا، ایک ساتھ زندگی کا سفر بھی طے کیا، پھر وہ اچانک ہی ساتھ چھوڑ گیا اور وہ شرمندی تھی اس زندگی سے کہ جو اس کے بغیر گزار رہی تھی۔

"نہیں ابرار.....! ستم تو یہ ہے کہ میں اس ستم گر سے کبھی نفرت کر ہی نہیں پائی۔ باوجود اس کے کہ اس نے میری محبت کو مار دیا، میرا دل ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، میری گود اجاڑ دی پھر بھی میں اس پتھر سے نفرت نہیں کر پائی۔ شاید اس لیے کہ اس کی محبت کا یقین آج بھی میرے ہاتھوں کی حنا ہے، اس کے اعتماد کی ردا آج بھی میرے سر پر ہے۔ اس نے کہا تھا کہ کوئی مرد میرا رقیب نہیں ہو سکتا۔ وہ جانتا تھا اس نے مجھے، کتنا درست سمجھا تھا مجھے کہ اس کے علاوہ کوئی اور مرد میری زندگی میں آ ہی نہیں سکتا، میرے احساس کی دنیا میں قدم رکھ ہی نہیں سکتا، میری چاہتوں کی چوٹی کو سر کر ہی نہیں سکتا۔"

اس کے ٹوٹتے لہجے کی کرچیاں لہو بنی آنکھوں میں اُترنے لگیں۔ سارا منظر دُھندلانے لگا۔ شہباز کی محبت، اس کی جدائی، اس کی دُوری کے کربناک سائے اس کے حسین چہرے پر دُھواں بن کر چھانے لگے تو ان دُکھی سایوں کا سارا کرب ابرار کے درد میں حلول ہو گیا۔ اس کے منہ سے اپنے رقیب کی تعریف سننا، اس کی محبت کا دم بھرنا، یہ سب کتنا دُشوار ہوتا ہے۔ ابرار کو احساس ہوا۔ اس نے سگریٹ کا گہرا سا کش لیا اور اپنے اندر کی ساری کثافت کو گویا اس دُھویں کی صورت کھڑکی سے باہر اُڑا دیا اور عائشہ کی بات کے جواب میں چھوٹا سا جملہ بے نام سی شکایت میں ڈھل گیا۔

"ہاں.....! مجھ سے زیادہ بھلا کون سمجھے گا کہ جس محبت کے بال و پر نہیں ہوتے وہ محبت کی چوٹی کو سر نہیں کر سکتی.....؟ اور.....اور میری محبت بھی بال و پر کے بغیر مفلوج ہے۔"

اِک ٹیس اُٹھی تھی دل میں۔ کتنے ارمانوں سے اس نے عائشہ کو چاہا تھا۔ وہ تو اس کی طلب میں جوگی بن گیا تھا مگر اسے کیا خبر تھی کہ اس کی کشکول میں گرنے والے سکے عائشہ کی محبت کے نہیں دوستی اور ہمدردی کے تھے۔ اس کے دل و دماغ پر شہباز براجمان ہو گا تب اس کی کیا حالت ہوئی تھی یہ راز صرف خدا ہی جانتا تھا۔

"پھپھو.....! پھپھو دیکھیے میں کیسی لگ رہی ہوں.....؟"

سنیعہ سنہری غرارے میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔ دونوں اپنے اپنے احساس اور یادوں سے باہر آئے۔

"ماشاءاللہ.....! کتنی کیوٹ لگ رہی ہے میری گڑیا.....!"

لیلیٰ کو سنیعہ میں اپنی بیٹی نظر آتی تھی اور خرم نے چند ماہ کی بیٹی کو اس کی گود میں ڈال کر کہا تھا کہ اسے ہی اپنی گمشدہ بیٹی سمجھے اور جیسا چاہتی ہے اس کی تربیت کرے اور لیلیٰ نے جو خواب اپنی بیٹی کے لیے دیکھے ان میں سنیعہ فٹ ہو گئی تھی۔ سنیعہ بھی پھپھو کی ایسی عاشق تھی کہ اس سے پوچھے بغیر ایک قدم نہیں اُٹھاتی تھی۔ کپڑے تو خاص طور پر اپنی آئیڈیل پھوپھو کی پسند کے پہنتی تھی اور برتھ ڈے ڈریس بھی لیلیٰ نے ہی بنوایا تھا اور سنہری غرارے میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔ سب نے بہت تعریف کی تھی مگر جب شہرام نے دیکھا تو ماتھا پیٹ لیا۔

"اللہ ہی معاف کرے پھپھو.....! یہ کیا چیز ہے.....؟ لگتا ہے ہاتھی کو غرارہ پہنا دیا گیا۔ قسم سے سنیعہ.....! بالکل ہاتھی لگ رہی ہو۔ اُف.....! کتنا پسند تھا مجھے....."

"کیا.....؟ ہاتھی.....؟" سنیعہ اور لیلیٰ ایک ساتھ بولیں تو وہ چڑ گیا۔

"ویری فنی.....! غرارہ پسند تھا مگر آج کے بعد.....اُف.....! کس قدر حسین لباس ہے۔ اگر یہ لباس کسی بہت ہی حسین و جمیل، نازک اندام حسینہ نے پہنا ہوتا۔ ارے.....! کوئی اور حسینہ کیوں.....؟ اگر یہی لباس ہماری پھپھو نے پہنا ہوتا تو قیامت ڈھا رہی ہوتیں۔"

شہرام سنیعہ کو چڑا رہا تھا اور وہ چڑ رہی تھی۔

"تمہاری پھپھو تو ہر لباس، ہر انداز میں قیامت ڈھاتی ہیں ہمارے دل ناتواں پر مگر....." شہرام کی بات پر اِک حسرت بھری نظر لیلیٰ کے حسین چہرے پر ڈال کر ابرار پہلو بدل کر بچوں کی نوک جھونک میں مصروف ہو گیا۔

"اگر مجھ پر یہ لباس سوٹ نہیں کر رہا تو آپ میری ایک بات مانیں۔ میں ابھی جا کر یہ لباس تبدیل کر لیتی ہوں۔"

"ہیں.....؟ واقعی.....؟ جلدی کرو سنی.....! قسم سے تم اس لباس میں بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہیں۔"

شہرام نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ بڑے ان دونوں کی باتیں سنتے رہے۔

"اوکے.....! تو پھر ایک شرط ہے میری۔"

"بولو.....! میں تمہاری ہر شرط ماننے کے لیے تیار ہوں۔" وہ گرم جوشی سے بولا۔

"وعدہ کریں.....! میں مکرنے نہیں دوں گی۔" سنیعہ کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ بڑے سب دلچسپی سے دیکھ رہے تھے کہ اب بہن بھائی میں کیا طے ہوتا ہے۔ لیلیٰ کا خیال تھا کہ یہ ضرور اس سے کہیں باہر جانے کو کہے گی یا کوئی اور فرمائش کرے گی۔

"اوہو بابا.....! کہہ دیا ناں ہر شرط منظور ہے۔" شہرام نے پیچھا سے چھڑایا۔

"اوکے.....! تو میری شرط یہ ہے کہ میں یہ لباس اُتار دوں گی تو آپ کو یہ لباس پہنا ہو گا۔ بولیے منظور ہے.....؟"

"ہاں ہاں.....! منظور ہے۔ کک.....کک کیا مطلب ہے تمہارا.....؟" وہ ایک دم اُچھلا۔

"جی.....! نہ صرف آپ یہ لباس پہنیں گے بلکہ اسٹوڈیو جا کر ایک تصویر بھی بنوائیں گے جس کو میں بہت

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo @ OneUrdu.com

بڑی کروا کر ڈرائنگ روم میں لگاؤں گی۔ چلیے اٹھیے.....!"

سنیعہ نے بڑا سوچ کر وار کیا تھا۔ شہرام تو کان کھجا کر رہ گیا۔ بڑے ہنسنے لگے۔

"بھاڑ میں جاؤ.....! ساڑھی پہنو یا غرارہ، شرارہ..... مجھے کیا.....؟"

فاطمہ بیگم نے جو پوتے کے یہ درگت دیکھی تو فوراً میدان میں اُتریں۔

"سنی.....! آؤ بیٹا.....! جلدی سے کیک کاٹو دیر ہو رہی ہے۔"

فاطمہ بیگم نے کیک کی جانب توجہ کرائی تو لیلیٰ کے اشارے پر سنیعہ رُوٹھے بھائی کو منانے آ گئی۔

"چلیں بھیا.....!" وہ قریب آ کر پیار سے بولی تو وہ اسے گھورنے لگا۔

اور پھر سنیعہ نے پپا اور شہرام کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر کیک کاٹا۔ خرم نے ماہین کی عدم موجودگی کے احساس کو اندر اُتارتے ہوئے بے شمار دُعائیں بیٹی کی جھولی میں ڈال دیں۔ اسی طرح باری باری سب نے پہلے اور دُعائیں دیں تو سنیعہ نے رُوٹھے رُوٹھے سے بھائی کو دیکھا۔

"بھائی.....! برتھ ڈے گفٹ دیں ناں.....!" سنیعہ نے آنکھیں بند کر کے اپنی پیشانی اس کے سامنے کر دی تو وہ بھی سارا غصہ، خفگی بھول گیا اور بڑے بھائی کا سارا پیار بہن کی پیشانی پر ثبت کر دیا۔

"جیتی رہو.....! اللہ تمہیں خوش رکھے۔" دونوں کو دیکھ کر سب نے آمین کہا تو فاطمہ بیگم کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔ وہ ساری یادیں، وہ سارے دن جھلملا گئے جن کی اوٹ میں وہ زبیر صاحب اور لیلیٰ خرم تھے۔ اسی طرح دونوں بہن بھائی میں لڑائی ہوتی پھر اس طرح دوستی ہو جاتی۔ ان دونوں میں ان کو خرم اور لیلیٰ ہی نظر آتے۔

"ارے.....! کیا ہوا مما.....؟" خرم اور لیلیٰ ایک ساتھ مما کے دائیں بائیں آن کھڑے ہوئے۔

"کچھ نہیں بیٹا.....! تم دونوں اب مجھے شہرام اور سنیعہ میں نظر آتے ہو۔ یہ دونوں بالکل تم دونوں کی طرح ہیں۔"

"کیا کہا آپ نے دادو.....؟ ٹھیک ہے میں پپا کی طرح خوبرو اور ہینڈسم ہوں مگر سنیعہ اور پھپھو تو بالکل نہیں۔ قسم سے زمین آسمان کا فرق ہے۔ پھپھو اتنی حسین اور یہ چڑیل.....!"

"شہری بیٹا.....! بہت بری بات ہے۔ آج اس کی برتھ ڈے ہے اور اس روز کسی چڑیل کو سنیعہ نہیں کہنا چاہیے۔ اوہ..... میرا مطلب یہ تو کیوٹ برتھ ڈے گرل ہے۔"

"ابرار انکل.....! آپ بھی.....؟" ابرار کی شوخ بات پر سنی رُوٹھ گئی۔

"سوری بیٹا.....! سوری.....! وہ تو یوں ہی میں نے ذرا بندر کو خوش کرنے....."

"ابرار انکل.....!" شہرام نے خفگی سے ابرار کو دیکھا۔

"شہری بیٹا.....! ڈونٹ مائنڈ۔ وہ تم نے سنا نہیں جو کہتا ہے وہی ہوتا ہے۔" لیلیٰ نے شرارت سے ابرار کو دیکھا جو برا سا منہ بنا کر اسے گھورنے لگا۔ ان ہی شوخ رنگوں نے محفل کو رنگین بنا دیا۔ ماحول بہت خوشگوار ہو گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ درد کے موڑ پر اس گھر کے مکین ملتے نظریں چرا کر گزر جاتے اور وقتی مسکراہٹ کی کرنیں لبوں پر سجا لیتے۔

"پپا.....! تو پھر اب تو اجازت ہے ناں اپنے دوستوں کو جوائن کرنے کی پہلے ہی اس بندریا کی وجہ سے میں کافی مس کر چکا ہوں۔"

شہرام موبائل آف کر کے خرم سے اجازت لے رہا تھا۔

"ٹھیک ہے جاؤ.....! مگر جلدی آ جانا۔"

"او کے.....!" اجازت ملتے ہی اس نے ایک چپت سنی کے لگائی اور گزرتے گزرتے رُکا اور لیلیٰ کی بھورائی لٹ کو اُنگلی پر لپیٹ کر گنگنایا۔

"لٹ اُلجھی سلجھا جا رے بالم.....!

میں نہ لگاؤں گی ہاتھ رے.....!"

وہ اوپر آ گیا۔ قریب تھا کہ گرتا۔ ابرار نے تھام لیا۔

"برخوردار.....! آپ کسی اور کی لٹ سلجھائیے، یہ اعزاز کسی اور کے لیے رہنے دیجیے۔" ابرار نے خرم اور فاطمہ سے چھپ کر ایک گہری نظر لیلیٰ پر ڈالی جو شہرام کی حرکت پر مسکرا رہی تھی۔ اس کی دلفریب مسکراہٹ کی کرنیں ہمیشہ ابرار کا احاطہ کر لیا کرتیں۔

• • •

"واؤ.....! زبردست.....! کیا چیز ہے یار.....! کہ....."

"واقعی یار.....! بہت زبردست چیز ہے۔ یہ زبردست چیز تو ہر ایک کے پاس ہونی چاہیے۔"

"شٹ اپ.....! یہ چیز صرف اور صرف شہرام خرم کے پاس ہونی چاہیے۔ تمہیں شرم آنی چاہیے اپنی ہونے والی بھابھی کے بارے میں ایسی بات کہتے ہوئے۔"

"تو کیا تم وہ سامنے کھڑی زبردست گاڑی سے شادی کرنے والے ہو.....؟" فہد نے پلٹ کر اس کو گھورا تو وہ کھسیانا سا ہو گیا۔

"تو..... تو کیا تمہاری نظر گاڑی پر ہے.....؟ گاڑی والی پر نہیں.....؟"

شہرام نے تسلی آمیز لہجے میں کہا اور سامنے کھڑی بہت خوبصورت، اسمارٹ لڑکی کو دیکھا جو گاڑی سے اُتر رہی تھی اور اس کے سیاہ دراز ریشمی بال ہوا کے دوش پر اُڑ کر اسے اور حسن بخش رہے تھے۔ شہرام کی نظریں تو اسی لڑکی پر تھیں اور اس کے بہترین دوست فہد کی نظریں گاڑی پر تھیں۔

"جی ہاں.....! میری نظریں گاڑیں والی پر نہیں گاڑی پر تھیں۔ تم تو جانتے ہو میں ذرا بلند پائے کا ذوق رکھتا ہوں اور میری نظریں ہمیشہ خوب سے خوب تر پر ٹھہرتی ہیں۔" فہد نے اترا کر کالر درست کیے تو شہرام چڑ گیا۔

"اس کا مطلب ہے گاڑی لڑکی سے زیادہ اچھی ہے.....؟"

"آف کورس.....!" فہد نے گہری شریر مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو ایک زوردار مکا شہرام نے اس کے شانے پر جڑ دیا۔ لڑکی گاڑی سے نکل کر کھڑی تھی پھر جھکی، ڈرائیور سے کچھ کہا، باوردی ڈرائیور ذرا سا سر کو خم کر کے پیچھے ہٹا اور گاڑی لے جا کر پارکنگ میں کھڑی کر دی۔ اب لڑکی سوچ کا سایہ لیے ٹہل رہی تھی۔ وہ تھی ہی اتنی

Scanned & Posted by Sanyoo @ OneUrdu.com
UrduPhoto.com

نازک، حسین، ملکوتی حسن کی مالک کہ شہرام کو اچھی لگ رہی تھی۔ وہ اس سے تعارف حاصل کرنے کے لیے چل گیا اور فہد کی جانب مڑا جو موبائل پر ایس ایم ایس (SMS) کر رہا تھا۔

''کیا خیال ہے یار فہد.....! تعارف حاصل کریں.....؟'' شہرام پر اشتیاق انداز میں بولا۔

''گاڑی سے.....؟'' اپنے کام میں مگن فہد نے بے خیالی سے کہا تو شہرام کو تاؤ آ گیا۔

''لڑکی سے.....!'' شہرام نے کسی کے سن لینے کے خیال سے دَبی دَبی آواز میں کہا تو فہد نے اسے گھورا اور اُچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

''تعارف.....؟ وہ بھی اس مغرور لڑکی سے جن کے ماتھے کے تیور ہی جان نکال لینے والے ہیں.....؟ نابابا.....! نا.....! مجھے درگت بنوانے کا کوئی شوق نہیں۔'' فہد کے صاف انکار پر شہرام سلگ اُٹھا۔

''اور جیسے مجھے تو درگت بنوانے کا پیدائشی شوق ہے.....؟''

''بالکل.....!'' فہد نے جلانے والے انداز میں کہا اور ایس ایم ایس (SMS) کرتا رہا۔ شہرام کو اس لڑکی سے جلد سے جلد تعارف کی پڑی ہوئی تھی۔

''تو یہ طے ہے کہ تم تعارف میں میری مدد نہیں کر رہے.....؟'' شہرام نے جیسے ایک موقع اور دیتے ہوئے پوچھا۔ فہد اپنے شغل میں مصروف رہا اور نفی میں سر ہلا دیا۔ تب شہرام نے اس کے بال نوچ ڈالے اور عورتوں والے انداز میں لڑنے لگا۔

''خدا کرے تم جہاز کے نیچے سے گزرو، خدا کرے تمہاری منگنی ہونے سے پہلے ٹوٹ جائے، خدا کرے کسی حسینہ سے اتفاقاً ٹکرا جاؤ اور تمہاری وہ درگت بنے کہ دُنیا دیکھے۔''

وہ ہاتھ پر ہاتھ مار مار کر عورتوں کے انداز میں فہد کو بددُعائیں دے رہا تھا اور اُلٹے قدموں چلتا جا رہا تھا اور فہد کو دی ہوئی آخری بددُعا خود اسی کو لگ گئی اور وہ اسی حسینہ سے ٹکرا گیا۔

''اندھے ہو.....؟'' لڑکی کے منہ سے بے اختیار نکلا تو وہ پلٹا۔ اس حسینہ کو اتنے قریب دیکھ کر فیصلہ نہ کر پایا کہ اسے کیا کہنا چاہیے۔ سوری کہنا چاہیے یا جواباً تم اندھی ہو کہنا چاہیے مگر وہ ان دونوں میں سے کچھ نہ کہہ سکا سوائے اس کے کہ۔

''جی نہیں.....! بھینگا ہوں۔'' اور آنکھیں آپ ہی آپ ٹیڑھی ہو گئیں۔

''بھینگے ہو تو علاج کراؤ اس بیماری کا۔'' لڑکی نخوت سے بولتے مڑی تو وہ اُچک کر اس کے سامنے آ گیا۔ بھینگی آنکھوں سے اسے سرتاپا دیکھا۔ دُور کھڑے فہد نے اس خیال سے کہ اب شہرام کے گال پر تھپڑ پڑنے والا ہے، اس نے اپنے گال پر ہاتھ رکھ لیا۔

''اب پٹے گا یہ لڑکا، باز کیوں نہیں آ جاتا.....؟ وہ..... وہ پلٹی یا اللہ خیر.....!'' فہد نے لڑکی کو ہاتھ فضا میں جو اس نے بال درست کرنے کے لیے بلند کیا تھا، دیکھا تو اپنا دوسرا گال بھی دوسرے ہاتھ سے چھپا لیا۔

غصہ تو لڑکی کو شدید آیا مگر تماشا بننے کا خیال اکثر لڑکیوں کو غصہ دبانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ لڑکی نے دانت پیسے اور اسے گھورتی آگے بڑھ گئی۔

''اوہ نو.....! اُف.....! ہائے.....!'' تکلیف سے گھومتے سر کے ساتھ اس نے چکراتی نظروں سے

دیکھا، وہ گاڑی میں بیٹھ کر جا رہی تھی۔ وہ اس کا پیر زخمی کر گئی تھی۔

''خدا حافظ.....! سی یو اگین.....!'' اس نے ہوا میں ہاتھ لہرایا۔ وہ سن گلاسز چڑھائے قریب سے گزر گئی۔ وہ پاؤں پکڑے کسی سہارے کی تلاش میں دیکھ رہا تھا کہ فہد نے شانہ پیش کر دیا۔

''چلیے جی.....! تعارف تو حاصل ہو گیا اب ہاسپٹل چلیں.....! ویسے کیا نام تھا.....؟''

''میری سمجھ میں نہیں آتا یہ عورتوں کی اتنی نوکیلی اور سخت ہیلیں بنانے والے ہم لڑکوں کے سروں اور پاؤں کا خیال کیوں نہیں کرتے.....؟ ہائے.....! ہائے.....!'' اور پاؤں مسلنے لگا۔ فہد کا قہقہہ گاڑی کی فضا میں گونج گیا۔

''اچھا.....! اب دانت اندر کر اور خبردار جو یہ کتھا کسی کو سنائی ہو تو۔'' وہ دونوں دوستوں کے پاس پہنچے تو وہ ان ہی کے منتظر تھے۔

''ارے شہرام.....! یہ تمہارے پاؤں کو کیا ہوا.....؟'' تنویر اس کی طرف بڑھا۔ وہ کھسیانا ہو گیا اور فہد کی آنکھوں میں شرارت ناچنے لگی۔ اس نے شہرام کی نہ تو گھر کی کو اہمیت دی اور نہ ہی اپنے باز و اس کی چٹکی کو اہمیت دی۔

''کچھ نہیں.....! بس یہ جو عورتوں کی جوتیاں بنانے والے لوگ ہوتے ہیں ناں ان کو لڑکوں کے سروں اور پاؤں کا خیال ہی نہیں ہوتا ورنہ شہرام میاں نے نہ تو ایک اجنبی حسینہ سے تعارف حاصل کیا ہے نہ ہی اس کی ہیل اس کے پاؤں پر لگی۔''

اور پھر فہد نے آنکھوں دیکھے اس ڈرامے کو مرچ مسالے کے ساتھ بیان کیا تو سب نے چھیڑ چھیڑ کر اس کا برا حال کر دیا۔

''اچھا.....! تو یوں کہو ناں یہ ہوا تعارف حاصل کرنے کا صحیح طریقہ۔''

''اچھا.....! اب زیادہ پارسا بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ زندگی میں ایک نہ ایک بار لڑکے کو ہیل کا ذائقہ چکھنا پڑتا ہے۔ آج میری تو کل تیری باری ہے۔''

اپنا کھسیاہٹ کر پس پشت ڈال کر شہرام نے دوبدو جواب دیا تو خالد بولا۔

''اور نہیں تو کیا.....؟ بس بندہ ڈھیٹ ہونا چاہیے اپنے شہرام کی طرح۔''

''اوئے.....! بس بس.....! خبردار جو اب کسی نے میرے جگری یار پر ہیل اُٹھائی تو۔'' فہد نے ہمدردی کے ساتھ شہرام کو ساتھ لگایا تو شہرام کو بدلہ لینے کا موقع مل گیا۔ اس نے پوری قوت سے فہد کے پاؤں پر اپنا جوتا مارا کہ وہ بلبلا کر رہ گیا۔

• • •

''یہ..... یہ کون ہے مہراں.....!'' فاطمہ بیگم نے چشمہ اُتارا، اخبار ایک طرف رکھا اور کچھ فاصلے پر کھڑی سولہ سترہ سالہ بہت خوبصورت سی لڑکی کو دیکھنے لگیں۔ مہراں اس گھر کی ملازمہ رہ چکی تھی پھر اس کا شوہر ایکسیڈنٹ میں مارا گیا تو اس نے دوسری شادی کر لی تو ملازمت چھوڑ دی۔ آج ایک عرصے کے بعد وہ دوبارہ ہاتھ باندھے کھڑی التجائیہ نظروں سے فاطمہ بیگم کو دیکھ رہی تھی۔

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com

"یہ بدنصیب میری بیٹی ہے بیگم جی.....!"

"اچھا.....! تو یہاں کیوں لائی ہو.....؟" فاطمہ اس کی لڑکی کے لانے کا مقصد نہیں سمجھی تھیں۔

"بیگم جی.....! اب میں کیا بتاؤں آپ کو جی کہ.....!" بات اُدھوری چھوڑ کر مہراں شدت سے رونے لگی۔ ماں کو دیکھ کر بیٹی بھی روہانسی ہوگئی اور آگے بڑھ کر ماں کو ساتھ لگالیا۔

"مہراں.....! آخر بات کیا ہے.....؟" اس کے رونے سے ان کو گھبراہٹ ہونے لگی۔

"بیگم صاحبہ جی.....! یہ میری بیٹی ہے مگر آپ اب اس کو اپنی بیٹی بنالیں جی ورنہ میں زہر کھالوں گی اس کی وجہ سے۔ اللہ کے واسطے بیگم صاحبہ جی.....! اسے اپنے قدموں میں جگہ دے دیں۔" مہراں باقاعدہ ان کے پاؤں پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"یہ کیا حرکت ہے.....؟ ہٹو اور حوصلے تسلی سے بات بتاؤ تاکہ اسی کے مطابق کچھ کیا جائے۔" مہراں نے ساری داستان سنادی۔

"مہراں.....! جب تمہارے تین تین بیٹے تھے ایک یہی بیٹی تھی تو تمہیں دوسری شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی.....؟" فاطمہ کو واقعی مہراں پر غصہ آگیا۔

"میں..... میں کہاں کرنا چاہتی تھی بیگم صاحبہ.....! مگر بدذات ڈھیٹ آدمی اتنا پیچھے پڑا کہ مجھے ہار ماننی ہی بنی اور میرے کچھ قرضے تھے، اس نے ادا کردیے۔ ایک دو بار میرے گھر چور گھس آئے تب بھی اس نے مدد کی، لڑکے تو میرے جی ابھی بہت چھوٹے ہیں، لڑکی جوان ہورہی ہے، غیر مردوں کی تاک جھانک بھی لگی تھی۔ بس ان مجبوریوں کی وجہ سے اس نے مجھے نکاح کا کہا کہ اس طرح مجھے مرد کا سائبان اور بچوں کو باپ کا سایہ مل جائے گا۔ پھر میں کیا کرتی جی، ڈھیلی پڑ گئی۔ ایک مجبور بے بس عورت جو تنہا زندگی کے طوفانوں سے مقابلہ نہ کرسکتی ہو تو اسے مدد کا سہارا چاہیے ہی ہوتا۔ پھر میں نے اس سے نکاح تو کرلیا، کچھ عرصے تک ٹھیک رہا، خرچہ بھی دیتا رہا مگر بعد میں خود گھر میں پڑا رہتا اور میرے لڑکوں کو کام پر لگادیا۔

میں یہ بات بھی برداشت کرجاتی مگر وہ میری ثومی پر گندی نظر رکھنے لگا تھا۔ یہ اندر ہی اندر گھلنے لگی۔ ایک دن تو وہ حد سے گزرنے لگا کہ میں پہنچ گئی۔ خدا کا شکرانہ ادا نہیں کرسکتی جی کہ میں وقت پر آگئی۔ نجانے کیا ہوجاتا اس وقت تو میں نے اسے گھر سے نکال دیا تھا، گھر جو میرا ہے پر جی وہ آئے گا ضرور اور میری ثومی پر نظر رکھے گا۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا جی۔ یہ نہ ہو میں اسے جان سے مار کر خود جیل چلی جاؤں۔ میرے معصوم بچے رُل جائیں گے جی۔ اس لیے اللہ کے واسطے میری بیٹی کو اپنے قدموں میں جگہ دے دیں۔ دن رات خدمت کرے گی آپ کی۔ آپ کے پاس ہوگی میں اس کی عزت کی طرف سے تو بے فکر رہوں گی ناں۔ اللہ کے واسطے میری ثومی کو اپنے قدموں میں رکھ لیں۔"

مہراں کے سارے زخم ایک ایک کرکے اُدھڑ گئے تھے۔ اس کے آنسوؤں سے فاطمہ بیگم کے پاؤں بھیگ گئے تھے اور وہ خود حیران پریشان سی سوچ رہی تھیں کہ کیا زندگی وہی حالات وہی واقعات اور نام کی مماثلت لیے ایک بار پھر ان کی مدد کی طالب ہوکر آجائے گی یہ تو انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ کبھی برسوں پہلے وقت کی رفتار کے ساتھ آگے بڑھ جانے والی زندگی ایک بار پھر اسی صورت میں ان کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔ اسی طرح

ثومی میں موی اور مہراں میں اس کی ماں نظر آنے لگی تو ان کو جھرجھری سی آگئی۔ گزرے وقت کا ایک ایک لمحہ بہت تکلیف میں جیا تھا انہوں نے۔ ہر وقت موی کی پہریداری کرتے کرتے وہ تھک گئی تھیں۔ ہر چند کہ موی کی قربانی نے اپنے جیسی لڑکیوں کے لیے راستہ کھول دیا تھا مگر وہی شک، وہی وہم آج بھی ان کے بوڑھے دل کے اندر موجود تھا۔ پہلے بیٹے اور اب پوتے کی شکل میں لیکن اب وہ بھاگنے کی سکت نہیں رکھتی تھیں اسی لیے چڑ سی گئیں۔

"زہر ہوتا ہے سوتیلا باپ لڑکی کے لیے، تمہیں اتنی خبر نہیں تھی اور اس نے تمہارے ساتھ تو دکھاوے کے لیے نکاح کیا ہوگا۔ اصل میں تو اس کی نظر ثومی پر ہی ہوگی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں جی۔ اس بات کا اندازہ مجھے نکاح کے فوراً بعد ہی ہوگیا تھا۔ پر اب کیا کروں جی.....؟" دُکھ، تھکن اور یاس مہراں کے حزیں لہجے کو مزید بوجھل کرگیا۔ اس نے دوپٹے سے چہرہ صاف کر لیا۔

"اب بڑی ہوگئی ہے شادی کرڈالو اس کی۔" فاطمہ ہر صورت گزر جانے والے لمحات کو ٹالنے کی سعی کر رہی تھیں۔ ان کی بات پر بڑی زخمی سے پھیکی مسکراہٹ مہراں کے ہونٹوں پر آکر دم توڑ گئی۔ وہ تو زندگی سے لڑ رہی تھی۔ دو وقت کی روٹی اس کے لیے مشکل ہورہی تھی تو شادی کہاں سے کرتی اور کون اس غربت میں اس کی معصوم بچی کو اپناتا۔

"بیگم صاحبہ.....! میں اسے آپ کے در پر چھوڑے جارہی ہوں۔ اب آپ کی مرضی ہے جو چاہیں کریں، اپنے پاس رکھیں پھر اپنے کسی ملازم کے ساتھ اس کا نکاح کردیں۔ میں اب اس قابل نہیں رہی کہ اس کی جان اور عزت سنبھالتی پھروں۔ اللہ کے واسطے مجھے معاف کردیں، معاف کردیں جی۔"

وقت شاید آج حرف بحرف خود کو دُہرانے پر تلا ہوا تھا جس طرح موی کی ماں کی حالت خراب ہوگئی تھی۔ کھانسی کا پھندا لگا، سانس اُکھڑی اور وہ ان کے پیروں پر دم توڑ گئی۔ اس وقت مہراں کی بھی ایسی ہی حالت ہو رہی تھی۔

"اماں.....! اماں کیا ہوا ہے.....؟ اماں.....!" ثومی تڑپ کر رونے لگی۔ فاطمہ بری طرح گھبرا گئیں۔ لیلیٰ جس نے یہ ساری کہانی مما کے پیچھے کھڑے ہوکر سنی اور ان کے چہرے پر آتے جاتے خوف کے سائے دیکھے تھے، ایک دم آگے بڑھی، پانی کا گلاس مہراں کے ہونٹوں سے لگایا۔

"ماسی.....! ماسی مہراں.....! پانی پیو۔ ثومی.....! اماں کی ایسی حالت پہلی بار ہوئی ہے کہ پہلے بھی ہوتی رہتی ہے.....؟" مہراں کی اُبلتی آنکھوں نے لیلیٰ کو پریشان کردیا۔

"جب بھی زیادہ پریشان ہوتی ہیں تو ایسی ہی حالت ہوتی ہے جی۔"

ثومی ماں کی حالت دیکھ کر ہچکیوں کے ساتھ بولی۔ لیلیٰ نے زبردستی پانی پلایا پھر گلوکوز دیا۔ کافی دیر کے بعد مہراں کی حالت ٹھیک ہونے لگی تو اس نے خفت بھری نظروں سے فاطمہ کو دیکھا جن کے چہرے ہی سے اندازہ ہو رہا تھا جیسے ان کو یہ سب بہت ناگوار گزرا ہے۔

"میں..... میں معافی چاہتی ہوں بیگم صاحبہ.....! پر کیا کروں.....؟ اپنے پر قابو نہیں رہتا۔ میں اب چلتی ہوں جی، معاف کردیں۔ آپ کو بھی پریشان کردیا۔ ٹھیک ہے آپ ثومی والی ذمہ داری نہیں لینا چاہتیں تو نہ سہی

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

اللہ مالک ہے کہیں اور.....''

مہراں اُکھڑے سانس اور تھکن کا احساس لیے ثومی کا سہارا لے کر کھڑی ہوگئی مگر پھر ہمت جواب دے گئی تو وہیں بیٹھ گئیں۔

''ماسی.....! ثومی اب آپ کی نہیں میری ذمہ داری ہے۔ آپ اس کی طرف سے بے فکر ہو کر جائیں۔ اب میں جانوں اور یہ۔ آپ آرام کرو، کھانا کھاؤ، میں ڈرائیور سے کہتی ہوں وہ آپ کو گھر تک چھوڑ آئے گا۔''

لیلیٰ جانتی تھی یہ بات مما کو بہت ناگوار گزری ہوگی اسی لیے ان کو دیکھا ہی نہیں۔ اس کی بات زندگی کی حرارت بن کر مہراں کی رگوں میں دوڑنے لگی۔

''آپ.....! آپ سچ کہہ رہی ہو لیلیٰ بیٹی.....! اللہ تمہیں زندگی دے، ترقی دے، میرے بیٹی.....! اللہ تیرا کلیجہ ٹھنڈا کرے، تیری بچھڑی ہوئی بیٹی ملائے۔ میرے پروردگار.....! اے میرے مولا.....! اس [illegible] عرشوں کے بھاگ لگانا۔''

ڈوبتے ہوئے کو تو تنکے کا سہارا بھی بہت ہوتا ہے۔ یہاں تو مہربان ربِ عظیم نے اسے کنارے پر لا [illegible] تھا۔ وہ خدا کے حضور سجدہ کر کے اب لیلیٰ کو دُعائیں دیئے جا رہی تھی اور اس کی دُعاؤں پر لیلیٰ کی تڑپتی، سسکتی [illegible] آمین آمین کی مہر لگا رہی تھی۔

''میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔'' ماسی کا خوشی سے برا حال تھا۔

''ماسی.....! یہ ہمارا فرض ہے، آپ پر یا کسی اور پر کوئی احسان ہے نہ ہی قرض ہے۔ ہاں.....! اگر [illegible] سے کچھ چاہتی ہوں تو فقط یہ کہ خدا میری ممتا کی آگ بجھا دے، میری بچی مجھ سے ملا دے۔ بس ایک بار [illegible] میری بیٹی سے ملا دے۔'' لیلیٰ خود پر کنٹرول نہ کر سکی اور شدت سے رو پڑی۔ ماسی مہراں اُٹھی اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار کر لیا اور ڈھیروں دُعائیں اس کی ممتا کے کشکول میں ڈالتی چلی گئی اور لیلیٰ نجانے کب تک کرب کے بھنور سے لڑتی رہی۔ یہ جلن یہ لڑائی تو جانے کب ختم ہو۔ ہوش ہوا اس نے گہری دُھند سے اس معصوم سی، بھولی سی لڑکی کو دیکھا جو ہو بہو مومی لگ رہی تھی۔ فاطمہ بیگم اُٹھ کر جا چکی تھیں۔ ان کو لیلیٰ کی یہ ہمدردی قطعی پسند نہیں آئی تھی۔

''ثومی.....!'' لیلیٰ نے دھیرے سے پکارا تو وہ ایک دم کھڑی ہوگئی۔

''جی بیگم صاحبہ.....!'' اپنی ماں کی تقلید کرتے ہوئے اس نے لیلیٰ کو بھی بیگم صاحبہ کہا تو یہ خطاب خاصا اجنبی اور قدرے ناگواریت لئے ہوئے تھا۔ لیلیٰ کو اچھا نہیں لگا۔

''ثومی.....! تم آئندہ مجھے بیگم صاحبہ نہیں کہو گی بلکہ آنٹی کہو گی۔ میری بیٹی بھی تو تمہارے برابر ہی ہے۔''

اس کے شکستہ لہجے میں اِک حسرت نمایاں تھی بیٹی کی جدائی کی۔ ثومی کچھ دیر اس کو دیکھتی رہی۔ خود جوان نظر آنے والی اس کے برابر بیٹی کی ماں بھلا کس طرح ہو سکتی ہے۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔

''نہیں جی.....! آنٹی تو آپ بالکل نہیں لگتیں۔ میں آپ کو باجی کہا کروں گی۔ ویسے میری جتنی آپ کی بیٹی کس طرح ہو سکتی ہے جی.....؟'' بس یہ بات ہی ثومی کے لئے معمہ بنی ہوئی تھی۔

''اُٹھو.....! تم نہیں سمجھو گی۔ خیر چلو میرے کمرے میں۔''

''لیلیٰ.....!'' لیلیٰ اور ثومی کے قدم جہاں تھے وہیں، جم گئے

• • •

''عطیہ خاتون.....! یہ کتابیں ہیں۔ خود تو آپ پڑھ ہی چکی ہیں، اب یہ کتابیں نہ صرف خولہ کو پڑھانی ہیں بلکہ ان پر عمل بھی کرانا آپ کا کام ہے۔ خولہ اب بڑی ہو رہی ہے اور اسے ایسی دینی کتابوں کے مطالعے کی بہت ضرورت ہے۔ یہ لیجئے.....!''

حسبِ عادت شہباز نے کئی اسلامی کتابیں جن میں ''مسلمان عورت'' نمایاں تھی، عطیہ خاتون کی طرف بڑھائیں تو انہوں نے گہرا سانس لے کر کتابیں ان کے ہاتھ سے لے تو لیں مگر وہ یہ بات قطعی نہ کہہ سکیں کہ اس سے پہلے جو اتنی ڈھیر ساری کتابیں وہ لا چکے ہیں، وہ خولہ نے کب پڑھی ہیں۔ پڑھنا تو دُور کی بات ہاتھ نہیں لگایا ان کو جبکہ خود عطیہ خاتون سمجھتی تھیں کہ یہ اسلامی کتابیں مسلمان عورت کو ضرور پڑھنی چاہئیں اور اپنے کردار کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنا چاہیے۔ مگر ستم تو یہ تھا کہ شوریدہ جذبوں والی خولہ اور شہباز کی سوچ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

شہباز اس کو اپنی سوچ، اپنی خواہشوں کی قید میں رکھنا چاہتے تھے جبکہ خولہ اپنی عمر کی تمام چھوٹی چھوٹی خواہشات کو پورا کرنا چاہتی تھی۔ وہ باپ کی فرمانبردار ضرور تھی مگر صرف اس حد تک جہاں اس کی خواہش ان کے نظریات سے ٹکراتے نہیں تھے۔ یہ عمر کی ناپختگی تھی یا حد سے بڑھی ہوئی پابندیوں کا نتیجہ کہ خولہ کو ہر اس بات میں کشش محسوس ہوتی جس سے باپ خار کھاتا اور عطیہ خاتون کا بنیادی اختلاف ہی یہ تھا کہ وہ شدت پسندی کو پسند نہیں کرتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ دین اور اخلاقی حدود کے اندر رہ کر خولہ کی چھوٹی چھوٹی معصوم خواہشات کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ اس کی ایک مان کر ہزار منوائی جا سکتی تھی مگر شہباز شدت پسند ہو گئے تھے۔ وہ لیلیٰ کو چھوڑ آئے تھے تو یہ جان لیوا فیصلہ انہوں نے آسانی سے نہیں کر لیا تھا اور جب جان سے گزر کر یہ فیصلہ کر ہی لیا تھا تو وہ خولہ کو ایسی چیز بنا کر لیلیٰ کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے کہ لیلیٰ اپنی شکست ماننے پر مجبور ہو جاتی اور عطیہ خاتون کو یہ بات بھی ناگوار گزرتی تھی۔ وہ کتابیں ہاتھ میں لئے چپ سی کھڑی تھیں۔ جی میں تو آیا کہ کچھ سخت کہہ دیں مگر وہ اس کا حق کہاں رکھتی تھیں۔ وہ تو خود ان کے احسانات تلے دبی ہوئی تھیں۔ اس لیے درست بات بھی بہت سوچ سمجھ کر کہی تھی۔

''اس نے وہ پہلے والی کتابیں پڑھی ہیں ناں عطیہ خاتون.....!'' شہباز جاتے جاتے پلٹے۔ لہجے میں کسی حد تک بے یقینی جھانک رہی تھی۔ عطیہ خاتون نے ایک نظر ان پر ڈالی اور ایک خفیف سی مسکراہٹ آ کر غائب ہو گئی۔ انہوں نے کتابیں خولہ کی بک شلف پر ان کتابوں کے ساتھ رکھ دیں تھیں جن کو اس نے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔

''اگر برا نہ مانیں تو ایک بات پوچھوں شہباز صاحب.....!'' عطیہ خاتون پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ بات کرنا اور بات کے تاثرات کو اس کے معنی سمیت مخاطب کے ذہن میں اُتارنے کا ہنر جانتی تھیں۔ شہباز نے ایک نظر ان کے سراپے پر ڈالی۔ بڑے سے چادر نما دوپٹے میں ان کا سارا وجود ہمہ وقت چھپا رہتا اور پیشانی تک آیا آنچل دیکھنے والے کی نظر میں ان کے لئے توقیر عزت کے دروازے کھول دیتا۔ بنیادی طور پر عطیہ خاتون ان کو

Urduphoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ One Urdu.com

اپنے کردار کی وجہ سے بہت پسند تھیں اس لیے وہ خولہ کو ان کے پیکر میں دیکھنا چاہتے تھے۔

"کہیے عطیہ خاتون.....! کہہ دیا کیجئے۔ اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے.....؟"

انہوں نے کھلے دل سے اجازت دے دی تو عطیہ خاتون ان الفاظ کا چناؤ کرنے لگیں جو جامع بھی ہوں اور پر اثر بھی۔ عطیہ خاتون نے ایک سادہ سی نظر شہباز پر ڈالی جو ہمہ تن گوش تھے۔

"دیکھئے شہباز صاحب.....! اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ سب سے خوبصورت مذہب ہے۔ ہمارے مذہب میں کہیں بھی شدت پسندی نہیں۔ اعتدال ہے، میانہ روی ہے، مساوی حقوق دینے والا مذہب۔ پھر آپ کی یہ شدت پسندی کبھی کبھی اُلجھا دیتی ہے مجھے۔ کیوں.....؟"

ان کے سوال پر شہباز نے قدرے تیز نگاہ عطیہ خاتون پر ڈالی اور رُخ موڑ کر کھڑکی کے سامنے جا کھڑے ہوئے جہاں سے نظر آتے نیلگوں آسمان نے بڑے دنوں بعد گھنے بادلوں کی چادر ہٹا کر اپنا رنگ دکھایا تھا۔ چند ایک بدلیاں ابھی بھی تیر رہی تھیں۔ خنک ہوا کی جھرجھری تھی کہ گزرے لمحات کی اذیت عطیہ خاتون فنا کر پائیں۔

"سب جانتا ہوں عطیہ خاتون.....! سب جانتا ہوں مگر....." ان کے لہجے کی تندی قریب تھا کہ کمرے کے ماحول کو روند ڈالتی۔ وہ لمحہ بھر کو رُکے جیسے اندر اُٹھتے طوفان کو روک رہے ہوں۔ لیلیٰ کی محبت، اس کی طلب، اس کی جدائی، یہ کسی طوفان سے کم تھی کیا۔

"عطیہ خاتون.....! میں بھی نارمل انسان تھا، قطعی شدت پسند نہیں تھا، یہ تو وقت اور حالات نے مجھے اس موڑ پر لا کھڑا کیا ہے ورنہ میں نے کب سوچا تھا کہ میرے جیسا نرم دل بندہ بھی شدت پسندی کے کسی ایسے راستے پر جا سکتا ہے۔ یہ سب تو میں اس لئے کر رہا ہوں کہ.....

"کہ آپ لیلیٰ سے جیت جائیں.....؟" عطیہ خاتون نے اعتماد سے کہا تو شہباز چونک کر ان کو دیکھنے لگے۔ جیسے انہوں نے ان کی چوری پکڑ لی ہو۔

"جی ہاں.....!" انہوں نے ایمانداری سے اعتراف کرتے ہوئے دروازے کی طرف رُخ کیا۔ پھر پلٹے۔

"اس لیے عطیہ خاتون.....! کہ میں اپنے فیصلے کو درست ثابت کر سکوں کہ میں نے خولہ کو اس سے چھین کر خولہ کے لئے اچھا فیصلہ کیا ہے۔ وہ ماں کے پاس رہتی تو اس کی سوچ، پسند، کردار کے دھاگے بکھر جاتی۔ خولہ میری بیٹی ہے، میں اسے اپنے آئیڈیل کے پیکر میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ میں لیلیٰ کو بتا سکوں کہ اس کو کہتے ہیں تربیت اور عطیہ خاتون.....! میں یہ جنگ کسی صورت ہارنا نہیں چاہتا۔"

شہباز کے اندر کہیں یہ احساس ہر وقت چبھتا ہی رہتا کہ انہوں نے لیلیٰ سے خولہ کو جدا کر کے دونوں کے ساتھ زیادتی کی ہے اور وہ گاہے بگاہے اپنی سوچ کا لبادہ اوڑھا کر اس زیادتی کو مناسب قرار دیتے رہتے۔ ان کی بات پر ہمیشہ کی طرح ہلکی سی تلخی آمیز مسکراہٹ عطیہ خاتون کے ہونٹوں کو چھو گئی۔

"رب جانے جیت کا تاج کس کے سر جاتا ہے.....؟" شہباز سے بنیادی اختلاف کی سوچ عطیہ خاتون کی سوچ کے دائرے سے باہر نہ نکلی۔

"یہ خولہ ابھی تک آئی نہیں.....؟ اب تو....." شہباز نے پہلے اپنی کلائی کی گھڑی دیکھی پھر وال کلاک پر نگاہ ڈال کر تشویش زدہ نظروں سے عطیہ خاتون کو دیکھا۔

"صبح جاتے ہوئے وہ آپ کو بتا گئی تھی کہ آج سے وہ حبیب صاحب کی بیٹی غزل کے ساتھ مل کر کمبائن اسٹڈی کرے گی اس لیے واپسی پر گھر آنے کی بجائے غزل کے ساتھ ان کے گھر چلی جائے گی۔"

"اوہ.....! ہاں ہاں.....! یاد آیا۔ چلئے اچھا ہے اس طرح اچھی اسٹڈی ہو جاتی ہے۔ پھر آپ میرا کھانا تو لگوا دیجئے، بڑی بھوک لگ رہی ہے۔"

عطیہ خاتون کی اطلاع پر شہباز کی تشویش اطمینان میں بدلی تو خالی پیٹ نے کھانے کا مطالبہ کر دیا۔

"جی.....! آپ چلئے میں کھانا لگواتی ہوں۔"

• • •

"ممی گڈ مارننگ.....! کیسی لگ رہی ہوں.....؟" بلیک ٹراؤزر، بلیک ہی ٹی شرٹ میں تیز میک اَپ کے ساتھ باہر آئی تو پہلی بار خولہ کو اس خوبصورت نئے رُوپ میں دیکھ کر لڑکیاں چیخ پڑیں۔

"یہ تم ہو خولہ علی.....!" خولہ کے اندر اِک ادا خود بخود آ گئی۔ یہ لباس، یہ روپ اس کی حسرت تھی، تمنا تھی مگر اس کو تو لباس بھی بابا اور عطیہ خاتون کی پسند کا پہننا پڑتا تھا۔ اپنی عمر کی تمام خواہشات جگنو بن کر اس کے اطراف پھرتی رہتیں مگر وہ کوشش کے باوجود کسی جگنو کو مٹھی میں نہ لے پاتی۔ آج پہلی بار اس نے اپنی پسند کی ٹائپ کی تھی۔ نورین، غزل اور مہوش کے ساتھ آج پہلی بار کوئی دل کی خواہش تکمیل کی مسند پر کھڑی ہوئی تو خولہ کو دنیا اور سے اور ہی نظر آنے لگی۔ وہ اتنی حسین، اتنی اسمارٹ ہے آج پہلی بار ہی تو احساس ہوا تھا۔ وہ تو خود حیران تھی۔

خواہش کی، تکمیل کی، خوشی کی کرنوں نے اس کے پورے وجود کا احاطہ کر کے اسے مزید حسن بخش دیا تھا۔ ساری دوستیں ہی تعریف کر رہی تھیں۔

"یار.....! قسم سے واقعی یقین نہیں آ رہا کہ یہ تم ہو.....؟ اتنی اسمارٹ زبردست فیگر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں شکل تو حسین دی تھی مگر تمہارے ان جھولا قسم کے لباس میں اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا تم اتنی اسمارٹ ہو۔"

"آئندہ کپڑے ڈھنگ کے پہننا بالکل بھی اسمارٹ لباس نہیں ہوتے تمہارے۔"

ان لڑکیوں کے وہ حالات نہیں تھے جو خولہ کے تھے۔ ان سب کی باتوں اور تعریف پر وہ ایک حسرت بھرا گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

"یار.....! میں کیا کروں.....؟ میرے گھر کا ماحول ہی ایسا ہے بابا.....! تو تلوار کی طرح لٹکتے ہی رہتے ہیں۔ وہ جو عطیہ خاتون ہیں ناں وہ ان سے بھی بڑھ کر ہیں۔ یہ نہ کرو، وہ نہ کرو، یہاں جانا ہے، ایسی بات کرنا ہے، بے باکی سے عورت کو نہیں ہنسنا چاہیے، دھیمے لہجے میں بات کرنی چاہیے، نظریں جھکا کر بات کرنی چاہیے۔ یار.....! ہزاروں ہدایتیں ہیں۔ معلوم ہے اس روز میں نے چھپ کر اپنی شرٹ ٹائٹ کرنا چاہی تو عطیہ خاتون نے اسی وقت پکڑ کر اُدھیڑ ڈالی کہ عورت کا لباس اتنا ڈھیلا ہونا چاہیے کہ اس کے جسم کی بناوٹ نمایاں نہ ہو حد ہے۔ یار.....! اتنی پابندیاں ہیں کہ کبھی کبھی اس زنداں میں میرا دم گھٹنے لگتا ہے اور دل چاہتا ہے بغاوت کر جاؤں

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

اس ماحول سے۔ یار.....! تم لوگ بھی تو ہو، کتنے نارمل ہو۔"

خولہ کے لہجے میں دُکھ، حسرت اور مایوسی تھی۔ آنکھوں کے کنارے اور لہجے کا ساون برس گیا۔ اسے اپنی تمام دوستوں کو دیکھ کر احساسِ کمتری ہونے لگتا جو نارمل ماحول میں بڑی خوش اور مطمئن تھیں، کوئی ڈر، خوف نہ تھا جہاں جانا چاہتیں، چلی جاتیں۔ ہر طرح کے ہر فیشن کے کپڑے پہنتیں۔ یہ سب اچھے گھروں کی اچھی لڑکیاں تھیں، کوئی پابندی نہیں تھی، ان لوگوں پر گھومتی پھرتیں جو موقع ہوتا اس کے مطابق میک اَپ کرتیں، بال بھی بڑھاتیں، کبھی کٹوا دیتیں، تب ایک دُکھ بھرے احساس محرومی کے سامنے خولہ اپنے اور ان لڑکیوں کے درمیان فرق کو ڈھونڈتی رہ جاتی مگر یہ بات وہ کبھی بھی جان نہ پاتی کہ ان لڑکیوں کے ماں باپ نہ تو لیلیٰ تھے نہ ہی شہباز پھر بھلا وہ ایب نارمل زندگی کیوں گزارتیں۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اس کی ماں اس کے پاس کیوں نہیں ہے۔

کبھی جو مما کے بارے میں پوچھا تو عطیہ خاتون خاموش نظروں سے اپنے سیل بند ہونٹوں کی طرف اشارہ کرتیں جن کا مطلب وہ ہرگز سمجھ نہیں پاتی تھی۔ اپنی ایب نارمل زندگی سے فرار ہی تو اسے ان دوستوں کے قریب لے آیا تھا۔ وہ ان کے ساتھ اپنی عمر کے سارے شوق پورے کرتی جو اس کے شوق اور خواہش کم اور تجسس زیادہ ہوتے جس بات سے بابا اسے منع کرتے۔ اسے اس میں کشش محسوس ہوتی۔ یہ ان ہی پابندیوں اور کڑے پہروں کا نتیجہ تھا کہ وہ ان سے چھپ کر سب کچھ کرتی اگر اس پر اتنی بے جا پابندیاں نہ ہوتیں۔ جائز اور مناسب انداز میں اسے سب کچھ کرنے کی اجازت ہوتی تو آج یہ حالات نہ ہوتے کہ وہ بغیر اجازت کے چھپ کر اپنے شوق پورے کرتی۔

"یار.....! یہ بات تو ہے۔ تم پر کچھ زیادہ ہی پابندیاں ہیں۔ اب دیکھو ناں تمہارے بال کتنے خوبصورت ہیں، سیاہ گھنے اور کرلی۔ اگر تم یہاں سے ایک آدھ لٹ کاٹ لو تو قسم سے غضب ڈھاؤ گی۔ کاٹ لوں میں.....؟"

مہوش جس کے اپنے بال دونوں اطراف سے بڑے اسٹائل میں کٹے تھے، اس کی ایک لٹ پکڑ کر بولی تو ہزار چاہنے کے باوجود خولہ اُچھل پڑی۔

"نہیں یار.....! کیا غضب کرتی ہو۔ بابا تو بابا عطیہ خاتون ہی پوری چیک پوسٹ ہیں۔ جب بھی گھر جاتی ہوں ان کی نظریں کسی سخت گیر تھانیدار کی طرح نظروں ہی نظروں سے مجھے اندر باہر سے کھنگال ڈالتی ہیں۔ وہ تو اس روز تم نے انگریزی ناول دیا تھا نجانے کب انہوں نے میرے بیگ میں دیکھ لیا۔ نکال کر اپنے پاس رکھ لیا اور اپنے دُور کی کسی رائٹر کا ناول لے آئیں کہ یہ پڑھو، اس سے تمہاری اُردو بھی اچھی ہوگی اور اپنے معاشرے، ریت رواج اور ماحول کا پتہ چلے گا۔ بال بابا کو تو نظر نہیں آئیں گے مگر عطیہ خاتون جینا مشکل کر دیں گی۔ رہنے دو۔"

اس نے بے دلی سے بال اس کے ہاتھ سے نکال لیے۔ حالانکہ کتنا دل چاہتا تھا وہ بالکل شولڈر کٹ کرا لے۔ سب دوستوں کا خیال تھا کہ اس کے کرلی بال کٹوا کر بہت خوبصورت لگیں گے مگر ہر خواہش کی طرح یہ خواہش بھی وہ ضبط کی قبر میں اُتار کر رہ گئی تھی۔

"چلیں بھئی.....! دیر ہو رہی ہے۔ مونا نے صرف تمہارے خیال سے اپنی برتھ ڈے دن کے وقت رکھی ہے کہ تم شرکت کر لو۔ اب چلیں.....؟" غزل اپنا بھاری غرارہ سنبھالتی خولہ سے مخاطب تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا تم سب تو شلوار اور غرارے وغیرہ میں ہو ایک میں ہی ٹراؤزر میں ہوں۔" خولہ نے ان سب کو دیکھا کسی نے بھی سوائے اس کے ٹراؤزر اور ٹی شرٹ نہیں پہنی تھی۔

"ارے بھئی.....! اس لیے کہ ہم پر تو کوئی پابندی ہے نہیں، جب دل چاہتا ہے اپنی پسند کا لباس زیب تن کر کے اپنا شوق پورا کر لیتے ہیں۔ تمہیں تو آج پہلی بار اپنا شوق پورا کرنے کا موقع ملا ہے ناں، سوا نجوائے، ویسے خولہ.....! تم اس لباس میں اتنی حسین اور اسمارٹ لگ رہی ہو کہ سوچتی ہوں کاش میں تمہارا بابا ہوتی ناں تو کہتی تم یہی لباس پہنا کرو بیٹا.....!"

مہوش نے آواز بھاری کر کے کہا تو باقی سب ہنس دیں مگر خولہ کو لگا جیسے مہوش اس پر طنز کر رہی ہو جبکہ ایسی بات نہیں تھی۔ اِک زخمی سی مسکراہٹ سایہ بن کر اس کے چہرے پر سے ہو کر گزر گئی۔

"تو چلیں پھر.....؟" غزل نے محسوس کر لیا تھا خولہ کی سنجیدگی کو جس کو حالات نے بہت حساس بنا دیا تھا۔

اس نے اپنا بیگ اُٹھایا، خولہ نے صوفے پر پڑی بڑی سی چادر اُٹھائی اور حسب عادت اپنے اطراف میں لپیٹ لی۔

"چلو.....!" وہ گم سم سی ہو گئی تھی۔ وہ یہ سب کر رہی تھی مگر نجانے کیوں اندر اِک خوف تھا کہ بابا کو پتہ چلے گا تو کیا ہوگا اور ایسی کسی حرکت پر تو عطیہ خاتون بھی ڈھال نہیں بنا کرتی تھیں۔

"واٹ نان سینس.....! اس ڈریس پر یہ تمبو.....؟ اوہ نو.....! بیڑہ غرق کر کے رکھ دیا ساری اسمارٹ نیس کا۔ اُتارو یہ چادر، بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی۔" مہوش نے چادر اُتار کر صوفے پر ڈال دی تو وہ کسمسا کر رہ گئی۔

"نہیں مہوش.....! عادت نہیں ہے مجھے اس کے بغیر باہر نکلنے کی اور پھر یہ لباس تو کچھ مناسب نہیں لگتا کہ میں بغیر چادر کے نکلوں۔" یہ لباس پہن کر بھی اس کے انداز میں بے باکی نہیں، جھجک سی تھی شاید بابا کا خوف تھا۔ عطیہ خاتون کی تربیت تھی یا فطرت ہی میں بے باکی نہیں تھی۔ یہ فیصلہ وہ نہیں کر پائی۔ وہ تینوں ہنسنے لگیں۔

"ارے پینڈو.....! یہ جس ملک میں ہم رہتے ہیں ناں انگلینڈ ہے اور جو لباس تم نے زیب تن کیا ہے یہاں کا لباس ہے۔ پھر باہر نکلنے میں جھجک کیسی.....؟ آج تو تم چادر کے بغیر ایسے ہی جاؤ گی۔ دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے.....؟ اسی طرح تمہاری جھجک اُترے گی ناں۔"

ناسمجھ لڑکیاں یہ نہیں جانتی تھیں کہ جس حیا اور جھجک کو وہ اُتار کر الماری میں رکھ دینا چاہتی ہیں یہی ایک مسلمان عورت کی پہچان ہے، ڈھال ہے، نجات ہے اور پھر ان سب کے اصرار پر وہ چادر اُتار کر گئی گو کہ اِک عجیب سی جھجک اور خوف اس کے ہمراہ رہا مگر سب نے اتنی تعریف کی، اتنا سراہا کہ وہ آہستہ آہستہ مطمئن ہونے لگی اور وہ خوف، جھجک اندر ہی اندر اُترتا چلا گیا اور وہ مطمئن ہو کر پروگرام سے لطف اندوز ہونے لگی۔ صرف خولہ کی وجہ سے دن میں یہ پروگرام رکھا گیا تھا۔ مونا کے گھر کافی مہمان تھے۔ انگریز لڑکیاں بھی جوان کی کلاس فیلو تھیں۔ بزرگوں نے لڑکیوں کو تنہا چھوڑ دیا کہ وہ خوشی کے یہ لمحے انجوائے کر لیں۔ خوب فوٹو گرافی ہو رہی تھی۔ ہلا گلا، میوزک کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ خولہ یوں تنہا کسی پارٹی میں آئی تھی ورنہ تو اس سے پہلے ہر پارٹی میں بابا پہلے خود ساری

UrduPhoto.com

چھان بین کرتے تب بھی عطیہ خاتون کو اس کے ساتھ کر دیتے تو وہ خاک انجوائے کرتی۔ آج وہ خوب دل کھول کر انجوائے کر رہی تھی۔ کتنا اچھا لگ رہا تھا یہ سب۔ کاش وہ بابا اور عطیہ خاتون کی خفگی کے خوف سے آزاد ہوتی۔ یہ خیال ہی اسے بھری محفل میں افسردہ کر گیا۔

"ہے خولہ.....! کم آن.....!" ان سب کی انگریز دوست جینی نے اس کا ہاتھ کھینچا۔ اس نے جھجک کر ہاتھ کھینچ لیا کہ اسے ڈانس نہیں آتا۔ وہ کونے میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھنا چاہتی تھی۔ ٹی وی اس کی بچپن کی شدید خواہش تھی لیکن ٹی وی دیکھنے پر بابا کیوں خفا ہوتے ہیں اتنے کہ زندگی موت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ یہ اس کی سمجھ میں کبھی نہیں آیا تھا۔ وہ ٹی وی دیکھنا چاہتی تھی مگر جینی وغیرہ نے مل کر اسے ڈانس کرنے پر مجبور کیا تو اس نے پہلی بار سب کے سامنے ڈانس کیا اور اتنا اچھا کیا کہ مہوش، غزل، مونا تو حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"ارے واہ خولہ.....! تم تو چھپی رستم نکلیں۔ نہ کبھی ٹی وی دیکھا، نہ اسٹیج، ڈرامہ دیکھا تم نے پھر بھی تمہاری ڈانس پر کیا مہارت ہے۔" اسی طرح سب ہی حیران تھیں۔ وہ بہت خوش ہو رہی تھی۔ یہ پیار کس اس کے لئے معمولی نہیں تھے۔ وہ سرشاری ہو گئی کہ وہ کسی سے کم نہیں۔ اتنی پابندیوں کے باوجود سب کچھ کر سکتی ہے پارٹی تو جانے کب تک جاری رہتی۔ مہوش، غزل اور بینا کو محض خولہ کی وجہ سے جلدی آنا پڑا۔

"سوری.....! میری وجہ سے تم لوگ بھی ڈسٹرب ہوئیں۔" وہ شرمندہ شرمندہ سی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"چلو.....! کوئی بات نہیں۔ ہم تو ایسے پارٹیاں منا ہی لیتے ہیں تم..... ارے.....! شہباز انکل.....!"

"بابا.....! نہیں.....؟" خولہ کی چیخ بلند ہو گئی۔

"توبہ ہے.....! یہ نوجوان جہاں ہم جیسی حسین لڑکیوں کو دیکھ لیتے ہیں بہانے سے آ کر ٹکرا جاتے ہیں۔ بے شرم نہ ہوں تو۔"

عفت بیگم نے لڑکیوں والے انداز میں کہا۔ شہلا سمیت سب ہنس پڑے تو ارمغان شرارت سے سیٹی بجانے لگا۔ شہلا نے اسی انداز میں کہا۔

"جاتے ہو یا بلاؤں میں اپنے بھیا کو.....؟ بھیا.....! یہ کوئی بدمعاش ہم لوگوں کو چھیڑ رہا ہے۔"

شہلا نے خلیل بھائی کو آواز بھی دے لی۔ علیزہ کو یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا مگر اہمیت دینا اس نے مناسب نہ جانا اور اپنی توجہ کتاب پر ظاہر کرتی رہی۔ وردہ البتہ پوری طرح اس کھیل کا حصہ بن گئی۔

"لگتا ہے آج ہماری مما اور مامی کو اپنی جوانی کے دن خوب یاد آ رہے ہیں۔" وردہ نے پیار سے مامی اور مما کو پیار کر لیا۔

"ہونہہ.....! چاپلوس کہیں کی۔" کتاب کی اوٹ سے علیزہ نے وردہ کو گھورا مگر وہ اس کی طرف کب متوجہ تھی۔

"ہائیں.....! جوانی کی یاد.....؟ اے لڑکی.....! ہماری جوانی گئی کہاں ہے جو یاد آئے گی.....؟ ہم تو ابھی تک جوان ہیں۔ ابھی تو ہم جوان ہیں ابھی تو ہم جوان ہیں۔" دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے لہک لہک کر گانے لگیں۔ آج عرصے کے بعد دونوں بھرپور انداز میں خوش اور مطمئن تھیں۔ دونوں گا رہی تھیں کہ ارمغان آ گے

بڑھا اور ڈانس کرنا شروع کر دیا۔

"کچھ شرم کریں ارمغان بھائی.....!"

"اے.....! اے لڑکی.....! کتنی بار بولا ہے مجھے بھائی نہ کہنا۔ نہیں مانے گی ناں تو ابھی تیری زبان پر علیزہ کی انگلی رکھتا ہوں جل کر راکھ نہ ہو گئی زبان تو کہنا۔"

بات کوئی ہو مخاطب اور جگہ کوئی بھی ہو ارمغان کی نظریں علیزہ کا پہرہ دیتی رہتیں۔ اس کی بات پر علیزہ نے نگاہیں کتاب سے ہٹا کر اسے گھورا۔

"ہاں بھئی.....! وردہ بیٹی.....! اس بات پر تو میں ارمغان کی ہم خیال ہوں۔ تم اسے بھائی مت کہا کرو۔" عفت نے معنی خیز انداز میں شہلا کو دیکھا۔ پھر دونوں کے ہونٹوں پر بامعنی مسکراہٹ بکھر گئی۔ جس کا مطلب وہ لوگ قطعی سمجھ نہ پائے۔

"مگر کیوں مامی.....! بچپن سے یہی زبان پر چڑھا ہوا ہے۔"

وردہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے یونہی بولی۔

"ارے بیٹا.....! بچپن کو اب چھوڑو۔ اگر ارمغان اس بات سے چڑتا ہے تو مت کہا کرو بھائی۔ کیوں شہلا.....؟" عفت نے شہلا کو گھسیٹا تو وہ ساڑھی کا پلو درست کرتی علیزہ کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"پتہ نہیں بھابھی جان.....! میں تو ان کے چکروں میں پڑتی نہیں۔"

"اچھا بھئی.....! وقت آنے دو سب راز کھل جائیں گے، سارے جھگڑے نمٹ جائیں گے۔ ارے علیزہ بیٹے.....! تم جب سے آئی ہو باہر ہو، اندر کیوں نہیں آئیں.....؟"

عفت علیزہ کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئیں تو اس نے احتراماً کتاب بند کی اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ ابھی وہ اپنی ناگواریت کو مناسب الفاظ میں لپیٹنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ ارمغان اُچک کر اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

"اجی.....! وہ اندر کیوں آ جاتیں.....؟ جبکہ باہر کا موسم، باہر کے لوگ زیادہ خوبصورت اور دلکش تھے۔ کیوں لڑکی.....! ہے ناں زبردست دلیل.....؟" وہ اس کی طرف جھکا پوچھ رہا تھا۔ علیزہ کی سانس گہری ہو گئی اور نتھنے غصے سے پھول گئے۔ شہلا اور وردہ گھبرا گئیں۔ اب بم پھٹا کہ تب پھٹا۔

"دیوانے کی بڑ کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔" وہ انتہائی رکھائی سے ہونٹ سکیڑ کر نخوت سے بولی۔

"تو نہ دو بڑ کو اہمیت، دیوانے کو تو دو۔ عجیب لڑکی ہو۔ دیکھ یار جودی.....! ہے ناں سر پھری لڑکی.....؟" اس نے جواد کو کہا۔

"بھائی صاحب.....! اگر آپ کو اپنا سر عزیز ہے تو آ جائیے.....!" جواد نے اسے گھسیٹ کر کھڑا کر دیا۔ شہلا نے ایک نظر علیزہ پر ڈالی۔ کتنی عجیب لڑکی تھی، باپ کی طرح نہ خوش تھی نہ رہنے دیتی تھی۔

"اچھا بھئی بچو.....! اب تم لوگوں کا کورم پورا ہو گیا شٹل اور ریکٹ ہیں ڈبل کھیلو۔ چلو پارٹنر میں بنا دیتی ہوں۔ جواد اور علیزہ ہو گئے۔ مانو.....! تم اور وردہ پارٹنر بنو گے۔"

عفت نے ایک تو ان لوگوں کے بگڑے تیور دیکھ کر کھیلنے کا مشورہ دیا، دوسرا ارمغان اور وردہ کو ایک ساتھ

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

دیکھنا چاہتی تھیں۔

"ہرگز نہیں مما.....! آپ نے وردہ کو میرا پارٹنر کیوں بنا دیا.....؟ اوّل درجے کی پھوہڑ لڑکی ہے۔ مجھے اس کی پارٹنر شپ قبول نہیں، ہرا دے گی۔"

ارمغان کو ماں کا فیصلہ قطعی پسند نہ آیا تو اس نے جھٹ علم بغاوت بلند کر ڈالا حالانکہ وردہ کو تو اس کے پارٹنر بننے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ عفت اُٹھیں، وردہ کو ارمغان کے قریب لے آئیں۔

"قبول کرنا پڑے گی بیٹا.....! وردہ تمہاری بہترین پارٹنر ثابت ہوگی کہ اس کی پارٹنر شپ میں تم زندگی کی ہر بازی جیت جاؤ گے، انشاء اللہ.....!" عفت نے دونوں کو ایک ساتھ کھڑا کر کے بڑے جذب سے کہا۔ ان کے چہرے پر خوشی کی کرنیں کیا کہہ رہی ہیں یہ صرف شہلا ہی سمجھ پائیں۔ انہوں نے ذرا تنبیہی نظروں سے عفت کو جذباتی ہونے سے روکا۔ وہ جانتی تھیں عفت کو وردہ کو بہو بنانے کی کتنی خوشی اور تمنا ہے۔

"پھر بھی میں وردہ کو اپنا پارٹنر نہیں بناؤں گا۔ آپ علیزہ کو کیوں نہیں بناتیں میرا پارٹنر.....؟" دل کی شدید خواہش زبان پر آ گئی۔ کھیل کے پارٹنر کی حیثیت سے سہی اس نے اپنی پسند ظاہر کر دی تو علیزہ نے قدرے غصے سے ارمغان کو دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ ارمغان بچپن ہی سے اسے چڑانے والی حرکتیں اور باتیں کیا کرتا تھا۔ اسے یاد تھا وہ جس بات سے چڑ جاتی وہ اس بات کے پیچھے پڑ جایا کرتا اور اسے پیچھا چھڑانے کے لیے کسی نہ کسی انداز میں اس کی بات ماننا پڑتی۔

"قطعی نہیں.....! میں کتاب پڑھ رہی ہوں، کھیلنے کا میرا کوئی موڈ نہیں۔" علیزہ نے صاف انکار کر دیا اور کتاب پر نظریں جما دیں۔ تب ارمغان نے ایک گہری نظر اس لڑکی پر ڈالی اور سینے پر ہاتھ باندھ کر عین اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ اُنگلی سے کتاب کو پیچھے ہٹایا۔

"کھیلنے کا موڈ نہیں یا ہارنے کا خوف ہے.....؟ میری پارٹنر بن جاؤ، سچ ہر بازی جیت جایا کرو گی۔"

وہ آنکھوں میں شوخیاں لیے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ علیزہ کی گہری آنکھوں میں اُترتا جا رہا تھا۔ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے باقی سب تماشائی بنے کبھی ان دونوں کو دیکھتے کبھی ایک دوسرے کو۔

"مجھے خواہ زندگی کی بازی کیوں نہ ہارنی پڑے مگر میں آپ کی پارٹنر ہرگز نہیں بنوں گی۔"

وہ غصے سے کتاب میز پر رکھتی اندر چلی گئی۔ اس کے لہجے کے شعلوں نے خنک فضا کو بھی جھلسا دیا۔ اس کے اندر کی نفرت ایک جملے میں ڈھلی سارے ماحول کو مکدر کر گئی۔ اس کی نفرت کا سارا زہر ارمغان نے انتہائی ضبط کے ساتھ گہرا سانس لے کر اندر اُتار لیا۔ ایک تو اس کی نفرت کی تپش، دوسرا یوں سب کے سامنے ایک عجیب سی توہین کا احساس دُھواں بھر گیا اندر کہیں مگر وہ اپنا آپ کسی پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اندر ہی اندر ہمت جمع کر کے اس نے گہرا سانس لیا اور پھر کمر پر ہاتھ باندھ کر وہ شہلا کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"یار پھپھو.....! کیا چیز ہے یہ آپ کی بیٹی.....؟ قسم سے طرم خان سمجھتی ہے خود کو لیکن آپ دیکھ لیجیے گا ایک نہ ایک دن جیت لوں گا اس کو۔" بولتے بولتے اس کا لہجہ گہرا ہوا پھر جھٹ بات بدلی۔

"دیکھ لیجیے آپ سب.....! اسے ہرا کر ہی دم لوں گا۔ یہ جو خود کو ناقابل شکست سمجھتے ہیں ناں، بڑے کھوکھلے ہوتے ہیں اندر سے، خیر.....!" وہ خود ہی بولے جا رہا تھا۔ عفت آگے بڑھیں۔

"میری جان.....! تم ہر بازی جیتو اسی لیے تو میں نے تمہاری پارٹنر وردہ کو بنانے کا فیصلہ کیا۔"

"ہوں.....! وردہ.....؟" ارمغان اور وردہ اس بات سے قطعی بے خبر تھے کہ بڑوں کے مابین ان دونوں کے بارے میں کیا فیصلہ ہو چکا ہے اور نہ ہی دونوں عفت کی معنی خیز باتوں کا مطلب سمجھتے تھے اسی لیے عفت بیگم کے کہنے پر ارمغان وردہ کو بغور دیکھنے لگا اور اچانک بولا۔

"ہوں.....! ٹھیک ہے.....! چلے گی.....گیم پارٹنر۔"

"ہیں.....؟ سچ.....؟ ارے مبارک ہو.....! مبارک ہو.....!" عفت بیگم خوشی سے یوں جھومیں۔ گویا ارمغان نے شادی کر کے ہاں کر دی ہو۔ شہلا ان کا ہاتھ دبا کر رہ گئیں۔

"بھابھی جان.....! آپ بھی ناں.....؟"

"یار.....! یہ خواتین بھی گئیں کام سے۔ ویسے خواتین آپ دونوں کی عمر کیا ہوگی خیر سے.....؟"

ارمغان کچھ نہ سمجھتے ہوئے دونوں کے قریب آیا تو عفت بیگم اترا کر بولیں۔

"سوئٹ سکسٹین.....!"

"ویسے مامی.....! اس عمر میں سوئٹ خاصی کڑوی ہو جاتی ہے۔" جواد نے شوخی سے کہا تو عفت بیگم اسے گھور کر رہ گئیں۔ شہلا ہنسے جا رہی تھیں اور پھر وہ سب بھی اندر آ گئے۔ عفت بیگم وردہ کو لیے کچن میں چلی گئیں کھانے کے انتظام کے لیے۔ جب ارمغان جواد اور ہنی کے ساتھ ہنسی مذاق کرتا لاؤنج میں آیا تو علیزہ کو بدستور کتاب میں مگن پایا۔ ارمغان نے جواد کو دیکھ کر آنکھ دبائی اور آگے بڑھا۔

"پڑھے لکھے ہوتے اگر تو ہم یہ کتاب پڑھتے۔"

ارمغان اس کے ہاتھ سے کتاب چھین کر گا رہا تھا اور وہ کتاب لینے کے لیے اس کے آگے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ وہ رُک گیا تو اس کے قریب آ کر آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

"مسٹر ارمغان.....! آپ سے کتنی بار کہہ چکی ہوں میرے ساتھ نہیں اُلجھا کریں۔"

علیزہ کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ دانت پیس کر بولی تو وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کے سامنے ہی صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

"کاش.....! کاش میں بھی کوئی کتاب ہوتا، تمہارے ہاتھوں کی قید میں ہوتا، میرے زیر زبر اور نقطوں پر تمہاری نظریں ہوتیں اور....." وہ بڑے گہرے انداز میں کہہ رہا تھا۔ علیزہ نے اسے بری طرح گھورا تو وہ جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ چہرے پر تناؤ آ گیا۔

"یہ.....یہی سوچا ہوگا ناں تم نے کہ میں ایسی کوئی خواہش رکھتا ہوں.....؟ تم لڑکیاں اتنی خوش فہم کیوں ہوتی ہو.....؟ ذرا جو میرے جیسے ہینڈسم بندے نے بات کر لی، دیکھ لیا تو ہواؤں میں قلعے تعمیر کرنے لگیں۔ زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں کہ میں آپ ہی سے کیوں اُلجھتا ہوں.....؟ ارے.....! اتنی چھوٹی سی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر خاردار جھاڑی ہی سے آنچل اُلجھا کرتے ہیں۔"

"ویسے بھائی صاحب.....! آپ جھاڑی ہیں یا آنچل.....؟" جواد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو وہ کھسیانا سا ہو کر کان کھجانے لگا۔

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo @ OneUrdu.com

"تم بتاؤ لڑکی.....! میں کون ہوں.....؟" وہ پھر علیزہ سے اُلجھا ہوا پوچھ رہا تھا۔

"جوکر.....!" علیزہ نے دل کی بھڑاس ایک لفظ میں نکالی اور کمرے سے نکل گئی تو ارمغان اُداسی سے مسکرا دیا۔

"یار.....! تمہاری آپی یہ کیوں نہیں سمجھتی کہ وہ جوکر جو بے شمار لوگوں کو ہنسا رہا ہوتا ہے خود اس کا دل رو رہا ہوتا ہے۔" اور قبل اس کے کہ جواد اس کے اُداس لہجے کی گہرائی تک جاتا وہ تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

• • •

"جب معلوم تھا کہ کالج جانا ہے تو وہاں سے جلدی آنا تھا ناں مگر وہاں سے تو نکلنے کو کسی کا دل ہی نہیں چاہتا۔ میری وارڈ روب کھولو، رات ہی میرا نیا جوڑا سل کر آیا ہے، بلیک ڈاٹس کی شرٹ اور وائٹ شلوار پہن جاؤ اور خبردار جو ذرا بھی خراب ہوئے تو۔" علیزہ نے پہلے تو اسے کھری کھری سنائیں پھر نیا سوٹ آفر کر دیا تو وہ خوشی سے نہال ہو گئی۔

"اوہ تھینکس.....! مائی کیوٹ سسٹر.....!" وردہ علیزہ کو پیار کرتی آگے بڑھی۔ نیا استری شدہ جوڑا اس وقت کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور واش روم میں گھس گئی۔ کالج پہنچی تو زیادہ لیٹ نہیں ہوئی تھی۔ ناجیہ اسے گیٹ کے قریب ہی مل گئی۔ دونوں تیزی سے کوریڈور عبور کر کے اپنی کلاس کی طرف بڑھ رہی تھیں کہ پیچھے سے آواز آئی۔

"ارے.....! بیٹھیے مس لیٹ.....! آج آپ پھر لیٹ آئی ہیں۔ کہیں آپ کا تعلق ٹرینوں کے خاندان سے تو نہیں.....؟"

دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔ غزین آفاق اور اس کا دوست اسد انہی کی طرف آ رہے تھے۔

"میرا تعلق کسی بھی خاندان سے ہو، آپ کو اس سے کیا مطلب.....؟"

وردہ نے انتہائی اعتماد سے غزین کی آنکھوں میں جھانکا جو چیونگم چبائے جا رہا تھا۔

"مس لیٹ.....! آپ لوگوں کو یہ اطلاع دینا ہماری ڈیوٹی ہے کہ دس منٹ بعد آڈیٹوریم میں پرنسپل صاحب فرسٹ ائیر اور سیکنڈ ائیر کو لیکچر دینے والے ہیں۔ لہٰذا فرسٹ اور سیکنڈ ائیر آڈیٹوریم میں جمع ہو جائیے۔"

لہجہ پختہ، انداز سنجیدہ، کالج آتے ہی ملنے والی پہلی اطلاع سچ مانیں یا جھوٹ، دونوں کی سمجھ میں نہیں آیا تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ غزین کی نظریں وردہ کے چہرے پر ٹکی تھیں۔

"دیکھیے آج.....آج تو فرسٹ ائیر کا سیکنڈ ڈے ہے ناں.....؟"

ناجیہ نے ڈرے سہمے انداز میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ کہیں آج بھی تو فول نہیں بنا رہے۔

"جی.....! اسی لیے آپ لوگوں کو سمجھانے کے لیے پرنسپل صاحب نے بلایا تاکہ سمجھا سکیں کہ بہت ہو گئے عیش، اب پڑھائی کے لیے سنجیدہ ہو جاؤ تم لوگ، آگے تم لوگوں کی مرضی.....!"

غزین نے گہری نظر وردہ پر ڈالی جس کے چہرے سے اسے اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ متذبذب تھی۔ وہ لوگ آگے بڑھ گئے تو ناجیہ بضد تھی کہ آڈیٹوریم چلو۔

"ناجیہ.....! یہ لڑکے بہت کائیاں ہیں۔ آؤ پہلے اپنی کلاس میں دیکھتے ہیں۔ اگر سب گئے ہیں تب ہی ہم

لوگ بھی جائیں گے ورنہ پھر فول بن جائیں گے۔" وردہ کی چھٹی حس روک رہی تھی۔

"نہیں وردہ.....! اب دوسرے دن فول کون بناتا ہے.....؟ جو کچھ ہوتا ہے پہلے دن ہی ہوتا ہے۔ ابھی اب کی بات اُدھوری تھی کہ دو لڑکے بڑی تیزی سے بھاگتے ان کے قریب سے گزرے۔

"دیکھا.....! سب لوگ جا رہے ہیں۔ چلو.....! ایسا نہ ہو ڈانٹ کھانی پڑے.....؟"

"چلو.....!" گہری سانس لے کر وردہ نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔ دونوں تیز تیز قدم اُٹھاتی بڑے سے آڈیٹوریم پہنچیں تو بڑا سا آڈیٹوریم ہال بھاں بھاں کر رہا تھا۔ سامنے ہی بڑا بڑا سا لکھا تھا۔

"ویلکم فولز.....!" ناجیہ بری طرح شرمندہ ہو گئی۔ وردہ کی حالت اس وقت غصے سے بری ہو رہی تھی۔ اس وقت اگر غزین سامنے ہوتا تو وہ کسی بھی بات کا خیال کیے بغیر اس کا سر توڑ دیتی۔

"آئی ایم سوری وردہ.....!" ناجیہ بہت گلٹی فیل کر رہی تھی۔

"شٹ اَپ.....! مجھے ڈر ہے تم اپنی ان حماقتوں کی وجہ سے کوئی نقصان نہ اُٹھا بیٹھو۔ اس غزین کو تو میں نہیں چھوڑوں گی۔ کم آن.....!"

وردہ نے ناجیہ کو بہت بری طرح ڈانٹ دیا حالانکہ دیکھا جاتا تو اس کا قصور نہیں تھا۔ ایسا ہو بھی تو سکتا تھا کہ آج یہاں لیکچر ہوتا۔ دونوں واپسی کے لیے مڑیں تو باہر جانے کے دروازے کی کنڈی جیسے بند کر دی گئی ہو۔

"کک.....کک کون ہے.....؟" دونوں کی چیخ گونج گئی۔

• • •

"بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ اب ہم واپس جائیں گے۔ بدنام کر کے رکھ دیا ہے مجھے اس لڑکے نے۔ لوگ ہنستے ہیں مجھ پر اس کی وجہ سے۔"

واصف نے آمنہ کی اوٹ میں چھپے شرجیل کو دھکا دے کر ماں سے دُور کر دیا۔ وہ وہیں دیوار کے ساتھ لگ کر گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگا۔

"دیکھا تم نے اس کی حرکتوں کو.....؟ کیسے لڑکیوں کی طرح روتا ہے۔ نہیں ہوتا مجھ سے یہ سب برداشت۔"

واصف نے اپنے بال نوچ ڈالے اور اندرونی خلفشار کی وجہ سے بہت اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ زندگی کی طرف جاتا کوئی راستہ اسے نظر نہیں آتا تھا۔

"نہیں ہوتا یہ سب برداشت تو واصف بھائی.....! وہ برداشت کر لیتا تھا جس کو برداشت کر کے آپ نہ صرف اعلیٰ ظرفی کے کسی بلند عہدے پر فائز ہو جاتے بلکہ آج یہ خوبرو نوجوان مرد ہوتے ہوئے بھی لڑکی نہ کہلاتا۔ اب تو آپ کو اس بات کا اندازہ بہت اچھی طرح ہو جانا چاہیے کہ اس حقیقت کو برداشت کرنا آسان تھا یا اس کو۔"

عارف نے آگے بڑھ کر شرجیل کو کھڑا کیا تو وہ اس کے ساتھ لگ کر بچوں کی طرح رونے لگا۔ ایک طرف کھڑی ماہم کے اندر جیسے طوفان اُٹھ رہے تھے۔ کتنی ذلت اور توہین کا مقام تھا کہ گھر بھر جمع تھا اور صرف وہ لوگ تماشا بنے ہوئے تھے۔ آمنہ گود میں ہاتھ رکھے بت کی طرح چپ بیٹھی تھیں۔ بے شمار خاموشی سے بہنے والے آنسوؤں نے ہاتھوں کے کشکول کو بھر دیا تھا۔ واصف کسی بپھرے شیر کی طرح چاروں طرف ٹہل رہے تھے۔ رات

Scanned & Posted by Sanyoo @ OneUrdu.com
UrduPhoto.com

جب وہ اپنے پرانے دوستوں سے ملنے گئے تو شرجیل کو بھی لے گئے تو شرجیل جوان کی سنگت میں ویسے ہی اُدھ موا سا رہتا تھا، اس تنہا ساتھ میں اتنا پریشان ہوا کہ ایک ساتھ کئی کئی غلطیاں اس سے ہو گئیں۔ تب دوستوں نے واصف کو بہت باتیں سنائیں اور پوچھا کہ شرجیل پیدائشی ایسا ہے یا بعد میں ایسا ہو گیا ہے۔ اس کے دوست کے بہنوئی جو کہ خود سائیکاٹسٹ تھے، انہوں نے بڑے حتمی انداز میں شرجیل کے بارے میں جو رائے دی تھی وہ سو فیصد درست تھی اور پھر اس کے دوستوں نے اپنے اپنے بیٹوں کی کامیابیوں کے بارے میں بتایا۔ کسی کا بیٹا آرمی میں تھا، کسی کا پائلٹ تھا اور خود ان کا بیٹا ایک نفسیاتی مریض۔ اب وہ کیا بتاتے کہ شرجیل کو نفسیاتی مریض بنانے والے خود ہیں۔ مگر اب سارا الزام وہ آمنہ اور شرجیل کے سر رکھ کر اپنا فیصلہ سنا رہے تھے کہ وہ لوگ واپس جائیں گے اور گھر میں دو گروپ بن چکے تھے۔ ایک گروپ چاہتا تھا یہ لوگ واقعی واپس چلے جائیں جن میں بڑی بھابیاں اور خود عارف کی بیگم رفعت بھی یہی چاہتی تھیں کہ وہ لوگ چلے جائیں کیونکہ جب سے وہ لوگ آئے تھے عارف کی ساری توجہ ان کی طرف تھی۔ تنہائی میں بھائی کی زندگی اور بچوں پر کڑھتے رہتے اور اس وقت بھی وہی ان کو روک رہے تھے جبکہ واصف اڑے ہوئے تھے اپنے فیصلے پر۔ آمنہ ماہم اور شرجیل تو مجرموں کی طرح چپ چاپ کٹہرے میں کھڑے بس فیصلہ سننے اور ماننے کی سی کیفیت میں تھے۔

"کوئی اب میرے فیصلے کے خلاف نہیں بولے گا۔ میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے۔ سب لوگ تیاریاں شروع کریں۔ اُمید ہے آپ کو اعتراض نہیں ہوگا.....؟"

سخت لہجے کی بجلیاں گراتے واصف آمنہ کے نزدیک آئے تو انہوں نے بھیگی پلکیں اُوپر اُٹھائیں۔ کیا کچھ نہیں تھا ان آنکھوں میں۔ شرمندگی، پچھتاوا، یاس، التجا کہ وہ ان پیاروں کے ساتھ رہنا چاہتی ہیں جنہوں نے ان کے زخموں پر اپنی محبت اور ہمدردی کے پھائے رکھے تھے۔ وہ زنداں میں رہ رہ کر تنگ آ گئی تھیں۔ اندر سے کوئی بغاوت پر اُکسا رہا تھا۔ وہ اب تھک چکی تھیں۔ ضبط کے بند کسی وقت، کسی موڑ پر بھی ٹوٹ سکتے تھے۔ وہ بڑی مشکل سے محض واصف کی بیماری کی وجہ سے سب کچھ اپنی جان پر برداشت کر رہی تھیں اور اسی برداشت کے تقاضے نے آمنہ کا سر اثبات میں جھکا دیا۔

"جی.....! جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی ہوگا۔ آپ جانے کے انتظامات کر لیجئے میں تیاری کر لیتی ہوں۔"

آمنہ نے بڑی فرمانبرداری سے ہتھیار ڈال دیئے۔ شرجیل عارف کے ساتھ لگا کانپ رہا تھا۔ وہ اپنے باپ کے تیور دیکھ رہا تھا اور باپ کا غصہ، نفرت اس کی رگ رگ میں خوف بھر گئی تھی۔ اسے باپ کسی بدصورت ظالم، جلاد کی طرح لگتا جس کی قید میں وہ تھے۔ وہ بہت کوشش کرتا کہ اپنی ماں بہن کو اس جن کی قید سے رہا کرا دے مگر وہ ہار جاتا۔ اس کی بغاوت عیاں ہو جاتی اور پھر اسے کوڑے مارے جاتے اور زنداں میں ڈال دیا جاتا زنجیریں ڈال کر۔ یہ وہ خواہش اور خواب تھا جو بچپن سے دیکھ رہا تھا۔ اپنا فیصلہ سنا کر واصف اور آمنہ نکلنے لگے۔

"مما.....! پاپا.....! ایک فیصلہ میرا بھی سنتے جایئے.....! میں اور بھائی آپ کے ساتھ نہیں جا رہے۔"

ماہم کی آواز ہال میں موجود سب گھر والوں کی سماعتوں میں گونجی۔ واصف خونی انداز میں پلٹے۔

◆ ◆ ◆

ماہم کے لہجے میں جو احتجاج تھا جو قطعیت تھی اس سے یہ یقین پختہ ہو گیا تھا کہ یہ صرف کھوکھلے الفاظ ہی نہیں یہ فیصلہ ہے اور واصف اور آمنہ اس فیصلے کو ماننے کے پابند ہیں۔ تیز لہجے میں گونجتے الفاظ نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ سب ایک دوسرے کو دیکھنے کے بعد اس کو دیکھنے لگے۔ آمنہ نے تیزی سے دھڑکتے دل کو یوں تھاما کہ یہ نہ تھاما تو ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ شرجیل کی گرفت عارف پر مضبوط ہو گئی جبکہ واصف کا انداز بے حد خطرناک تھا۔ کیونکہ آج تک انہوں نے فیصلہ سنایا تھا جو کسی نہ کسی کر، ان کی سماعتیں فیصلہ سننے کی اذیت سے بے بہرہ تھیں۔ مگر آج یوں انہی کی بیٹی حتمی انداز میں اپنا فیصلہ سنا رہی تھی۔

"کیا.....؟ کیا کہا تم نے.....؟" واصف خونخوار انداز میں ماہم پر جھپٹے۔ آمنہ نے بمشکل منہ پر ہاتھ رکھ کر چیخ کو روکا۔ شرجیل کی گرفت عارف پر مضبوط ہو گئی جو اس کے اندر کے خوف اور عدم تحفظ کے احساس کا اعلان کر رہی تھی۔ واصف کی سانس پھولنے لگی تھی۔ شدت ضبط اور غم و غصے سے واصف کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ سب ہی اس صورت حال سے لرزاں تھے مگر ماہم کے سپاٹ چہرے سے یہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ نہ تو باپ کے غصے سے متاثر ہو رہی ہے اور نہ ہی اس کی بگڑتی حالت سے۔ تب ہی تو اس نے ایک گہرا سانس لے کر کمرے میں موجود لوگوں کو دیکھا جن کے بارے میں وہ جانتی تھی کہ کچھ تو ان کے واقعی ہمدرد تھے اور کچھ محض تماشائی جو ان کی کم فہمی کو مذاق کا نشانہ بناتے ہنستے تھے لیکن اب اس نے ان سب کے ساتھ باپ سے بھی لڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"جی.....! میں نے وہی کہا جو آپ نے سنا پاپا.....! کہ میں اور بھائی آپ کے ساتھ نہیں جا رہے اور یوں بھی کیا فرق پڑتا ہے آپ کو.....؟ ہم ہوں نہ ہوں۔"

سپاٹ لہجہ ایک دم ہی بھیگ گیا۔ گولہ حلق میں اٹکا اور کنارے آنکھوں کے تر ہو گئے مگر واصف کی رگیں غصے سے پھٹنے لگیں۔

"ماہم.....! میں تمہیں مار ڈالوں گا۔"

"پاگل ہو گئے ہو واصف.....! جوان بیٹیوں پر بھی کوئی ہاتھ اُٹھاتا ہے۔"

Scanned & Posted by Sanyoo @ OneUrdu.com
UrduPhoto.com

بڑے بھیا نے آگے بڑھ کر واصف کا اُٹھا ہوا ہاتھ روکا اور واصف کو صوفے پر بٹھایا جن کی سانسیں اب تیز تر ہونے لگی تھیں۔

"ہاں.....! تو.....تو جوان بیٹیاں بھی کبھی یوں باپوں کے سامنے چٹان بن کر کھڑی ہوتی ہیں جیسے.....جیسے یہ.....یہ سب آمنہ کی تربیت ہے ورنہ کوئی بیٹی اپنے باپ کے سامنے یوں کھڑی نہیں ہوتی کبھی۔"

"جی ہاں.....! ان باپوں کی بیٹیاں جن کو ان کے باپ بھرپور توجہ، محبت اور بہترین تعلیم و تربیت دیتے ہیں۔ ہمیں آپ نے کیا دیا پپا.....! زندہ ہوتے ہوئے بھی یتیمی کا احساس، عدم اعتماد کا زہر ہماری لوگوں میں انجیکٹ کیا، اپنی پدرانہ شفقت سے دوری کی آگ میں جھلسایا ہمارے صحیح کو بھی غلط قرار دے کر ہمیں سزا دیں۔ کیا.....کیا سب کے باپ ایسے ہی کرتے ہیں جیسا آپ نے کیا.....؟ پپا.....! بتائیے.....! چاچو آپ نے یا کسی اور باپ نے بھی اپنی اولاد کو احساس محرومی کی دلدل میں یوں دھکیلا ہے جیسا کہ ہمارے نے.....؟ کیا دیا ہے انہوں نے ہمیں.....؟ یہ پاگل پن لوگوں کی تمسخرانہ ہنسی یا رحم کھاتی نظریں۔ اگر اب بھی سب دینا ہے تو ہمیں یہ سب مل چکا ہے آئندہ زندگی گزارنے کے لیے ان کی عنایات کا یہ خزانہ بہت ہے ہمارے لیے بہت کافی ہے اب ہمیں ان کے ساتھ نہیں رہنا۔"

ماہم کے اندر اِک آتش فشاں تھا جو بچپن سے اُبل رہا تھا، آج پھٹ پڑا، آج اندر کی محرومیاں ٹوٹ ٹوٹ کر اشکوں کے دریا میں گرتی رہیں اور دامن تر کرتی رہیں۔

"ہونہہ.....! ڈرامہ۔" کچھ لوگ ان کے دکھوں پر تمسخرانہ نظر ڈالتے باہر نکل گئے اور کچھ لوگوں کے دل کے تار ٹوٹ گئے تھے اس دلگیر صدا سے۔ ان میں بڑے بھی سب سے پہلے تڑپ کر آگے بڑھے اور ماہم کو سینے سے لگا لیا۔

"ہاں بیٹا.....! بالکل.....! تم لوگوں کا یہ اپنا گھر ہے۔ یہاں رہو۔ بس اب چپ ہو جاؤ اس طرح نہیں روتے بیٹا.....! اور والدین کے سامنے.....اچھا خیر.....تم جاؤ اب ذرا آرام کرو۔ ثناء بیٹا.....! بہن کو لے جاؤ۔"

بڑے بھیا اِک عرصے سے یہ سب محسوس کر رہے تھے کہ واصف نارمل نہیں رہے مگر کیوں اس کے متعلق تو انہوں نے سنجیدگی سے سوچا تھا نہ ہی شاید ضرورت سمجھی تھی مگر آج ماہم نے سوچ اور کھوج دونوں کے در کھول دیئے تو انہوں نے ماہم کو ثناء وغیرہ کے ساتھ دوسرے کمرے میں بھیجا اور باقی سب کو بھی ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں تم سب بھی جاؤ۔ آہستہ آہستہ سب نکل گئے۔ شرجیل اب بھی عارف کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ بڑے بھیا اس کی طرف بڑھے، اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ اُچھل پڑا۔

"شرجیل بیٹا.....!"

"جی.....جج.....جی.....! وہ.....وہ بڑے ابو میں.....میں نے کچھ نہیں کیا وہ ماہم خود ہی رو رہی ہے گندی بچی ہے، میں نے تو کچھ نہیں کہا، کچھ بھی نہیں۔ چاچو.....! مجھے چھپا لیں، مجھے ماریں مت۔ پپا کو معلوم ہو گیا تو.....تو دیوار کے ساتھ ماریں گے میرا سر۔ اُف میرا سر بہت دُکھ رہا ہے۔ چاچو.....! دیکھئے تو خون نکل رہا ہے میں.....میں سوری بڑے ابو.....! میں سب سے معافی مانگ لوں گا۔ پپا کہتے ہیں میں.....میں بہت برا

بہت گندہ ہوں۔"

شرجیل بری طرح رو رہا تھا۔ آمنہ کی گھٹی گھٹی سسکیاں چیخوں میں بدل گئیں۔ شرجیل کی حالت دیکھ کر بڑے بھیا اور عارف بھی ضبط نہ کر سکے اسے ساتھ لگا کر سسک پڑے۔

"یہ.....یہ کمائی کی ہے تم دونوں نے گھر سے، ملک سے دور رہ کر.....؟ یہ ہے تم دونوں کی لو میرج کا ثبوت.....؟ شکستہ اور ایب نارمل بچے.....؟ آمنہ.....! واصف.....! جواب دو میری بات کا۔ یہ سب کیا ہے.....؟" بڑے بھیا نے شرجیل کو ساتھ لگا کر واصف کو دیکھا جس کی اپنی حالت غیر ہو رہی تھی۔ ان کے سوال پر آمنہ کی روح کانپ اُٹھی اگر واصف نے غصے میں ان کا چہرہ بے نقاب کر دیا۔ اس کے ماضی پر سے پردہ ہٹا دیا تو وہ کسی کو کیا منہ دکھائیں گی۔ آمنہ نے ملتجی نظروں سے عارف کو دیکھا۔ وہ ان کی نظروں کا مطلب اچھی طرح سمجھ گئے تھے اور چونکہ وہ آمنہ کو قصوروار نہیں سمجھتے تھے اس لیے ان کی عزت کی چادر کو بے داغ دیکھنا چاہتے تھے یوں بھی کسی کو چاہنا، پسند کرنا گناہ تو نہیں تھا کہ جس کی سزا آمنہ نے بھگتی تھی اور نجانے کب تک بھگتنی پڑتی۔

"بھائی جان.....! ابھی آپ صرف شرجیل کو سنبھالیے۔ بھائی کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے۔ میں ان کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔ آئیں بھابھی.....!"

عارف نے واصف کو سہارا دیا جن کی سانس بری طرح پھولی ہوئی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتے تھے مگر عارف نے آمنہ کو بڑے بھیا کی عدالت میں کھڑا ہونے سے قبل ہی رہائی دلوا دی تو وہ اسے ممنون نظروں سے دیکھتی واصف کا بازو پکڑ کر آگے بڑھنے لگی۔ بڑے بھیا کچھ سمجھے اور کچھ نہیں تاہم وہ شرجیل کو بہلانے لگے۔

"بیٹا.....! آپ تو سب سے زیادہ اچھے لڑکے ہو، بہت اچھے بیٹے ہو۔" بڑے بھیا نے اس خوبرو سے نوجوان کو دیکھا جس کی مردانگی، جس کا اعتماد باپ کے ظلم و ستم کی چکی میں پس کر مٹ چکا تھا کہ وہ اپنی مردانگی پر مشکوک تھا۔

"کیا.....؟ کیا کہا آپ نے بڑے ابو.....! بیٹا.....لڑکا.....نہیں.....! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے.....میں.....میں تو لڑکی ہوں.....بیٹی ہوں۔"

دُکھ، محرومی کی اندھیری رات میں کھڑا ہوا شرجیل کپکپاتے لہجے میں بول رہا تھا۔ اس کے لہجے کی محرومیاں ظاہر کر رہی تھیں حالات نے اسے کیا بنا دیا ہے۔ بڑے ابو کا دل کٹ گیا۔

"نہیں بیٹا.....! تم نوجوان مرد ہو، لڑکے ہو، بیٹے ہو ہمارے۔" بڑے ابو نے اسے ساتھ لگا کر پیار کر لیا تو وہ خوفزدہ نظروں سے بے یقینی سے ان کو دیکھنے لگا جیسے انہوں نے انہونی بات کہہ دی ہو۔

بڑے بھیا جو زیادہ تر زمینوں پر رہتے، گھر کے معاملات اور بچوں کے معاملات سے دُور ہی رہتے تھے۔ آج پہلی بار ان کو شرجیل کی حالت کے بارے میں علم ہوا تو وہ تڑپ اُٹھے۔

اسے یوں ایب نارمل حالت میں دیکھ کر ان کا دل تڑپ اُٹھا تھا اور اس کی اس دیوانگی کے پیچھے کیا کہانی ہے وہ قطعی لاعلم تھے۔ وہ بغور شرجیل کو دیکھتے رہے۔ یہ نوجوان ان کے گھر کے تمام لڑکوں سے زیادہ خوبرو اور ہینڈسم تھا مگر دماغی طور پر سب سے پیچھے تھا۔ دُکھ کی گہری شام کی اُداسی لیے انہوں نے شرجیل کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com
UrduPhoto.com

"میں تمہارا تایا ابو ہوں بیٹا.....! تمہارے پپا کا بڑا بھائی۔"

"اچھا.....! تو کیا پپا آپ کو بھی مارا کرتے تھے.....؟ آپ کا سر بھی دیوار کے ساتھ..... نہیں..... میں..... میں آپ کو کچھ نہیں بتاؤں گا ورنہ..... ورنہ میرے پپا کو بہت غصہ آتا ہے۔ وہ پنکھے کے ساتھ الٹا لٹکا دیا کرتے ہیں اور تایا ابو.....! جب دیوار سے سر مارتے ہیں ناں تو..... تو بہت درد ہوتا ہے، خون بھی نکلتا ہے۔ مما چپ چاپ کھڑی رہتی ہیں، ماہم چیختی ہے پھر مما اور ماہم روتے ہیں لیکن میں بہت بہادر ہوں انکل نہیں..... بڑے ابو.....! نہیں.....! آپ نے بتایا آپ تایا ابو ہیں..... ہاں.....! میں تو بالکل بھی نہیں روتا تایا ابو.....! بالکل بھی نہیں روتا۔ ماہم کہتی ہے بھائی لڑکیوں کی طرح مت رویا کرو میں..... میں کب روتا ہوں.....؟ ماہم تو یونہی کہتی ہے۔ میں تو بالکل نہیں روتا۔"

اس کا ایک ایک لفظ انہیں کاٹ رہا تھا۔ ٹوٹتے لہجے میں گونجتی ہچکیاں چیخوں میں بدل گئیں۔ وہ بالکل لڑکیوں کی طرح تایا ابو کے قدموں میں بیٹھ کر گھٹنوں میں سر دے کر شدتوں سے رونے لگا تو فیاض صاحب کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

"واصف.....! یہ..... یہ کیا کر دیا ہے تم نے.....؟ شہزادوں جیسے بیٹے کو کیا بنا دیا ہے تم نے.....؟"

"شرجیل.....! اٹھو میرا بیٹا.....! میرے ساتھ چلو.....!"

"نہیں نہیں.....! میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ آپ..... آپ پپا سے شکایت کریں گے۔" وہ ان کے بازوؤں سے نکل گیا۔

"نہیں بیٹا.....! میری جان.....! میں تمہیں پپا کے پاس نہیں لے جا رہا نہ ہی شکایت کروں گا اور ہاں اب پٹائی تمہاری نہیں تمہارے پپا کی ہوگی۔"

"نہیں تایا ابو.....! نہیں انکل.....! پلیز آپ..... آپ پپا کی پٹائی مت کیجیے گا وہ..... وہ روئیں گے۔"

خوف کے گہرے سائے میں موت کی سی زردی لیے شرجیل بری طرح کانپ رہا تھا اور اس کی یہ کیفیت فیاض صاحب کو سوچ کے گھنے جنگل کی طرف دھکیل رہی تھی۔

"یہ..... یہ تم نے کیا کر دیا ہے واصف.....! آمنہ بچوں کو کہ..... او کے بیٹا.....! ہم آپ کے پپا کو بھی کچھ نہیں کہیں گے۔ اب چلو ہمارے ساتھ باہر چل کر بیٹھو لان میں، سب لڑکے ہنسی مذاق کر رہے ہیں، تم بھی جا کر کھیلو۔"

شرجیل کی حالت کا کرب لیے فیاض صاحب نے آگے بڑھ کر لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے پردے کھسکا کر اسے باہر کا منظر دکھایا جہاں گھر کے تمام لڑکے انجوائے کر رہے تھے، ہنسی مذاق کے ساتھ کھیل بھی رہے تھے مگر شرجیل کی خوفزدہ نظریں محوبی پر ہی جا ٹھہریں جو سب سے زیادہ روڈ اور بدتمیز تھا، کسی کا لحاظ نہیں رکھتا تھا، صوبی کا ایسا خوف چھا گیا تھا شرجیل پر کہ اسے دیکھتے ہی خوف جھرجھری بن کر سارے بدن میں لرزاں پیدا کر دیتا۔

"شرجیل بیٹا.....! چلو تم بھی سب لڑکوں کے ساتھ بیٹھو، کھیلو، کودو۔" فیاض صاحب نے شرجیل کو پکڑ کر دروازے کی طرف دھکیلا تو وہ خوفزدہ ہو کر تیزی سے پلٹ آیا۔

"نن..... نن نہیں تایا ابو.....! میں ان کے ساتھ بھلا کس طرح کھیل سکتا ہوں.....؟"

شرجیل نے خوف سے بری طرح کانپتے دل کے ساتھ کہا اور خوفزدہ نظروں سے باہر سے نظر آتے موبی کو دیکھا جو ثاقب کی بات پر قہقہہ لگا رہا تھا، سب ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس رہے تھے۔ اس نے خوف سے آنکھیں بھینچ لیں۔

"ہاں.....! لڑکے ہیں تو کیا ہوا.....؟ تم بھی تو لڑکے ہو۔" فیاض صاحب اسے اس کے خوف کی دلدل سے باہر لانا چاہتے تھے۔ مگر اس نے اُلجھ کر ہاتھ چھڑا لیا۔ چہرے پر دُکھ، یاس اور محرومی کے گمبھیر سائے اُتر آئے کر شفاف چہرہ دُھندلانے لگا۔

"یہ..... یہی تو مسئلہ ہے بڑے ابو.....! کہ..... کہ یہ فیصلہ ہی نہیں ہو پاتا کہ میں لڑکا ہوں کہ لڑکی ہوں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں میں لڑکا ہوں، کچھ کہتے ہیں میں لڑکی ہوں اور موبی اور اس کے دوست تو مجھے شرجیل نہیں شرمیلہ کہتے ہیں۔ تب..... تب تایا ابو.....! میں میں سوچ میں پڑ جاتا ہوں کہ شاید درست ہے لیکن غلط تو آپ لوگ بھی نہیں کہتے پھر یہ..... یہ فیصلہ کون کرے کہ میں لڑکا ہوں کہ لڑکی.....؟"

وہ ویران چہرے اور ویران آنکھوں کے ساتھ اپنے بارے ہی میں بے یقینی کا شکار تھا اور اس کی بے یقینی نے اس کی حالت نے فیاض صاحب کو تڑپا کر رکھ دیا۔

"بس کرو بیٹے.....! بس کرو.....! بس یہ یقین کرو کہ اللہ نے تمہیں مرد بنایا ہے۔ تم..... تم آؤ میرے ساتھ۔"

شدت ضبط سے وہ اپنی بات بھی مکمل نہ کر سکے اور اسے پکڑ کر باہر لے آئے۔

انہوں نے سب لڑکوں کو سرزنش کرتی نظروں سے دیکھا جو اپنی اپنی ایکٹویٹی چھوڑ کر ان کو اور شرجیل کو دیکھنے لگے جو خوفزدہ کھڑا تھا، دل سینے کی دیوار توڑ دینا چاہتا تھا، ہاتھوں اور ماتھے پر نمی اُتر آئی تھی۔ تایا ابو اسے تنہا ان سب کے بیچ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ یہ خیال پورے بدن پر لرزا طاری کر رہا تھا۔ اس نے بڑی ہمت کر کے سب پر ایک لرزتی، خوفزدہ نگاہ ڈالی۔ ثاقب تیمور وغیرہ کی نظروں میں پیار، دوستی جھلک رہی تھی جبکہ موبی غفران وغیرہ اسے گھور رہے تھے اور اسے انہی تین لڑکوں سے خوف آتا تھا۔

"ثاقب بیٹا.....! یہ بھی تم میں سے ہے، اسے ساتھ رکھا کرو، خود تم لوگ اکٹھے ہو کر زندگی انجوائے کرتے رہتے ہو اور یہ....."

اور قریب تھا کہ تایا ابو ان کو مزید کچھ کہتے، ان کے موبائل کی بیل نے ان کو میدان سے جانے پر مجبور کر دیا تو شرجیل کی سانس کچھ دیر کے لیے رُکنے لگی۔

"اب کیا کروں.....؟ کیا ہوگا.....؟ یہ..... یہ موبی....." اس کے حلق میں گھبراہٹ اور خوف کے کانٹے چبھنے لگے۔ ثاقب اور تیمور نے اس کی حالت محسوس کرتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تو رُکا ہوا سانس تحفظ کے احساس کی آکسیجن پر بحال ہو گیا۔ ان دونوں کی اوٹ میں اس نے لڑکیوں کی چال میں قدم اُٹھائے ہی تھے کہ موبی چیخا۔

"دھیرے سے گڑیا.....! کہیں نازک پاؤں میں موچ نہ آ جائے۔"

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo

"شٹ اَپ موبی.....! آؤ شرجیل.....! چلو میں اور تم کھیلتے ہیں۔" ثاقب نے موبی کو ڈانٹا اور شرجیل کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا تو غفران بدتمیزی سے آگے آ گیا۔

"کیا کھیلے گی ہماری بے بی.....! ہاں.....! یہاں تو لڑکوں کا کھیل ہو رہا ہے۔ کیوٹ بے بی..... اچھی تو گھر گھر کھیلنا چاہیے جو لڑکیاں کھیلا کرتی ہیں۔" اور خوف کی آندھیوں میں لرزتا ہوا یہ بے جان سا یقین کہ وہ لڑکا ہے، ایک دم ہی کسی گہری کھائی میں جا کر اس کے قدموں میں اور نزاکت آ گئی، ہاتھوں کی نمی ماتھے پہ قطرہ قطرہ کر چمکنے لگی۔

"موبی.....! کچھ خیال نہیں تم لوگوں کو۔ ارے.....! ایسے لوگوں کا تو غیر لوگ بھی بہت خیال رکھتے ہیں اور تم لوگ اپنا خون ہو کر اس کی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، شرم آنی چاہیے، ہمیں مل کر اسے اس بے یقینی سے باہر نکالنا چاہیے، اعتماد دینا چاہیے۔"

تیمور کو شدید غصہ آ گیا۔ اس نے شرجیل کو کھڑا کیا پھر موبی کی طرف پلٹا جس نے انتہائی بدتمیزی سے بل بنا کر عین شرجیل کے کان میں پھوڑا کہ وہ خوف سے اُچھل پڑا۔

موبی اور غفران ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگانے لگے۔

"دیکھ لیا ناں.....! ارے تیمور.....! میں تو کہتا ہوں کہ اپنی شرجیلہ کا چیک اَپ ضروری ہے۔"

"ہاں.....! چیک اَپ بہت ضروری ہے مگر شرجیلہ کا نہیں منیب عرف موبی اور غفران عرف غفی کا۔"

ماہم جس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے بھائی کو دیکھ لیا تھا، اسے آواز تو سنائی نہیں دے رہی تھی مگر شرجیل کے تاثرات اور ان کے قہقہوں سے اندازہ ہو گیا کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ اس کے معصوم بھائی کو تنگ کیا جا رہا ہے۔ وہ تیزی سے جب باہر آئی تو موبی کا چیک اَپ والا جملہ اس کے تن بدن میں آگ لگا گیا۔ اس کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور موبی کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا۔ یوں سب کے سامنے ایک نازک سی لڑکی نے اس کا چہرہ سرخ کر دیا تو وہ تلملا اُٹھا۔ غصے سے اس کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو گئیں، دل میں ان لوگوں کے خلاف نفرت مزید بڑھ گئی۔

"تم..... تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھ پر ہاتھ اُٹھانے کی.....؟"

اس کی آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے۔ سب لوگ ہکا بکا رہ گئے۔ اس صورت حال پر ماہم نے آگے بڑھ کر شرجیل کو پکڑا۔ وہ اس کے ساتھ لگ کر شدتوں سے رونے لگا۔

"یہ ہاتھ تم پر تب تب اُٹھے گا منیب عارف.....! جب جب تمہاری اُنگلی میرے معصوم بھائی کی جانب اُٹھے گی، جب جب تمہارے لفظوں کے تیر میرے بھائی کو زخمی کریں گے۔ یہ لاوارث نہیں ہے، ماں باپ ڈھال نہ بنیں نہ سہی، میں ہوں اپنے بھائی کی ڈھال میں اپنے بھائی کی طرف بڑھنے والا ہاتھ کاٹ سکتی ہوں اور....."

"شٹ اَپ.....! اگر اپنا پاگل بھائی یا شاید بہن اتنا ہی عزیز ہے ناں تو لے کر دفعان ہو جاؤ یہاں سے۔ نجانے کہاں سے آ گئی یہ ایب نارمل فیملی ہمارے خاندان کا سکون برباد کرنے۔ ماں باپ کی نجانے کیا کہانی ہے۔ بیٹا صاحب پاگل اور بیٹی خبطی اور خود سر، ہونہہ.....! نکل جاؤ یہاں سے۔"

موبی کو غصہ تو اتنا ہی تھا کہ جواباً وہ بھی ایسا ہی زوردار تھپڑ ماہم کو بھی رسید کرتا مگر غفران نے عقلمندی دکھائی اس کا ہاتھ سختی سے پکڑے رکھا مگر اب یہ کمی اس کا نفرت زدہ لہجہ اور تیروں جیسے الفاظ پورے کر رہے تھے۔

"کیوں.....؟ کیوں چلے جائیں ہم یہاں سے.....؟ یہ ہمارا بھی گھر ہے، سمجھے.....؟ اور آئندہ کبھی ایسی لفظ منہ سے نہ نکالنا۔ ہم اگر ایب نارمل ہیں تو تم ہی نارمل ہونے کا ثبوت دے دو۔ ہونہہ.....! مگر تم تو ہم سے بھی گئے گزرے ہو۔ چلو مان لیا کہ ہمارے ماں باپ کی عجیب کہانی ہے، ہم غیر متوازن زندگی کا شکار ہیں، ہمیں ایب نارمل حالات نے ایب نارمل بنا دیا مگر تم لوگوں کے ساتھ تو ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا، تمہارے والدین کی تو کوئی کہانی نہیں تھی، تمہارے حالات تو نارمل تھے مگر تم ایب نارمل کیوں ہو.....؟ ہونہہ.....! دماغ رکھتے ہو مگر دماغ کی راہ میں پر اچھی مثبت اور معیاری سوچ نہیں اُگ سکتی، زبان رکھتے ہو مگر زبان خوبصورت اور معیاری الفاظ کی ادائیگی سے محروم ہے۔ ارے.....! تم سے زیادہ پاگل اور ایب نارمل کون ہو گا.....؟ مجھے تو ترس آ رہا ہے تم پر۔"

ماہم کا انداز انتہائی تلخ اور کٹیلا تھا۔ اس کے لہجے کی کاٹ، الفاظ کی ترشی موبی کو سلگا گئی۔ اس نے کب کسی کی ایسی بات سنی تھی۔ تین بہنوں کا انتہائی لاڈلا، اکلوتا بھائی، ماں کا منہ چڑھا بیٹا یہ سب کیسے برداشت کرتا۔ اس کے بدن میں گویا شعلے دہک رہے ہوں۔

"ماہم.....!" اس کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا۔ شرجیل خوفزدہ ہو کر ماہم سے چمٹ گیا۔

"موبی.....! تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا.....؟ ماہم پر ہاتھ اُٹھاتے ہوئے شرم آنی چاہیے تمہیں۔"

اس سے پہلے کہ موبی کا اُٹھا ہاتھ ماہم کے نازک رخسار پر نشان چھوڑتا، تیمور نے موبی کا فضا میں اُٹھا ہاتھ ہوا کر نیچے کرتے ہوئے سرزنش کرتے ہوئے کہا تو وہ نخوت سے اسے دیکھنے لگا۔

"نہیں.....! جب اس کو کوئی لحاظ نہیں آیا تو میں کیوں کروں.....؟" موبی غرایا۔ اس نے خونخوار نظروں سے ماہم کو دیکھا جو اپنے آنچل سے شرجیل کا تر چہرہ صاف کر رہی تھی۔

"تم شرجیل کے ساتھ جو کر رہے تھے ماہم کی جگہ اگر میں ہوتا میں بھی یہی کرتا۔ ماہم بہن ہے شرجیل کی؟" تیمور ماہم اور شرجیل کا وکیل بنا ہوا تھا۔

"ماہم شرجیل کی بہن ہے تب اس کے لیے لڑ رہی ہے۔ ماہم تمہاری بہن تو نہیں کہ تم اس کی وکالت کر رہے ہو۔"

"شٹ اَپ موبی.....! تم حد سے گزر رہے ہو۔" تیمور آگے بڑھا۔ ثاقب نے اسے کسی فساد سے باز رہنے کی تنبیہہ کی۔

"کیوں.....؟ ماہم کو بہن کہنا برا لگا ناں.....؟ آئی نو.....!"

موبی نے تمسخرانہ انداز میں تیمور کو دیکھا۔ موبی جانتا تھا کہ تیمور کو ماہم بہت پسند ہے اور وہ اسے چاہتا ہے اس لیے اس کی سائیڈ لیتا ہے مگر یہ موبی کی سطحی سوچ تھی ورنہ تیمور ہر کمزور کا ساتھ دینا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا تھا مگر موبی اس کے خلوص کو اپنی سوچ کے مطابق نام دیتا تھا۔

"ہاں.....! ہم سب بہن بھائی ہیں اور ہمیں ایک دوسرے کا احساس ہونا چاہیے۔ خون کا رشتہ نہ بھی ہو

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

انسانیت کا رشتہ تو بہر حال موجود ہوتا ہے اگر انسانیت کے ناطے بھی....."

"رہنے دیں ثاقب بھائی.....! آپ ہائی لیول کی باتیں کر رہے ہیں، پستی میں رہنے والے ان کو کیا جانیں کیا سمجھیں جن کی اپنی سوچ کا آئینہ میلا اور گندا ہوتا ہے.....؟ ان کو ہر چہرہ بدصورت نظر آتا ہے بھائی.....! اندر چلیں اور آپ سے کتنی بار کہا ہے جہاں یہ شخص ہو وہاں مت آیا کریں، چلیں اندر۔"

ماہم نے ایک قہر آلود سی نگاہ موبی پر ڈالی جو اس کے براہ راست الزامات اور جملوں کی کاٹ سے تل کر رہ گئی تھا۔ نازک سی یہ لڑکی اسے ذلیل کر گئی تھی۔

"سمجھ لوں گا تمہیں مس قلوپطرہ.....!" شرجیل کا ہاتھ تھامے اندر کی جانب بڑھتی ماہم کو دیکھ کر موبی نے زہر خند انداز میں زیر لب کہا اور تیزی سے غفران کے ساتھ گیٹ سے باہر نکل گیا۔

• • •

واصف اور آمنہ کے درمیان ایسا کیا تھا جو وجہ اختلاف تھا اور یہ اختلاف کیا تھا جو زہر بن کر ان کی زندگی کی خوشیوں اور شیرینی کو نگل گیا تھا۔ اب سب نے اس اختلاف کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔ جب اس کھوج پر نکلے تو ہر نگاہ مشکوک ہو گئی۔ گھر کے مرد اپنے عزیز از جان بھائی کی خاطر سب کچھ کرنا چاہتے تھے مگر ان کی بیگمات جن کو اس فیملی کا آنا ہی ناگوار گزرا تھا، اب اپنی زندگی میں شامل کس طرح کر سکتے تھے۔

"ارے.....! میں کہتی ہوں کہ یہ ہماری ذمہ داری تو نہیں کہ ان پاگلوں کو سنبھالیں۔ چھوڑ آئیں ان سب کو کسی پاگل خانے میں۔" بڑی بھابھی انیسہ نے چھوٹتے ہی اپنا فیصلہ سنایا تو فیاض بھائی تڑپ اُٹھے۔

"کس قدر سفاک عورت ہو تم انیسہ.....! ارے یہ بات کہنے سے پہلے ایک لمحے کے لیے سوچ لیا ہوتا اگر ان جیسے حالات سے تم دوچار ہوتیں تو کیا تب بھی تمہارا فیصلہ ہوتا کہ پاگل خانے چھوڑ آئیں.....؟ بتاؤ..... اپنے بیٹے کے لیے ایسا سوچ سکتی ہو.....؟"

"ہائے.....! خدا نہ کرے، آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں.....؟" وہ تڑپ اُٹھیں تو ایک تلخ سی مسکراہٹ باقی سب کے ہونٹوں پر آ گئی۔ عورتیں تو انیسہ کی ہم خیال تھیں مگر فی الحال اپنی بات گنوانا نہیں چاہتی تھی۔

"بھائی جان.....! یہ خواتین تو ایسی ہی باتیں کرتی ہیں ہمیں تو جو کرنا ہے سو کرنا ہے۔ ہمیں کچھ ایسے اقدامات کرنا ہوں گے کہ یہ سب نارمل زندگی کی طرف لوٹ آئیں۔"

عارف نے اپنی بیگم رفعت کی گھر کی کو نظر انداز کر کے کہا تو فیاض صاحب گہری سوچ سے جیسے باہر نکلے۔

"ہاں.....! یہ تو کرنا ہی ہے مگر ہمیں یہ تو معلوم ہو کہ ایسا کیا طوفان آیا کہ جس نے واصف کی زندگی کو تباہی کے راستے پر ڈال دیا جبکہ آمنہ سے اس کی پسند کی شادی تھی پھر ایسی کیا بات تھی، ایسی کون سی وجہ ان دونوں کے بیچ فصیل بن گئی کہ ان کی ازدواجی زندگی اتنی غیر مستحکم رہی اور بچے ایب نارمل اور اگر ایسی کوئی وجہ تھی تو ہمیں باخبر کیوں نہیں کیا گیا.....؟ جب تک ہم اس وجہ تک نہیں پہنچ پاتے تب تک کوئی بھی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔"

فیاض بھائی سب سے بڑے تھے اور والد کے بعد خاندان کے سربراہ کی حیثیت رکھتے تھے اور واصف کی واپسی نے سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اصل اسباب جاننا چاہتے تھے اور اصل اسباب کیا تھے کہ ان کی زندگی یوں تماشا بنی اور یہی سوال سب کی زبانوں پر تھا، سب کی آنکھوں میں تھا اور یہی سوال خوف بن کر آمنہ کا احاطہ کیے

ہوئے تھے کیونکہ اصل ذمہ دار تو وہ تھی، ان کی جان پر بنی ہوئی تھی۔

"اب.....اب کیا ہوگا عارف.....! کیا میرے ماضی کی کتاب اب یوں سر عام پڑھی جائے گی.....؟ کیا بتاؤ گے میرے اُجڑنے کا سبب.....؟ کس طرح بتاؤ گے عارف.....! بچہ بچہ جان جائے گا کہ یہ سب کیوں ہوا.....؟ کاش.....! کاش میں مر ہی جاتی تو اچھا تھا یا اس ذلیل انسان کو ٹھکرا کر والدین کے حکم پر سر جھکا دیتی تو آج یوں اپنے ہی بچوں کے سامنے سر جھکائے نہ کھڑی ہوتی یا کاش واصف ہی تھوڑے سے ظرف کا مظاہرہ کر دیتے یا میں نے ہی اس کی محبت اور دوستی پر اعتماد کر کے دھوکا نہ کھایا ہوتا۔ اب کیا ہوگا.....؟ بھائی جان تو بڑے غصے میں ہیں۔ انہوں نے مجھے اور واصف کو بلایا ہے۔ وہ تو سب کچھ بتا دیں گے کیونکہ وہ ظرف کے جتنے چھوٹے درجے پر ہیں یہ میں جان گئی ہوں۔ میں.....میں کیا کروں عارف.....! کیا کروں.....؟"

آمنہ کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی غلط حرکت کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو اور لوگ اس پر ہنس رہے ہوں، طنز کر رہے ہوں، ہاتھوں میں پتھر لیے ان کو مار رہے ہوں۔ وہ بری طرح رو رہی تھیں۔ عارف بھی پریشان ہو گئے تھے کیونکہ بھائی جان ہر صورت اصل صورتِ حال جاننا چاہتے تھے۔

"آپ فکر نہ کریں بھابھی.....! میں بھائی سے بات کرتا ہوں۔" عارف نے کھوکھلے سے لہجے میں تسلی دی۔

"نہیں عارف.....! واصف پر اب مجھے اعتماد نہیں۔ وہ تو سب کچھ بتا دیں گے۔ تب میری کیا عزت رہ جائے گی سب کی نظروں میں۔"

آمنہ کی روح فنا ہو رہی تھی آنے والے حالات کا سوچ کر۔

"اچھا.....! آپ خود کو سنبھالیں۔ انشاء اللہ آپ پر بات نہیں آئے گی۔"

بے جان سی تسلی کے جملوں کے سکے ان کے کاسہ میں ڈال کر عارف باہر نکل گئے تو آمنہ سجدے میں گر گئی اور بری طرح روئے گئی۔

"اے میرے خالق.....! میرے پروردگار.....! میں کچھ نہیں جانتی، میری عزت تیرے ہاتھ ہے، تیری ہی ذات واحد نے میری لاج رکھنی ہے، میری کمزوری کو جسے میں نادانی میں محبت سمجھ بیٹھی تھی، میری سزا یا ذلت نہ بنانا۔ پروردگار.....! مجھے خاندان کے بچے بچے کے سامنے بے آبرو ہونے سے بچا لے۔ پروردگار.....! بچا لے.....! میری مدد فرما.....!"

روتے روتے جیسے آمنہ پر غشی طاری ہو گئی اور اسی وقت ماہم اندر آئی۔ ماں کو اس حالت میں دیکھ کر تڑپ اُٹھی۔ وہ سب جانتی تھی کہ وہ سب گھر بھر میں موضوع گفتگو بنے ہوئے ہیں۔ دو متضاد رویے تھے ان کے متعلق گھر والوں کے۔ کچھ کے رویے تو اتنے چبھتے ہوئے تھے کہ ماہم کا دل چاہتا کہ سب کو قتل کر دے جن میں اس کی چاچی رفعت اور موبی سب سے اول درجے پر تھا۔

"مما.....! مما اُٹھیے.....!" پھر بمشکل ماہم نے آمنہ کو بیڈ پر ڈالا، پانی پلایا اور پاؤں دباتی رہی اور حوصلہ دیتی رہی۔

"ہم کہیں نہیں جائیں گے مما.....! اسی گھر میں رہ کر ان ہوشمندوں کا مقابلہ کریں گے جو ہمیں پاگل اور

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

حواس باختہ کہتے ہیں۔ اللہ ہماری مدد کرے گا۔"

اِک عجیب طرح کی قوت نے اس کے ٹوٹتے حوصلے کی ناؤ کا رُخ کنارے کی جانب کر دیا۔

"مما.....! کچھ نہیں ہوگا۔ آپ کیوں پریشان ہیں.....؟" ماہم نے ماں کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے کہا تو آمنہ کی نظریں جھک گئیں۔ آخر وہی تو اصل مجرم تھی ان دونوں کی، ان کے کیے کی سزا ان ہی لوگوں کو تو بھگتنی پڑ رہی تھی۔

"بیٹا.....! تمہارے پاپا درست کہتے ہیں، ہمیں یہاں سے چلا جانا چاہیے۔" آمنہ خود ان حالات سے فرار چاہتی تھی۔ وہ لوگوں کے چہرے پر چسپاں سوالوں کے جواب سے خوفزدہ تھی۔ یہ بہترین راہِ فرار تھی کہ لوگ یہاں سے چلے جائیں گے تو نہ سامنے ہوں گے نہ ہی کوئی ان کے لیے فکر مند ہوگا۔

"نہیں مما.....! ہم لوگ ہرگز یہاں سے نہیں جائیں گے۔ یہ ہمارا بھی گھر ہے، ہمارا حق ہے یہاں پر۔ یہاں رہ کر ان حالات سے مقابلہ کریں گے، موج حوادث سے لڑنا ہی زندگی ہے، ان سے خوفزدہ ہو کر پتوار چھوڑ دینا تو سراسر بزدلی ہے، ہمت ہارنے والے ڈوبا کرتے ہیں مما.....! پھر ڈوبنے کو ہم قسمت قرار دے کر حوصلوں کی کمزوری اور پستی کو الزام سے بچا لیتے ہیں لیکن اب کم از کم میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ آپ کو پپا کو جانا ہے تو جائیے میں اور بھائی تو ہرگز ہرگز یہاں سے نہیں جائیں گے۔"

ماہم کے لہجے میں غیر ترمیم شدہ فیصلے کی سختی تھی۔ آمنہ چیخ پڑیں۔

"کیوں نہیں جاؤ گے تم لوگ.....؟ یہاں رہ کر ماں باپ کو ذلیل کراؤ گی.....؟ بھائی کو پاگل کہلاؤ گی.....؟ اور خود پر باغی ہونے کا الزام لو گی۔"

"لوں گی مما..... ہر الزام لوں گی مگر ہمت نہیں ہاروں گی۔ یہ موبی، اس کی والدہ اور ان جیسے اور بھی یہی تو چاہتے ہیں ناں کہ ہم لوگ یہاں سے چلے جائیں تو یہ ان کا خواب کبھی پورا نہیں ہوگا، کبھی نہیں۔"

ماہم کی نگاہوں میں لان والا منظر گھوم گیا۔ سماعتوں میں موبی کے جملے سیسہ بنے جلاتے رہے۔ وہ سلگ اُٹھی تھی۔ آمنہ تو پل پل جی اور مر رہی تھی مگر برداشت کی سِل اس لیے سینے پر رکھ لی تھی کہ یہ سب ان کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ وہ بیٹی کو بھی قائل نہ کر سکیں تو خدا کے حضور گر گئیں۔

• • •

"تم دونوں چپ کیوں ہو.....؟ میری بات کا جواب دو۔ تم لوگوں نے اپنی اور بچوں کی زندگی کو تماشا کیوں بنا دیا ہے.....؟ تم لوگوں کی پسند کی شادی ہوئی تھی اور لو میرج کرنے والوں کی زندگی آئیڈیل ہوا کرتی ہے مگر تم لوگوں نے بیڑا غرق کر دیا، خاص کر بچوں کی زندگی کا۔"

واصف اور آمنہ فیاض بھائی کی عدالت میں سر جھکائے بیٹھے تھے۔ مارے خوف اور احساسِ ذلت سے آمنہ کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا، آنکھوں کے سوتے خشک ہو چکے تھے۔ یہ سوال فیاض بھائی نے دوسری بار کیا تھا۔ واصف نے ایک نظر آمنہ پر ڈالی۔ کس تمنا سے، کتنے ارمانوں سے اس نے اس کو چاہا تھا، اس کی آنکھوں میں جس کے خواب تھے، جس کی چاہت اس کے دل میں کوئی اور دھڑکتا تھا، اس کی خوابوں میں کوئی اور تھا تو یہ زیادتی نہیں تھی اس کے ساتھ۔ واصف کا جی چاہا اپنے باپ جیسے بڑے بھائی سے لپٹ کر اپنا سارا دُکھ کہہ دے کہ آمنہ نے

بھی زیادتی کی ہے اس کے ساتھ مگر یہ کیا تھا کہ نظریں آمنہ کے سوجی آنکھوں پر جم کر رہ گئیں جو رات بھر شدت گریہ کی غماز تھیں اور جانے کہاں سے محبت کا طوفان اُمڈ آیا۔ جی میں آیا کہ یوں بھائی کی عدالت میں مجرموں کی طرح کھڑی اس باوفا خدمت گزار بیوی کو سینے سے لگا کر دل میں چھپا کر دُور کہیں نکل جائیں آخر ایسا کون سا گناہ کر دیا تھا اس نے، دل ہی تو ہے مشین تو نہیں جس کو اپنی مرضی سے چلایا جا سکے۔ انتہائی نفرت کے جنگل میں پلتا ایک سا جھونکا نجانے کہاں سے آیا کہ واصف کی سلگتی روح کو قرار سا آ گیا۔

"ہم..... ہم کیا بتائیں بھائی جان.....! ہم نے تو نارمل میاں بیوی جیسے زندگی گزاری ہے۔ آمنہ جیسی باوفا اور خدمت گزار بیوی اور جان نثار کرنے والی ماں تو کسی کی ہو ہی نہیں سکتی۔ رہی بچوں کی بات تو..... تو ماہم ذرا ضدی سی ہے اور شرجیل..... آہ شرجیل پیدائشی طور پر ذہنی طور پر کمزور تھا اور میری زیادتی یہ کہ ایک بار امتحان میں فیل ہونے پر میں نے اسے اس بری طرح پیٹا کہ اس کا مرض مرض لاد وا بنتا چلا گیا۔ بس اور تو کوئی وجہ نہیں، آپ بلاوجہ پریشان ہیں۔ میں نے اور آمنہ نے بہت اچھی، پرسکون، محبت بھری زندگی گزاری ہے۔ آمنہ جیسی بیوی خدا سب کو دے۔"

یہ واصف کی زبان سے نکلنے والے الفاظ تھے کہ جگنو، جنہوں نے آمنہ کے گرد خوف اور مایوسی کے گمبھیر اندھیرے کو نگل لیا تھا اور ان کے گرد رقص کرنے لگے تھے۔ الفاظ تھے کہ تپتے صحرا میں پڑنے والی نرم ٹھنڈی پھوار تھی، جس نے صدیوں سے سلگتی روح کو اندر تک پرسکون کر دیا تھا۔ شعلے برف کی نرم نرم گولیوں میں بدل گئے تھے۔ یہ خواب تھا کہ حقیقت کہ آج یوں خاندان بھر کے سامنے واصف نے ان کو بے آبرو ہونے سے بچا لیا تھا۔ واصف کے لہجے کے اعتماد میں چھپی محبت تھی کہ وہ ڈوبتے ڈوبتے کنارے تک آ گئی تھیں ورنہ ان بائیس سالوں میں جتنا واصف اس کو تنگ کر سکتے تھے کیا تھا جتنے تیر برسا سکتے تھے برسائے پھر آج ان کے ترکش کے تیر ختم ہو گئے تھے کہ ظرف کا خشک پیالہ یکدم بھر گیا تھا۔ خوشی کا ایسا بے یقین دھماکہ ہوا تھا کہ کچھ دیر کے لیے آمنہ کی آنکھیں یوں تاریک ہو گئیں جیسے تیز دُھوپ سے سائے میں آنے کے بعد ہوتا ہے۔

"میرے پروردگار.....! تیری رحیم ذات یوں بھی عزت رکھتی ہے، یقین تھا مجھے تیری رحمتوں پر۔ پروردگار.....! میں گناہ گار تیرا شکرانہ ادا کرنے سے قاصر ہوں، مجھے معاف فرمانا۔"

آمنہ کو اندازہ ہی نہیں ہوا بے شمار خوشی اور تشکر کے آنسوؤں سے گود میں پیالے کی صورت رکھے ہاتھ بھر گئے تھے۔ فضا کتنی نکھری نکھری تھی، گھنیرے بادل چھٹ گئے تھے، سنہری نرم دُھوپ میں آمنہ نے لرزتی پلکیں اُٹھا کر اپنے جیون ساتھی، اپنے محسن کو دیکھنا چاہا۔ پلکیں اٹھیں، واصف سے نظریں ملیں، لمحہ بھر کا یہ ملاپ نجانے کیا کیا کہہ گیا ایک دوسرے سے۔ آمنہ کا بس چلتا تو اس عزت افزائی پر، اس احسان پر واصف کے قدموں میں بیٹھ کر شکریہ ادا کرتیں۔ آج وہ خود کو دُنیا کی خوش نصیب عورت سمجھ رہی تھیں جن کا شوہر یوں دُنیا کے سامنے ان کی عزت کر رہا تھا۔ بس آنکھوں کی برسات شکریہ ضرور ادا کر رہی تھی۔ عارف کا دل بھی آمنہ کی طرح اس خوف سے آزاد ہوا تو انہوں نے معنی خیز انداز میں آمنہ کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ آمنہ نے اپنے اس بھائیوں جیسے بھائی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ہال میں موجود کوئی بھی اس کہانی کو نہ جان سکا۔ فیاض بھائی نے دونوں کو دیکھا۔

"ہوں.....! تو یہ بات ہے لیکن واصف.....! تم تو سدا کے ٹھنڈے دماغ کے آدمی رہے پھر ایسی کیا بات

UrduPhoto.com

ہوگئی کہ تم نے معصوم بچے کو تماشا بنا کر رکھ دیا.....؟"

بھائی جان کا انداز سرزنش کرتا ہوا تھا اور واصف جو یہ سب کہہ کر خود کو آج بہت پرسکون اور ہلکا سا محسوس کر رہے تھے ان کو لگا جیسے وہ صدیوں سے جس سفر میں تھے آج اچانک اس کی منزل مل گئی تھی، جیسے کوئی کھوئی ہوئی دولت مل گئی ہو۔ یہ سب کیا تھا، کس وجہ سے تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا مگر انہوں نے جو کہا تھا وہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کب کہا تھا۔ یہ تو ان کی اس محبت کا یقین تھا جو بچپن سے آمنہ کے لیے دل میں موجود تھی جو اب جنون بنی پھر نفرت کی آگ بن کر دہکنے لگی۔ اپنی طرف سے تو انہوں نے کوئی ایسی انہونی بات نہیں کہی تھی۔ آمنہ کی جن خوبیوں کے وہ معترف تھے وہی تو بیان کی تھیں۔ پھر یہ اجنبی سا سکون کیسے روح کی گہرائیوں تک اتر رہا تھا۔ آمنہ تو خود کو نیلے آسمان کا وہ پرندہ سمجھ رہی تھی جس نے پرواز کے نئے راز پا لیے ہوں، بلندیوں پر اپنا گھر دیکھ لیا ہو۔ عارف جو اصل کہانی کے شاہد تھے آج پھر معاملہ اتنے خوبصورت انداز میں نمٹتا دیکھ کر بہت خوش تھے۔ کس قدر پریشان تھیں آمنہ اور وہ خود بھی کہ اگر واصف نے غصے اور نفرت میں اصل کہانی سنا ڈالی تو کیا ہوگا۔ آمنہ تو بے نقاب ہوں گی ہی ان کے دونوں بچے بھی کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہیں گے۔ آج کی عدالت نے آمنہ اور واصف کو ذرا لاپرواہ والدین اس لیے قرار دیا کہ جب ان کو معلوم تھا کہ شرجیل ذہنی طور پر بیمار ہے تو انگلینڈ جیسے ملک میں رہ کر اس کا مناسب علاج کیوں نہیں کروایا گیا۔ اس معاملے میں لاپرواہی برتنے پر دونوں کو سخت سرزنش کی گئی اور طے ہوا کہ وہ خود شرجیل کو علاج کے لیے ملک سے باہر لے کر جائیں گے اور علاج کرائیں گے جبکہ ماہم کے لیے گھر کے کسی لڑکے کو شادی کے لیے تیار کیا جائے تب جھٹ عارف بول پڑے۔

"بھائی جان.....! ماہم کو میں اپنی بہو بنانا چاہتا ہوں، موبی کی دلہن بنانا چاہتا ہوں۔" عارف کی اس بات پر ہال میں گونجی تو ایک ساتھ کئی قسم کے تاثرات مختلف چہروں پر اترے۔ رفعت بیگم دل تھام کر رہ گئیں۔ ماہم کو وہ انتہائی بدتمیز، بدزبان اور باغی لڑکی قرار دے چکی تھیں اور کسی باغی کو وہ کیونکر بہو بنا سکتی تھیں مگر اس وقت بھائی جان کی عدالت میں وہ صرف ضبط کا کڑوا بادام چبا کر رہ گئیں۔ باقی سب کے لیے اس اُچھوتی خبر میں حیرت ہی حیرت تھی اور یہ اشتیاق کہ اب کیا ہوتا ہے۔ دوسرے لڑکوں کی مائیں اندر ہی اندر خدا کا شکرانہ ادا کرنے لگیں کہ قرعہ فال ان کے بیٹوں کے نام نہیں نکل آیا اور موبی جو ماہم لوگوں کے ہر معاملے کو انجوائے کرتا تھا آج یوں غیر متوقع طور پر ماہم کے ساتھ اپنا نام سن کر کچھ دیر کے لیے دل جیسے رُک سا گیا اور نظریں نگاہ پر جا ٹکیں۔ جس کو وہ پسند کرتا تھا مگر شاید نگاہ کو اس فیصلے پر اعتراض نہیں تھا پھر اس نے غصے سے اپنے باپ کو دیکھا جو سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے بہت بہترین فیصلہ کیا ہے قریب تھا کہ وہ ابھی سب کے سامنے اپنے فیصلے کا بھی اعلان کرتا اس نے دیکھا اس اعلان پر تیمور کے چہرے پر اک سایہ سا آ کر چلا گیا اور وہ مردہ قدموں سے دروازے کی جانب بڑھ رہا ہے۔

"تیمور لنگ تمہیں نیچا دکھانے کا اس سے بہترین موقع کون سا ہو سکتا ہے.....؟ اور ماہم بی بی.....! تم نے بھی تو میرے بہت سے حساب چکانے ہیں او کے ڈیڈ.....! میں تیار ہوں۔" اپنی منتقی اور زہریلی سوچ کو اس نے تمسخرانہ مسکراہٹ میں بدلا اور باہر آ گیا اور لان میں ٹہلتے تیمور کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ تیمور اس وقت کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا وہ بھی موبی کو جو اچانک ہی رقیب کے حیثیت سے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

"تم اتنی جلدی کیوں آ گئے اندر سے.....؟" ہونٹوں پر بدتمیزی مسکراہٹ لیے وہ چڑانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔ موبی کو یہ صورت حال بہت مزا دے رہی تھی کہ تیمور جس لڑکی کو اتنی سنجیدگی اور سچائی سے چاہ رہا تھا وہ بن مانگے، بن چاہے اسے مل رہی تھی اور تیمور سے ہمیشہ ہی اس کی لگتی تھی۔

"میرے خیال میں اندر سے باہر آنے پر کوئی دفعہ نہیں لگتی۔"

تیمور اس وقت اتنا اَپ سیٹ تھا کہ اس کے منہ نہیں لگنا چاہتا تھا۔ اس لیے کترا کر گزرنے لگا تو موبی بھی اس کے سامنے آ گیا۔

"ارے یار.....! ویسے بندے کو اتنا بھی تنگ دل نہیں ہونا چاہیے۔ مانا کہ تم ماہم کو چاہتے ہو، اس کے طلب گار ہو مگر آج سے وہ مجھ سے منسوب ہو گئی ہے۔ مبارک باد نہیں دو گے مجھے.....؟" لان میں لائٹ کی روشنی میں تیمور نے اس کم ظرف سے بندے کو دیکھا جو اس شخص کا بیٹا تھا جو ہر ایک کو خوش دیکھنا چاہتا تھا۔ تاہم وہ اس سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

"موبی.....! فی الحال یہ اعلان ہے جو ابھی ماہم کی سماعتوں سے نہیں ٹکرایا اور جب اس نے سن لیا اور اس اعلان نے جس روز حقیقت کا سہرا باندھ لیا ناں تو میں سب سے پہلے تمہیں مبارک باد پیش کروں گا۔"

• • •

"کک..... کک کون ہیں آپ.....!" دونوں آڈیٹوریم کے نیم تاریک ہال میں کھڑی انتہائی خوفزدہ تھیں۔ ان چند لمحوں میں سوچ اور وسوسوں کے سانپ ان کو نجانے کہاں کہاں لے گئے۔ وردہ نے خوفزدہ ہو کر اپنے ساتھ کھڑے پندرہ سولہ سال کے لڑکے کو دیکھا جس کے ہاتھ میں کچرے والی بالٹی اور بغل میں دبا جھاڑو بتا رہا تھا کہ وہ کون ہے۔ وہ تو خوفزدہ تھیں ہی مگر لڑکا ان سے زیادہ خوفزدہ تھا۔

"میں کیوں بتاؤں جی.....؟ میں یہاں پر جمعدار ہوں، صفائی کر کے جا رہا تھا کہ..... پر آپ لوگ کون ہیں جی.....؟ ابھی تو میں دروازہ بند کر کے گیا تھا پھر آپ..... کہیں آپ لوگ وہ تو نہیں..... وہ جی.....! وہ نہیں ہوتیں جن کی کہانیاں ہم شوق سے سنتے ہیں مگر ان سے ڈر بھی بہت لگتا.....؟ آئے ہائے.....! وہی جن کے پیر پیچھے کی طرف مڑے ہوتے ہیں، ہاں چڑیل.....!" لڑکے نے ایکشن کے ساتھ پاؤں پیچھے موڑے تو توازن برقرار نہ رکھ سکا اور منہ کے بل نیچے گرا۔

"بکو مت.....! ہم لوگ فرسٹ ائیر کی اسٹوڈنٹ ہیں اور....."

"اوہ.....! اچھا جی اچھا.....! یوں آکھیں (کہیں) ناں۔ سارا سیاپا تو فشٹ ایر کا ہے۔ ہون (اب) سارا رولا مکھڑے کی سمجھ میں آ گیا ہے۔ آپ کو کسی نے فشٹ ایر کا فول بنایا ہے۔ ویسے آپس کی بات ہے باجی جی.....! آپ دونوں تو رَج رَج کے لگ بھی رہی ہیں۔" مکھڑے نے ان کو بغور دیکھا پھر منہ چھپا کر کھی کھی کرنے لگا تو دونوں سلگ اُٹھیں۔

"شٹ اَپ.....! چلو اب دروازہ کھولو.....!" ناجیہ کو غصہ تو بہت آیا، دل چاہا تھپڑ رسید کر دے مگر پھر خیال آیا کہ اس میں اس غریب کا کیا قصور ہے، وہ تو اپنا کام کر رہا تھا، اسے کیا خبر کہ کون فول بنا رہا ہے اور کون بن رہا ہے۔

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

"لو جی.....! کھول دیتے ہیں دروازہ بھی۔ تیرے لونگ دا پیالشکارا تے....."

مکھڑا گنگنائے بھی جا رہا تھا اور دروازہ بھی کھول رہا تھا۔

"شکر ہے خدا کا.....! کچھ دیر کے لیے تو مجھے لگا جیسے ہم قبر میں آ گئے ہوں۔"

باہر نکل کر ناجیہ نے نیلے آسمان کو دیکھتے ہوئے شکر ادا کیا اور وردہ کو دیکھا جو کھوجتی نظروں سے غزین آفاق کو تلاش کر رہی تھی۔ چہرے کا تناؤ بتا رہا تھا کہ اگر ابھی وہ مل گیا تو دو چار تھپڑوں سے غزین کی تواضع ہے مگر وہ اسے کسی بھی ایسی کارروائی سے باز رکھنا چاہتی تھی اور یوں بھی آج اس واقعے میں سراسر اس کی بے وقوفی کا قصور تھا اس لیے ناجیہ کچھ شرمندہ، کچھ خوفزدہ سی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔

"سوری وردہ.....! آج تو میرا ہی قصور ہے نہ میں ان لڑکوں کی باتوں میں آتی اور نہ یہ....." وہ ساتھ چلتے بولے جا رہی تھی مگر وردہ کی نظریں جس کی تلاش میں تھیں وہ اسے اپنے سامنے چلتا ہوا نظر آ گیا۔ اس کی پشت گھورتے ہوئے وہ تیزی سے آگے بڑھی۔ ناجیہ بھی اسی رفتار سے آگے بڑھی۔

"ایکسکیوزمی مسٹر.....!"

"جی.....! بولیں.....!" پلٹنے والا غزین آفاق نہیں بلکہ تھرڈ ائیر کا اسٹوڈنٹ تھا جو اس کے پکارنے پر اسی انداز میں شوخی سے پلٹا اور اب شوخی سے وردہ کو دیکھ رہا تھا جس کے حسین چہرے پر خفت نمایاں تھی، اُنگلیاں اپنی اس نادانی پر پشیمانی سے آپس میں اُلجھی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک شرمندہ سی نظر لڑکے پر ڈالی جو بڑا پر اشتیاق سا کھڑا تھا۔

"سوری.....! میں کچھ اور سمجھی تھی۔" آواز میں کھسیاہٹ نمایاں تھی۔ لڑکے نے گہری آہ بھری اور ذرا سا جھکا۔

"آہ کاش.....! آپ کی سمجھ کی منزل ہم ہی ہوتے۔ اینی ویز فرسٹ ائیر.....! تم لوگ باہر کہاں گھوم رہی ہو.....؟ معلوم ہے تم لوگوں کی کلاس ہو رہی ہے۔ سر برہان کلاس لے رہے ہیں۔"

ان کو دیکھ کر لڑکے کو کچھ یاد آیا تو اس نے جھٹ اطلاع دی مگر وہ پہلے ہی فول بھگت کر آ رہی تھیں۔ اب فول بننے کا قطعی موڈ نہیں تھا۔ لہٰذا ایک بے نیازی سی نگاہ لڑکے پر ڈالی اور ایک ساتھ بولیں۔

"تھینکس فار دا انفارمیشن۔ آج ان کی کوئی کلاس نہیں ہے۔" دونوں بے نیازی سے شانے اُچکاتی اور اسی خوشی کے ہمراہ آگے بڑھیں کہ اب وہ فول نہیں بنیں۔ پھر کیفے آ گئیں کیونکہ پریڈ فری تھا۔ ناجیہ باتیں کرتی رہی مگر وردہ کے دماغ میں چکی سی چل رہی تھی جس میں وہ غزین آفاق کو پستا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اسی وقت ان کو اپنی کلاس فیلوز صائمہ اور عظمیٰ آتی دکھائی دیں۔

"ارے.....! تم لوگ یہاں بیٹھی ہو، سر برہان الدین کی کلاس نہیں لی.....؟"

"تو.....تو کیا واقعی سر برہان الدین کی کلاس تھی.....؟" ناجیہ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ وہ ذرا پڑھائی میں کمزور تھی۔ اپنی اس کمی کو وہ محنت سے پورا کر لیتی تھی اور کوئی کلاس مس کرنا اسے گوارہ ہی نہیں تھا اور وہ بھی شرمندہ سی ہو گئی کیونکہ اس نے ناجیہ سے کہا تھا کہ اب فول نہیں بننا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ لڑکا درست کہہ رہا تھا۔

"تو کیا واقعی کلاس تھی.....؟" وردہ نے بے یقینی سے ہاجرا کو دیکھا جو فائل کھولے لیکچر دیکھ رہی تھی۔ ناجیہ تو رہا ہنسی ہونے لگی۔

"کیا مشکل ہے یار.....! ہم تو اُلجھ کر رہ گئے۔ صبح جب آئے تو وہ بدتمیز غزین اور اس کے دوست نے کہا کہ آڈیٹوریم میں پرنسپل صاحب لیکچر دیں گے۔ وہاں بھاگے تو خیر.....اور جب اس نے سر برہان کی کلاس کا بتایا تو ہم اس سچ کو جھوٹ سمجھ کر گئے ہی نہیں تاکہ ہم پھر کہیں فول نہ بن جائیں۔ اس غزین آفاق کو تو میں نہیں بخشوں گی۔" وردہ بری طرح تلملا رہی تھی۔

"بات سنو.....! ایسی کوئی حماقت نہ کرنا۔ یہ لڑکے بری چیز ہوتے ہیں کسی کے پیچھے پڑ جائیں تو.....اور پھر ہمیں یہاں ابھی پڑھنا ہے اور پانچ سال پڑھنا ہے۔ لہٰذا فضول قسم کے ہنگاموں میں نہ پڑو تو بہتر ہے۔ یوں بھی سنا ہے غزین آفاق کچھ خاص قسم کی چیز ہے۔" ہاجرا نے چائے اور سموسے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بہترین مشورہ دیا۔ اپنے تئیں جسے وردہ نے قطعی قبول نہیں کیا، گرم گرم سموسہ منہ میں رکھا تو زبان جل گئی۔ عین اسی وقت غزین اور اس کی دوست جس کو وہ اس کے چیلے کہا کرتی، آن موجود ہوئے۔ یہ سارا گروپ ہی کچھ خاص قسم کا تھا۔ سارے لڑکے ہی بڑے زبردست سے تھے اور غزین ان سب میں نمایاں تھا۔ تب ہی تو لڑکے لڑکیوں دونوں میں پاپولر تھا یہ گروپ غزین اسد کی کسی بات پر اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگاتا ہوا کتنا اچھا لگ رہا تھا مگر وردہ کو تو زہر لگ رہا تھا۔ اس نے غصے سے سموسہ یوں چبایا جیسے غزین کو چبا رہی ہو۔

"یہ کوئی خاص چیز ہو، عام چیز ہو یا انڈر ورلڈ کا ہو، میں اسے کم از کم اپنے ساتھ بدتمیزی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ ہم یہاں پڑھنے آئے ہیں فول بننے نہیں۔" وہ باقی سموسے پلیٹ میں واپس رکھ کر ہاتھ ٹشو سے صاف کرتی کھڑی ہوئے تھی تو ناجیہ کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"یہ تم کہاں جا رہی ہو وردہ.....!"

"تم مجھے کمزور مت کیا کرو۔ ہمیں یہاں رہنا ہے، پڑھنا ہے تو کیا ہم ان کی بدتمیزیوں سے یونہی اپنا نقصان کیا کریں گے.....؟" اور یہ بات وردہ نے سنجیدگی سے کہی تھی کیونکہ آج اتنی اہم کلاس محض انہی بدتمیز لڑکوں کی وجہ سے مس ہوئی تھی اور وہ آئندہ ایسا کوئی نقصان برداشت نہیں کرنا چاہتی تھی تو اس کے لیے غزین آفاق کی کلاس لینا ضروری تھا۔ وہ ان تینوں کے منع کرنے کے باوجود اُٹھ کر ان کے گروپ کی طرف بڑھنے لگی۔ حق دوستی کا تقاضا تھا کہ ناجیہ اس کا ساتھ دے اور وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"اب تم کہاں چلیں.....؟" ہاجرا نے اسے گھورا۔

"حق دوستی کا تقاضا جو پکار رہا ہے، جانا تو پڑے گا ہی۔"

ناجیہ گہری سانس چھوڑتی، بیگ اُٹھاتی آگے بڑھی تو وہ دونوں چائے میں مصروف ہو گئیں۔

"یار.....! یہ وردہ بھی کوئی خاص چیز ہی ہے۔ اس کا اعتماد ہی بتا رہا ہے۔"

"ہاں.....! ظاہر ہے اس کے لہجے کا اعتماد، چال کی مضبوطی بتا رہی ہے کہ وردہ بہت اچھی کلاس سے تعلق رکھتی ہے اور ماں بھی ڈاکٹر ہیں، اپنا ہاسپٹل ہے، وہ شہر کا سب سے بڑا اور خوبصورت ہاسپٹل جواد ہاسپٹل انہی کا تو ہے۔"

UrduPhoto.com

"ہیں.....؟ سچ.....؟ پہلے کیوں نہیں بتایا.....؟" صائمہ اس اطلاع پر اُچھل سی پڑی۔

"تو اور کیا، اس لیے ہی تو غزین آفاق سے بات کرنے گئی ہے اسی کے کلاس کی ہے ناں ورنہ ہم جیسوں میں اعتماد کہاں سے آئے گا جن کے والدین اپنی سو ضروریات مار کر ہماری تعلیم کا خرچ پورا کر رہے ہیں.....؟ وہ دیکھو وردہ ان کے قریب پہنچ گئی ہے۔" ہاجرا اور عظمیٰ اس طرف متوجہ ہو گئیں۔

"ایکسکیوزمی.....!" وردہ کی پر اعتماد آواز پر غزین سمیت سب پلٹے، سب کی شوخ نظروں کا فوکس وہ حسین سی لڑکی تھی جو چہرے پر بلا کا غصہ اور تیور لیے مرنے اور مارنے کا عزم لیے کھڑی سب کے لیے سوالیہ نشان بن گئی۔

"ایکسکیوزڈ.....!" سب باری باری بولے تو وردہ نے بھی ذرا متاثر ہوئے بغیر سب کو دیکھا۔ ان کا گروپ ہینڈسم گروپ کے نام سے کالج میں مشہور تھا تو کچھ غلط نہیں تھا۔ سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔

"مسٹر غزین آفاق.....! مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔" سب لڑکوں کی شوخ نظروں کی حسرت نے لمحہ بھر کو اسے پزل کیا مگر وہ اعتماد سے بولی تو کچھ ٹھنڈی آہوں نے فضا خنک کر دی تو کچھ کی معنی خیز "کھوں کھوں" اور نگاہوں کی شوخی نے ماحول کو رنگین بنا دیا۔ غزین آفاق کی اِتراہٹ دیکھنے کے قابل تھی۔ اس نے بڑے رُعب سے گلا صاف کیا، کالر چڑھائے اور دوستوں کی طرف پلٹا۔

"گائز.....! تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جہاں غزین آفاق موجود ہو وہاں کوئی بھی لڑکی کسی اور کو گھاس ڈال ہی نہیں سکتی۔ ایم آئی رانگ.....؟" وہ اِتراہٹ سے پوچھ رہا تھا۔ اسی شوخی سے اسد اُٹھا اور سینے پر ہاتھ رکھے قدرے جھکا۔

"نہیں عالی جاہ.....! آپ اور کچھ رانگ کہیں.....؟ یو آر رائٹ.....! جہاں پناہ.....! آپ نے درست کہا اس لیے کہ تمام لڑکیاں جانتی ہیں کہ گھاس صرف غزین آفاق ہی کھاتا ہے اس لیے کہ وہ کھوتا ہے۔" اسد کی بات پر تمام لڑکوں کا قہقہہ گونجا۔

"ہائیں.....؟ صولت مرزا.....! ہمیں اس گستاخ کی بات سے اپنی بے عزتی کی بدبو آ رہی ہے۔ ایم آئی رائٹ.....!" غزین نے ناک پر رومال رکھتے ہوئے وردہ اور ناجیہ کے وجود کو بالکل غیر اہم قرار دیتے ہوئے پوچھا۔

"یو آر رائٹ سر.....! بے عزتی کا کیا ہے.....؟ بندہ ڈھیٹ ہونا چاہیے، آپ کی طرح۔"

"ہائیں.....؟ یہ کچھ ڈبل ڈبل بے عزتی نہیں ہو گئی.....؟"

غزین منہ لٹکائے ناجیہ اور وردہ کی طرف گھوما تو غصے سے وردہ کے نتھنے پھول گئے۔

"مسٹر غزین آفاق.....! میں یہاں آپ کے کرتب دیکھنے آئی ہوں نہ ہی آپ کی اور آپ کے چیلوں کی جگت بازی کی داد دینے آئی ہوں بلکہ....."

غصے سے وہ بات بھی پوری نہیں کر پائی تھی کہ وہ بیچ میں ہاتھ بلند کر کے بولا۔

"اوکے اوکے.....! مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، میں سمجھ گیا ہوں آپ کیوں آئی ہیں.....؟ ابھی چائے پی کر، سموسے کھا کر آ رہی ہیں تو پیسے نہیں ہوں گے.....؟ ڈونٹ وری.....! یہ لو پیسے رکھو اور ٹافیاں وغیرہ

بھی لے لینا اور چھوٹے بہن بھائی کے لیے بھی لے جانا۔" انتہائی چڑانے والے انداز میں غزین نے پانچ سو کا نوٹ نکال کر وردہ کی طرف بڑھایا تو غصہ سے کچھ دیر کے لیے وردہ کو اپنی آنکھوں میں اندھیرا اُترتا محسوس ہوا۔ اس نے نوٹ کے کئی ٹکڑے کر کے غزین کے منہ پر دے مارے۔

"تم.....تم خود کو بہت اسمارٹ سمجھتے ہو.....؟" غصہ اس قدر شدید تھا کہ وہ بہت سخت الفاظ استعمال کرنا چاہتی تھی مگر سمجھ میں ہی کچھ نہیں آیا۔ اس کا لہجہ کانپ گیا تو اس کی بات پر وہ مزید اِترانے لگا۔

"اجی.....! بندہ کیا چیز ہے.....؟ یہ تو بنانے والے کا کرم ہے کہ کچھ اس قسم کا زبردست اسمارٹ بنا دیا ہے کہ لوگ بہانے بہانے سے چلے آتے ہیں لفٹ لینے۔ کیوں یارو.....!"

وہ داد لینے کے لیے اپنے دوستوں کی طرف پلٹا جو شرارت سے یوں واہ واہ کرنے لگے جیسے اس نے شعر سنایا ہو۔ وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

"واہ.....! کیا بات ہے غزین آفاق.....! تیری.....او.....تو چیتا ہے.....چیتا ہے ہمارا۔"

اور غزین آفاق کو مزید چڑھاتا ہوا بولا تو وردہ اسی کی طرف مڑی۔

"اپنے چیتے سے کہہ دیں میرے معاملے سے دُور رہے ورنہ بکری کرنا آتا ہے مجھے۔"

وہ اندر سے ذرا دَبک ہی گئی۔ کچھ بھی تھا اسے کالج کے ان ایکٹیو لڑکوں سے منہ ماری نہیں کرنی چاہیے مگر ابا نے ان کی جو تربیت کی تھی اس کے مطابق وہ مردوں کا مقابلہ کرنا جانتی تھی، دبنا یا ڈرنا نہیں اور یہ تربیت ہی کا اثر تھا کہ وہ یوں ان کے سامنے کھڑی مقابلہ کر رہی تھی۔ اس کی بات پر کہ "بکری کرنا جانتی ہوں" پر سب لڑکے بکریوں کی طرح "میں میں" کرنے لگے اور خود غزین کرسی پھلانگتا ہوا عین وردہ کے مقابل آن کھڑا ہوا۔ ذرا سا بھڑکا۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹ گئی۔

"شکر ہے وردہ وجاہت.....! کہ آپ نے اپنے معاملے سے دُور رہنے کا حکم دیا ہے خود سے دُور رہنے کا نہیں ورنہ تو بندہ بے موت مارا جاتا ناں۔"

وہ دلبرانہ انداز میں بولتا اسے بہت عامیانہ سا مرد لگا۔

"شٹ اَپ.....!" وہ مزید بات بڑھانا نہیں چاہتی تھی، واپس پلٹی۔

"اوئے مجا جاں والی آخ گئی....." مکھڑا آ کر گاتے ہوئے کچرا اُٹھانے لگا۔

"اوئے سیالکوٹی مکھڑے.....! ذرا ایدر آ گل تے سن.....!" غزین نے اسے بلایا۔

"جی غزین پاجی.....!" وہ جانثارانہ انداز میں بولا۔

"اوئے چن دے مکھڑے.....! سویرے توں کہہ ریا سیں کہ توں آڈیٹوریم وچ کوئی چڑیلاں شریلاں ویکھیاں نے.....ذرا پچھان تے اوچڑیلاں اے تے نئیں.....؟"

غزین نے مکھڑے کو وردہ کے سامنے کھڑا کر دیا تو وہ اپنے دانت نکال کر ہنسنے لگا۔ پھر شرما کر کہنے لگا۔

"آہو.....! وہی ہے نن.....میرا مطلب اے جی کہ اے تے میریاں باجیاں نے۔" مکھڑا وردہ کے چہرے کے تاثرات سے بری طرح خوفزدہ ہو گیا۔

"اوچھا تیریاں باجیاں نے.....؟ تے فیر چاڑ وا دے ہتھ وچ زیادہ چنگا لگے گا۔"

UrduPhoto.com

غزین بری طرح ان کو ستا رہا تھا۔ وہ بھی تماشا بننا نہیں چاہتی تھی ورنہ یہی جھاڑو اس کے منہ پر بھی رسید کر دیتی جرأت رکھتی تھی۔

"میرے ہاتھ سے زیادہ آپ کے چہرے پر زیادہ اچھا لگے گا یہ جھاڑو۔"

وہ تیزی سے پلٹی۔ ناجیہ سانس روکے ساتھ چلنے لگی تھی کہ وہ پھر اس کے سامنے آ گیا۔ اس نے بھی غزین آفاق سے متھا لگایا تھا تو اب بھگتنا بھی تو تھا۔

"چلیے.....! لگی شرط۔ آپ جھاڑو ہاتھ میں لیجیے میں چہرہ پیش کرتا ہوں۔"

اس اوپن آفر پر تو دل عملدرآمد پر مچل اُٹھا مگر وہ یوں تماشا بننا نہیں چاہتی تھی۔

"مجھے تماشا بننا پسند نہیں۔" وہ تیزی سے مڑی۔

"مگر مجھے تو پسند ہے۔ کم آن.....!" اب کی بار غزین کے لہجے میں عجیب سی دھونس اور ضد کی تندی تھی۔ ناجیہ اس کے چہرے اور لہجے میں یکساں سختی دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی۔

"دیکھیں.....! آپ لوگ تو بالکل بچوں کا سا بی ہیو کر رہے ہیں۔ ہم سب یہاں ڈاکٹر بن کر ڈگری انسانیت کی خدمت کرنے آئے ہیں یا آپس میں یوں اُلجھ کر لڑ جھگڑ کر وقت برباد کرنے.....؟ غزین آفاق..... آپ..... آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔"

اندر سے تو ناجیہ کی جان نکل رہی تھی مگر اُوپر سے اس نے بڑا ثالث بننے کا کردار ادا کیا۔ غزین نے بغور ناجیہ کو دیکھا۔ اس کی روح فنا ہو گئی۔

"مجھے کیا کرنا ہے، کیا نہیں.....؟ یہ کبھی غزین آفاق نے لڑکیوں سے پوچھا نہیں اور دوسروں کی اصلاح سے پہلے اپنی پیاری سی فرینڈ کی اصلاح کرو امن کی فاختہ.....!"

غزین نے بغور وردہ کے تمتماتے چہرے کو دیکھا۔ کچھ دیر کے لیے نظریں اختیار کی حدود سے باہر ہوئیں مگر جلد ہی پابند کر دی گئیں۔

"ویسے خوب گزرے گی بتا دیں ان کو۔" آخری لفظوں کے معنی میں اُلجھاتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا۔ وہ دونوں تیزی سے کوریڈور کی طرف بڑھ گئیں پھر سارا وقت انتہائی بور گزرا۔ آخری پریڈ کے بعد شہلا کا فون آ گیا کہ گھر آنے کی بجائے ماموں کی طرف آ جائے۔

"کیوں مما.....! خیریت تو ہے ناں.....؟ ماموں جان تو....." وہ پریشان ہو گئی۔

"اللہ کا شکر ہے بیٹا.....! وہ خیریت سے ہیں، بس تم آ جاؤ سرپرائز ہے۔ ارمغان تمہیں لینے آ رہا ہے خدا حافظ.....!"

"عجیب ہیں مما بھی، کوئی بات بھی نہیں بتائی، لہجے سے کوئی پریشانی والی بات بھی نہیں، ارمغان بھی لینے آ رہا ہے۔" وہ ناجیہ کے ساتھ چلتی گویا خود کلامی کر رہی تھی۔

"اوہو.....! اس میں فکر مند ہونے کی کیا بات ہے.....؟ کوئی خوشگوار سرپرائز ہی ہو گا۔ اوکے.....! میں چلی، ڈرائیور آ گیا خدا حافظ.....!" اور وہ کچھ اُلجھی سی شیڈو میں بیٹھ کر اس سرپرائز کے بارے میں سوچتی گیٹ پر نگاہیں جمائے ارمغان کا انتظار کرنے لگی۔ ابھی اسے بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ اس کی نظر غزین کے گروپ پر

پڑی۔

"کتنے بدتمیز ہیں یہ لڑکے.....! اللہ ان لوگوں کو ہدایت دے۔" وہ انہی کے بارے میں سوچنے میں مگن تھی کہ ارمغان جو عین اس کے سر پر پہنچ چکا تھا، اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے بولا۔

"کہاں گم ہو.....؟ دو آوازیں دے چکا ہوں مگر محترمہ نجانے کہاں ہیں.....؟"

"بدتمیز ال میز ڈ نجانے کہاں سے آ گئے ہیں.....؟ بگڑے ہوئے رئیس زادے، دل تو چاہ رہا ہے گلا دبا دوں۔" وہ غزین پر غصہ اُتار رہی تھی اور اس پر گزر جانے والی واردات سے بے خبر ارمغان نے جو کزن کے تیور دیکھے تو خوفزدہ ہو کر احتیاطاً اپنا گلا ہاتھوں میں چھپا لیا۔

"ہائیں.....؟ خیریت تو ہے.....؟ مم..... مم میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا پھر میرا گلا تو بیچارہ بہت کم من اور معصوم ہے۔ دیکھو میرا گلا نہ دباؤ، دبانے کا شوق ہی پورا کرنا ہے تو لو میرے پاؤں کا دبا دو، قسم سے بہت تکلیف ہے۔"

"ارمغان.....! آپ بھی ناں..... میں آپ کو کب کہہ رہی تھی.....؟" وہ چڑ گئی۔

"ہائیں.....؟ تو پھر کس کو کہہ رہی تھیں.....؟ کیا گھاس پھوس سے باتیں کرنا اچھا لگنے لگا ہے.....؟ لیکن ایسی اسٹیج پر تو دیواروں سے باتیں کرنا..... خیر یہ کرم نوازی کس پر ہو رہی تھی.....؟"

"ہے کالج میں ایک بدتمیز۔" وہ غزین پر بھری بیٹھی تھی۔

"ہیں.....؟ یعنی کہ ایک اور بدتمیز، میرا مطلب ہے تمہارے علاوہ بھی کوئی اور ہے، وہ میرا مطلب کہنے میں کیا حرج ہے.....؟" وردہ کی گھرکی پر وہ کھڑا ہو گیا۔

"گاڑی کہاں کھڑی کی ہے.....؟" ارمغان کے ساتھ چلتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"بھئی.....! ظاہر ہے گیٹ کے پاس کھڑی کی ہے۔"

"اچھا ارمغان.....! پلیز یہاں تک گاڑی لے آئیں۔ علیزہ کی سینڈل پہن لی تھی بہت تنگ کر رہی ہے۔" وہ قریبی بینچ پر بیٹھ گئی۔

"علیزہ.....!" اک لطیف احساس دھیرے سے ارمغان کے دل کے تاروں کو چھیڑتا آگے بڑھ گیا، فضا کتنی حسین لگنے لگی تھی، اِک دلفریب سی مسکراہٹ ارمغان کے لبوں کو چھو گئی۔

"علیزہ کی سینڈل ہے یہ.....؟" وہ بغور سینڈل کو دیکھنے لگا جو وردہ کے خوبصورت پیروں میں بہت جچ رہی تھی۔

"جی.....! صرف سینڈل ہی نہیں یہ نیا جوڑا بھی اسی کا ہے۔" اس نے اعتراف کیا۔

"ہوں.....! تو اس کا مطلب ہے آج آپ نے علیزہ بننے کی ناکام کوشش کی ہے مگر بیکار ہے۔ کہاں وہ انتہائی بدتمیز، نک چڑھی.....؟ اور کہاں تم.....؟" وہ اسے چڑانے لگا۔

"ارمغان.....! چپ رہیں۔ بلاوجہ میری بہن کو کچھ مت کہیں۔ ساری دُنیا سے اچھی ہے میری بہن۔"

"میں بھی تو یہی کہتا ہوں مم..... میرا مطلب ہے میں گاڑی لے کر ابھی آیا۔"

اپنے لہجے کی گہرائی کو خود ہی محسوس کر کے وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ پھر وہ گاڑی لے آیا اور وردہ کو اس

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com

کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے غزین اور اسد نے ایک ساتھ دیکھا، پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔ غزین نے
آنکھ دبائی اور نہ جانے کہاں سے ایک موٹر سائیکل لے آیا۔

''ارمغان.....! آخر یہ سرپرائز ہے کیا.....؟ مما نے تو کچھ بھی نہیں بتایا۔''

وردہ کو تجسس ہو رہا تھا۔

''ارے لڑکی.....! سیدھی سی بات تمہاری کھوپڑی میں نہیں آتی کہ اپنی روبی اور سعود بھائی کی شادی کی
ڈیٹ فکس ہوگئی ہے اور جمیل انکل نے خاندان بھر کو اسی خوشی میں اپنے دولت کدہ پر دعوت دی ہے۔''

''ہائے.....! کتنا مزا آئے گا۔ آج سب لوگ آئے ہوں گے ناں.....!''

''ہاں.....! بھانت بھانت کے جانور جمع ہیں۔'' وہ بتا بتا کر اس کا اشتیاق بڑھا رہا تھا۔

''ہائے.....! اس وقت جمیل ماموں کی خوبصورت سی کوٹھی سب لوگوں کے آجانے سے بھر گئی ہوگی۔''

''ہاں.....! انکل جمیل کی کوٹھی بالکل زو لگ رہی ہے۔ اب تو گنجائش بھی نہیں۔''

''اچھا.....! اب گنجائش نہیں رہی تو پھر آپ کا کیا ہوگا.....؟ اگر آپ کو زو میں جگہ نہ ملی تو کہاں جائیں
گے.....؟'' وہ شرارت سے بولی۔

ارمغان اس کی شرارت سمجھ کر چونکا اور ڈش بورڈ پر رکھی اس کی فائل اٹھا کر مارنے لگا تو سامنے دھیان دیا
اور نہ ہی اسٹیئرنگ پر کنٹرول۔ گاڑی ڈس بیلنس ہوگئی تو غزین ارادتاً اپنی موٹر سائیکل لیے قریب آیا اور ہلکی سے ٹکر
خود ہی لگا کر روڈ پر گر گیا تو وردہ کی چیخ نکل گئی۔

''اوہ تو.....!'' ارمغان تیزی سے باہر نکلا اور غزین کو اٹھانے لگا۔ وردہ بھی باہر نکل آئی۔

''سوری.....! ویری سوری یار.....! اس میں سراسر میرا ہی قصور ہے۔ میں جانتا ہوں میری غلطی کی
آپ کو چوٹ تو نہیں لگی.....؟ میں نادم ہوں اپنی غلطی پر۔''

ارمغان واقعی بہت شرمندہ ہو رہا تھا۔ غزین نے ایک گہری نظر وردہ پر ڈالی جو بہت متفکر سی تھی۔

''گڈ.....! یہ اچھا ہوا کہ آپ نے اپنی غلطی مان لی ورنہ تھانے پولیس کے چکروں میں میرا قیمتی وقت
برباد ہوتا۔'' غزین نے ارمغان کا ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہو کر اپنے ہی وقت کو قیمتی قرار دیا تو اس ٹکر پر دہل جانے کے
باوجود وردہ اس کی خود پسندی پر چڑ گئی۔ اسے اگر بھنک بھی پڑ جاتی کہ غزین نے یہ حرکت ارادتاً کی ہے تو ارمغان
کو ایک بار بھی معافی مانگنے نہ دیتی مگر ارمغان بچھا جا رہا تھا غزین کے سامنے۔

''آئی ایم سوری اگین.....! اور تھینکس کہ آپ نے درگزر سے کام لیا ویسے آپ کو چوٹ۔''

''ارے نہیں بھئی.....! چوٹ نہیں آئی، واقعی نہیں آئی۔'' اب کی بار غزین اندر سے کچھ شرمندہ ضرور ہوا
کہ اس کی دل لگی کی وجہ سے ایک شریف آدمی یوں گلٹی فیل کر رہا تھا۔

''شیور.....!'' ارمغان نجانے کون سی تسلی چاہ رہا تھا۔ وردہ کو تاؤ آ گیا۔

''ہنڈرڈ پرسینٹ.....!'' غزین نے اک نظر پھر وردہ پر ڈالی جو تلملا رہی تھی۔

''ارمغان بھائی.....! چلیے بھی۔'' وہ چند قدم کے فاصلے پر کھڑی کہہ رہی تھی۔

''یہ آپ کی بہن ہیں.....؟'' اصل مقصد یہی تو تھا کہ وہ جان سکے کہ ارمغان سے وردہ کا رشتہ کیا ہے۔

''جی ہاں.....! بہن ہے مگر پھوپھو زاد۔'' ارمغان نے سادگی سے ہر بات سے بے نیاز جواب دیا اور اس
کی ایک دوسری جگہ پر کھڑی کر کے دیکھنے لگا کہ کہیں مزید کوئی ڈنٹ تو نہیں پڑ گیا۔

''ہوں.....! تو یوں کہیے یہ آپ کی کزن ہیں۔'' وہ بائیک پر اور غزین اس کے اور وردہ کے درمیان رشتے
پر ریسرچ کر رہا تھا۔

''جی.....! یہ..... یہ چوٹ..... میرا مطلب ہے یہ ڈنٹ پرانا ہے یا ابھی۔'' ارمغان اس کی بات کا
جواب دے کر بائیک کے نئے پرانے ڈنٹ گن رہا تھا۔

''یہ آپ کی فرسٹ کزن ہیں سیکنڈ یا تھرڈ یا.....؟'' وہ اس کے وردہ سے متعلق سوالات پر قدرے چونکا اور
پھر محسوس سی ناگواری کو ظاہر کیے بغیر وردہ کی طرف بڑھا۔

''جی فرسٹ.....!'' وہ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے دوبارہ غزین کی طرف بڑھا جس کی تفتیش غالباً
اختتام پذیر ہو گئی تھی۔

''او کے.....! پھر ملاقات ہوگی۔'' ارمغان نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''اسی طرح.....؟'' غزین وردہ پر ایک نظر ڈال کر ہنسا تو ارمغان بھی خوش دلی سے ہنس پڑا۔ وردہ ہونٹ
بھینچے سامنے دیکھتی رہی۔

''خدا کرے اس طرح نہیں کسی اچھی طرح۔ او کے خدا حافظ.....!'' ارمغان نے دوستانہ مسکراہٹ پاس
کرتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی تو غزین بہت دور تک دیکھتا رہا۔

''یار..... خدا کا شکر ہے کچھ نقصان نہیں ہوا۔ بندے کا، ویسے بندہ ہے بڑا ہی زبردست۔'' ارمغان
غزین کے متعلق بول رہا تھا۔ وہ اس کی شخصیت سے واقعی بہت متاثر ہوا تھا۔

''جی.....! یہ زبردست چیز وہی زبردست چیز ہے جس کا میں ذکر کر رہی تھی۔'' وردہ پہلی ملاقات میں
مختصراً ایسا ہی تعارف کرا سکتی تھی۔

''ہائیں.....؟ اچھا.....!'' ارمغان چونکا مگر اب سارا دھیان روڈ پر جمائے ہوئے تھا۔

''ویسے یار.....! یہ جتنی بھی زبردست چیزیں ہوتی ہیں ناں بدتمیز کیوں ہوتی ہیں.....؟'' ارمغان کی چشم
تصور میں پری پیکر علیزہ مسکرانے لگی۔

''لیکن میں تو ہرگز بھی بدتمیز نہیں۔'' وردہ نے شوخی سے کہا۔

''جی.....! اس لیے کہ آپ زبردست جو نہیں میں ایک زبردست علیزہ اور دوسرا اس بندے کو زبردست
کہہ رہا تھا۔'' ارمغان چڑ کر بولا۔

''علیزہ زبردست ضرور ہے بدتمیز ہرگز بھی نہیں۔''

''جی ہاں.....! یہ کوئی ہم سے پوچھے تیری کج ادائیوں کی داستاں، تیری بے رخی کے منظر۔'' علیزہ کی کج
ادائی گویا ابھی ابھی دل ناداں کو چھو گئی ہو۔

''ارے ارے.....! ارمغان.....! یہ سب کیا ہے.....؟'' وردہ چیخی۔

• • •

Scanned & Posted by Sanyoo @ OneUrdu.com
UrduPhoto.com

"یہ..... یہ بابا کیوں آ گئے.....؟ بابا نے مجھے یوں دیکھ لیا تو جان سے مار دیں گے مجھے۔ کہا بھی تھا کہ مجھے چادر لے لینے دو ابھی اگر میرے پاس چادر ہوتی تو میں لپیٹ کر ان کے سامنے سے بھی چلی جاتی ان کو پتہ چلتا۔ عطیہ خاتون درست کہتی ہیں چادر عورت کے لیے ڈھال ہے اگر عورت کے پاس یہ ڈھال نہ ہو تو..... اف میں کیا کروں.....؟"

خولہ شہباز کو گاڑی سے نکلتا دیکھ کر رونے لگی تھی۔ دل تھا کہ خوف سے اس طرح کانپ رہا تھا کہ گویا کبھی دھڑکے گا ہی نہیں۔

"اوہو.....! رو تو مت، ہم بات بنا لیں گے تم چلو تو۔" غزل نے اسے اُترنے کو کہا۔

"ہرگز نہیں.....! میں بابا کے سامنے اس لباس میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔" وہ بازو کو اپنے گرد لپیٹ کر چھپنے کی کوشش کرنے لگی۔

"اوکے.....! میں اُترتی ہوں، ابھی انکل کی ملاقات کسی سے نہیں ہوئی، میں ان کو سلام کروں گی تمہارے بارے میں پوچھیں گے میں ان کو بیٹھا کر اندر سے چادر لے آؤں گی پھر تم اوڑھ کر چلی آنا۔" غزل کی ترکیب خاصی قابل عمل تھی۔

"لیکن اگر کسی اور نے ان کو بتا دیا کہ ہم....." خولہ کو طرح طرح کے وسوسے ستا رہے تھے۔

"اوہو.....! مرو مت کچھ نہیں ہوگا۔ ارے بھئی.....! ہمارے گھر والے ہر بات کو انڈر اسٹینڈ کرتے ہیں۔ میں اندر جا کر سب کو منع کر دوں گی۔ انکل کے سامنے کوئی بھی تمہارے جانے کا ذکر نہیں کرے گا۔ مہرین.....! تم گاڑی کو ریورس کر کے ذرا اندھیرے میں کھڑی کر لو، میں چلتی ہوں۔"

غزل اسے تسلیاں دیتی اُتر گئی۔ خولہ کی مارے خوف سے جان نکلی جا رہی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے دعا کر رہی تھی۔

"اللہ میاں جی.....! بابا کو ہرگز بھی پتہ نہ چلے کہ میں کہیں گئی تھی۔"

"ارے آپ.....! انکل.....! اسلام علیکم.....!" غزل نے شہباز کو دیکھ کر یہی ظاہر کیا کہ اس نے ابھی ابھی دیکھا ہے۔ شہباز کو خاصی حیرت ہوئی تھی اسے اس لباس میں دیکھ کر۔

"وعلیکم اسلام بیٹا.....! یوں لگ رہا ہے جیسے آپ کسی تقریب سے آئی ہو۔"

"جی جی انکل.....! آپ اندر آئیے ناں میں بتاتی ہوں۔ وہ ہماری دوست کی برتھ ڈے تھی ناں تو ہم....."

"ہم سب تو کیا خولہ بھی....." چلتے چلتے شہباز رُک کر بولے۔

"جی خولہ..... خولہ تو کمرے میں ہے مہرین اور نورین بھی کمرے میں پڑھ رہی ہیں۔ آپ بیٹھیے نا میں پپا کو بھیجتی ہوں۔" غزل خود بھی گھبرا رہی تھی۔ شہباز کا انداز ہی ایسا تھا اور پھر اپنے پپا کو ساری بات سمجھا کر وہ ان کو شہباز کے پاس بیٹھا کر باہر گئی۔

"انہوں نے کچھ کہا تو نہیں غزل.....! ان کو تمہاری بات پر یقین تو آ گیا ناں کہ نہیں.....؟ وہ بہت سوالات کرتے ہیں۔" خولہ اب بھی رو رہی تھی۔ یہ رونا واقعی خوف کا تھا یا باپ کو، عطیہ خاتون کو دھوکہ دینے کا

تھا۔ وہ خود بھی فیصلہ نہ کر پائی اور اب وہ پردے کی اوٹ سے کتنی دیر سے بابا کا چہرہ پڑھ رہی تھی کوئی ناراضگی نظر نہیں آ رہی تھی بلکہ وہ زیادہ خوش اور فریش نظر آ رہے تھے۔ مگر خود اس کی حالت ایسی تھی گویا اس نے پاپا کی چوری کی ہو۔ نادم نادم سی نظریں جھکائے وہ ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ غزل وغیرہ کے گھر والوں کو معلوم تھا کہ وہ بھی ان کے ساتھ برتھ ڈے پارٹی پر گئی ہے مگر کسی نے بھی بابا سے ذکر نہیں کیا تھا یقیناً غزل کے منع کرنے پر۔

"یہ لوگ کتنا ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں، کتنا اعتماد ہے انکل کو اپنی بیٹیوں پر اور ایک وہ ہے اور اس کے ابا....."

وہ اپنے اور غزل لوگوں کے ماحول کے تضاد میں اُلجھی ہوئی آ گئی۔

"چلیں بابا.....!" نگاہیں جھکی تھیں لہجہ آپ ہی چور سا بن گیا۔

"ہوں، ہاں چلو بیٹا.....!" شہباز نے ایک نظر اسے دیکھا، ڈھیلے ڈھالے لباس اور سر سے پیر تک بڑی چادر کی بکل میں ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو سکی کہ وہ کچھ دیر قبل کس حلیے میں اور کہاں تھی۔

"اور بیٹا.....! خوب پڑھائی ہوئی۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے شہباز نے پوچھا۔ مارے ندامت کے سر ہی دست گئی۔ "جی" کہہ کر چپ ہو گئی۔

"ہوں گڈ.....! یہ لوگ بہت اچھے ہیں، ان کا ماحول بہت اچھا ہے، بچیاں بھی بہت اچھی ہیں اور یوں بھی کمبائن اسٹڈی سے بہت اچھی تیاری ہو جاتی ہے۔ ارے بیٹا.....! یہ رنگ تو تمہاری نہیں، میں نے تو تمہیں ایسی رنگ کبھی نہیں دلائی پھر یہ تمہارے ہاتھ میں..... اور یہ نیل پالش۔"

گاڑی چلاتے چلاتے شہباز کی نظر ایک دم ہی اس کی نازک سی اُنگلی میں خاصی بڑی خوبصورت سی ایک انگوٹھی پر پڑی، ساتھ ہی کیوٹس پر بھی۔ وہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

"اوہ.....! یہ تو مہوش کی رنگ تھی میں نے یونہی پہن کر دیکھی تو آتے ہوئے اُتارنا بھول گئی۔" وہ کھسیانی سی ہو گئی۔ افراتفری میں یاد ہی نہیں رہا، چادر کی اوٹ میں ہاتھ بے ساختہ گلے تک گیا جہاں غزل کا لاکٹ تھا۔ وہ اندر ہی اندر نادم ہونے لگی۔

"اور نیل پالش.....؟" باری باری شہباز سب کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔

"سوری بابا.....! آج بس سب نے لگائی تو میں نے بھی لگا لی۔ اُتار دوں گی۔"

یہ پہلا سچا اعتراف اس کے نادم لہجے میں ڈھلا تو شہباز کچھ سنجیدہ ہو گئے۔ کسی گہری سوچ نے احاطہ کر لیا۔ لیلیٰ کے حوالے سے ایک تلخ یاد آ گئی۔ بننا سنورنا، میک اَپ کرنا، نیل پالش لگانا، یہ سب لیلیٰ کو کس قدر پسند تھا اور شہباز اندر ہی اندر کانپ رہے تھے کہ بیٹی ملے بغیر ماں پر جا رہی تھی۔ انہوں نے پہلے ایک دم فل اسپیڈ کر دی پھر اب غصہ اُترا تو رفتار کم کر کے وہ نرمی سے اسے دیکھنے لگے۔

"ٹھیک ہے بیٹا.....! مگر نیل پالش سے نماز نہیں ہوتی، آپ اس کو پہلی فرصت میں اُتار دو۔"

"جی بابا.....!" اس حکم پر باوجود اس کے کہ وہ دل مسوس کر رہ گئی تھی مگر فرمانبرداری سے سر جھکا دیا۔ شہباز اس کی فرمانبرداری پر نہال ہو گئے۔

"اور ہاں بیٹا.....! آپ کو بتانا تھا کہ ہمارے گھر میں ایک مہمان آیا ہے۔"

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com

"مہمان.....؟ کون مہمان بابا.....!" کسی اجنبی مہمان کا سوچ کر وہ ایک دم ہی خوش ہوگئی کہ [illegible] میں تبدیلی آئے گی۔

"ہارون.....! ہارون میرے فرسٹ کزن کا بیٹا ہے۔ امریکہ سے آیا ہے اور کچھ عرصہ ہمارے ساتھ [illegible] رہے گا۔"

"ہارون بھائی.....! مجھ سے بڑے ہیں یا چھوٹے.....؟" خولہ کو تجسس ہونے لگا۔

"ارے بھئی.....! وہ اتنا بڑا نہیں بس کوئی ایک آدھ سال ہی تم سے بڑا ہوگا۔"

اپنے گھر کے پورچ میں گاڑی کھڑی کر کے شہباز چابی لیے اندر آئے۔ خولہ بھی ان کے پیچھے [illegible] کوریڈور عبور کر کے لاؤنج میں پہنچے تو ایک خوش شکل اسمارٹ سے نوجوان نے ان کا استقبال کیا۔

"آپ نے تو کہا تھا انکل.....! کہ آپ تھوڑی دیر میں آجائیں گے اور اب میری بوریت کی [illegible] ہوگئی ہے۔" ہارون خاصا بور ہوا تھا۔ شہباز کے جانے سے اب وہ برملا اظہار بھی کر رہا تھا۔ ہارون کی نظریں [illegible] میں کھٹی خولہ پر تھیں۔

"سوری ہارون بیٹا.....! بس حبیب صاحب سے باتوں میں دیر ہوگئی۔ خیر ان سے ملو، میری پیاری [illegible] بیٹی.....! میری کل کائنات خولہ.....! اور خولہ.....! یہ ہارون ہے جس کا تعارف میں نے گاڑی میں کرا دیا تھا۔"

"ہائے.....! آپ کیسی ہیں.....؟ آپ ویسے ڈونٹ مائنڈ آپ کہیں سے بھی اتنی ڈیشنگ پرسنلٹی [illegible] کی بیٹی نہیں لگ رہیں بلکہ آپ تو بچہ چرانے والی لگ رہی ہیں۔ وہ بھی بڑی سی چادر لپیٹے کر آتی ہیں [illegible] بائیں نظریں گھماتیں بچہ بغل میں دباتی ہیں اور یہ جا وہ جا اور [illegible]"

"ہارون میاں.....!" شہباز صاحب نے تنبیہی انداز میں کہا۔

♦ ♦ ♦

شہباز کو ہارون کا بے باکی لیے ہوئے انداز برا لگا تو انہوں نے سرزنش کرنے کے انداز میں کہا۔ گو وہ ان کے چہرے پر موجود سنجیدگی میں اس ناگوار احساس کو قطعی پہچان نہ پایا کہ وہ کیا اور کیوں کہہ رہے ہیں۔

"یس انکل.....! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اب دیکھئے ناں خولہ کا کیا حلیہ ہے.....؟" وہ اُلٹے پاؤں ایڑیوں پر گھوم کر پہلے شہباز کی طرف مڑا پھر خولہ کو دیکھنے لگا جس کے حسن کی ایک جھلک بہت دُور لے گئی تھی۔ شہباز نے ایک ناگوار سی نظر اس پر ڈالی دوسری خولہ پر گہرا سانس لیا۔ چابی میز پر رکھ کر خود کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔

"شریف خاندانی لڑکیوں کے حلیے ایسے ہی ہونے چاہئیں۔"

"کہ وہ بچہ چرانے والی ہی نظر آئیں اور....."

"ہارون میاں.....! میرا خیال ہے آپ ضرورت سے زیادہ بولتے ہیں جو کہ اچھی عادت نہیں۔ تمہیں یہاں رہنا ہے تو یہ بات جان لینی چاہیے کہ....."

"کہ دُنیا گونگے اور بہرے لوگوں کی ہے جن کی سماعتیں بصارتیں، جن کی سوچیں قید ہیں، پابند ہیں، صرف وہ سنیں جو یہ سنائیں، صرف وہ دیکھیں جو یہ دکھائیں، صرف وہ سوچیں جن سوچوں کو ان کے پہرے دار دماغ کے علاقے میں داخل ہونے دیں، ہونہہ.....!"

یہ وہ سوچ تھی جو خولہ کے دماغ میں کسی گرداب کی طرح گھوم کر رہ گئی مگر پہرے داروں نے اس سوچ کو الفاظ کا جامہ نہیں دیا۔ وہ صرف ہونٹ بھینچے کھڑی ہارون کو دیکھے گئی۔ ٹھیک ٹھاک نوجوان تھا مگر اس کو لگا اس کی سوچ کے راستے پر اسے اچانک مل جانے والی سواری ہے جس پر بیٹھ کر وہ اپنی پسند کی دُنیا میں پہنچ سکتی ہے۔ اس نے ایک پسندیدہ نظر ہارون پر ڈالی جس کی گہری نگاہیں اس پر سے ہٹی ہی کب تھیں۔

"خولہ بیٹی.....! آپ یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو.....؟ جاؤ چینج کرو اور کھانا کھاؤ۔" شہباز اور عطیہ خاتون کی جہاں دیدہ نگاہیں ہارون کی باغی نظروں کو پڑھ چکی تھیں۔

"جی اچھا.....!" خولہ آہستگی سے بولی لیکن اک عجیب سی خوش تھی۔ اچانک ہی جیسے ویرانے میں بہار

Scanned & Posted by Sanyoo @ OneUrdu.com
UrduPhoto.com

آ گئی تھی۔ خولہ کی زندگی میں ہارون اِک بہار کی حیثیت رکھتا تھا۔ اتنی سی ملاقات میں خولہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ بندہ اپنے مزاج کا ہے۔ وہ دھیرے سے مسکرائی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

''خولہ.....!'' تیزی سے بڑھتے قدم رُکے۔

''جی بابا.....!'' تیزی سے مڑنے کی وجہ سے چادر سر سے ڈھلک گئی اور اس کے سیاہ سنہری بال جن کی آج نئی تراش خراش ہوئی تھی، ریشم کی طرح بے قابو ہو کر لہرا گئے تو ہارون کا دل اور نگاہیں ان زُلفوں کے بل میں اُلجھ کر رہ گئیں اور پھر بابا کے خوف سے وہ بال سنوارتی سمیٹتی، چادر درست کرتی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ہارون نے اس پر اِک گہری نگاہ ڈالی۔ یہ دلفریب منظر بھلا اس نے امریکہ کی آزاد مغربی فضا میں کب دیکھا تھا۔

''جی بابا.....! آپ نے کچھ کہنا ہے.....؟'' وہ بال بمشکل سمیٹ کر بولی۔

''پہلی بات تو یہ بیٹا.....! کہ بال.....'' شہباز ہارون کی نظریں دیکھ رہے تھے۔ وہ تنبیہہ کرنا چاہتے تھے مگر پھر ہارون کے خیال سے اپنی نصیحت کو کسی اور وقت کے لیے اُٹھا رکھا۔

''کچھ نہیں.....! فی الحال جاؤ اپنے ناخن صاف کرو اور پھر کھانا کھاؤ۔''

لہجہ دھیما اور سرد ضرور تھا مگر انداز خاصا کڑا تھا۔ انہوں نے ناخنوں کا نام لیا تو ہارون کی نظریں اس کے خوبصورت ہاتھوں پر ٹھہر گئیں۔ اس کے خوبصورت ہاتھوں کی مرمریں مخروطی اُنگلیوں پر اس کا جی چاہا ایک شعر کہہ ڈالے مگر شہباز کے تیور تو دیکھنے پر بھی پابندی لگا رہے تھے۔ چنانچہ عقلمندی کا تقاضا یہی تھا کہ چپ ہی رہا۔

''جی بابا.....! ابھی اُتارتی ہوں۔'' خولہ نے اپنے ہاتھ چادر میں چھپا لیے تو ہارون کو اس وقت شہباز ایک دیو کی طرح لگے جس نے اس حسین شہزادی کو قید کر رکھا تھا اور عطیہ خاتون جیسی چلا قسم کی عورت پر پہرہ بٹھا رکھی ہے۔ خیر یہ تو پہلی ملاقات تھی وہ ماحول کو جان سمجھ کر ہی بولنا چاہتا تھا۔ کچھ آزاد خیال مرد تھا اور بنیادی طور پر اس بات کا قائل کہ ہر انسان کو شخصی آزادی ہونی چاہیے مگر یہاں تو اسے ہر بات اپنی سوچ کے اُلٹ نظر آ رہی تھی اور اتنی سی دیر میں وہ یہ بھی سمجھ گیا تھا کہ خولہ کو یہ رُوپ، یہ پابندی، زندگی کا یہ انداز پسند نہیں۔

''ڈونٹ وری سوئٹ ہارٹ.....! میں آ گیا ہوں ناں۔ ڈونٹ وری.....!''

ہارون نے اِک گہری نظر خولہ پر ڈالی جواب جا رہی تھی۔

• • •

''آپ نے بلایا ہے شہباز صاحب.....!'' عطیہ خاتون عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر آ گئیں تو شہباز نے جو کتاب پڑھ رہے تھے چشمہ اُتار کر ایک طرف رکھا اور کتاب کے بیچ یادداشت کے لیے اپنا ہاتھ رکھا اور اشارے سے عطیہ خاتون کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''شکریہ.....!'' وہ بیٹھ کر سوالیہ نظروں سے ان کو دیکھنے لگیں۔

''عطیہ خاتون.....! ہارون میرے کزن کا بیٹا ہے۔ اس کزن کا جس کے بہت احسانات ہیں مجھ پر اور میری ہمیشہ سے کوشش اور دُعا رہی تھی کہ کبھی میں بھی ناصر بھائی کے کام آؤں اور اب جبکہ خدا نے یہ موقع دیا ہے تو میں اُلجھ سا گیا ہوں کہ کیا کروں.....؟''

وہ ہارون کی حرکتوں کی وجہ سے واقعی بہت پریشان ہو گئے تھے۔ ہارون خاصا بے باک لڑکا تھا اور عطیہ خاتون بھی سمجھ رہی تھیں کہ ان کو ہارون کی آمد سے کیوں پریشانی ہے۔ وہ خود بھی اُلجھی ہوئی تھیں تاہم انہوں نے اپنی منفی سوچ کا اظہار ضروری نہیں سمجھا۔

''شہباز صاحب.....! جیسا کہ آپ نے بتایا کہ ہارون آپ کے محسن کا بیٹا ہے، جب آپ کے ناصر بھائی نے آپ کی مدد کے وقت اپنے کسی فائدے یا نقصان کو اہمیت نہیں دی ہوگی نا تو میرا خیال ہے کہ آپ بھی ہر منفی سوچ کو اپنے ذہن میں آنے سے روکیں۔ ٹھیک ہے لڑکا مغربی رنگ میں رنگا ہوا ہے مگر ہمیں اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد خولہ پر، اپنی تربیت پر، ایسا کچھ نہیں ہوگا اور کیوں ہوگا.....؟ خولہ نے ہمیں کبھی مایوس نہیں کیا۔ وہ اپنی نہیں ہماری سوچ میں ڈھلی ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہوگا کہ آپ ہارون سے کوئی بات نہ کریں۔ ہم ہیں اس کو دیکھ لیں گے۔''

عطیہ خاتون نے شہباز کے ساتھ ساتھ خود کو بھی تسلی دے کر مطمئن کر دیا۔

''آپ درست کہہ رہی ہیں لیکن پھر بھی احتیاط کا پہرہ نہ ہو تو نادانی کی عمر کبھی کبھی.....''

''ہم سب پر سب سے بڑی احتیاط کا پہرہ ہر وقت ہوتا ہے شہباز صاحب.....! اور سب سے بڑی احتیاط کے پہرے میں کسی عمر کی نادانی آ کے بہکا نہیں سکتی۔ آپ مطمئن رہیے اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک ہدایت دے، آمین.....!''

ٹھنڈے گہرے لہجے کی چھاؤں شہباز کو مطمئن کر گئی۔ انہوں نے مطمئن سی نظروں سے عطیہ خاتون کو دیکھا۔

''شکریہ عطیہ خاتون.....! ہر بار کی طرح اس بار بھی آپ نے مجھے مطمئن کر دیا۔ سوچتا ہوں جانے کب، کہاں ایسی نیکی ہو گئی تھی کہ خدا نے آپ جیسی دوست زندگی کے طویل اور کٹھن راستے کو خوشگوار بنانے کے لیے ہمراہ کر دی ورنہ میں تو عورت ذات سے متنفر ہو گیا تھا لیلیٰ کی وجہ سے۔''

شہباز نے ممنون سی نظر عطیہ خاتون پر ڈالی جن کے کردار سے وہ اس قدر متاثر تھے کہ چاہتے تھے خولہ ان کے کردار کے سانچے میں ڈھل کر ایک سچی پکی مسلمان لڑکی بن جائے جس کے کردار کے قلعے کو کوئی فتح نہ کر سکے، جس کے قدم ہمیشہ درست سمت میں اُٹھیں اور جس کی لوگ تقلید کریں۔

''آپ خود کو کیا سمجھتے ہیں شہباز صاحب.....! کوئی توپ چیز یا طرم خان.....؟ آپ بوکھلائے اور ہارے ہوئے انسان ہیں، پرکھ کے سفر میں آپ نے لیلیٰ کو نہیں خود کو کھویا ہے، اس کو دہرایا نہیں خود ہار کی طرف بڑھ رہے ہیں مگر کاش یہ بات آپ کی سمجھ میں آ جاتی تو آج خولہ یوں ماں اور باپ کے ہوتے ہوئے ڈانواں ڈول زندگی نہ گزار رہی ہوتی۔ آپ نے تو زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا ہے اس پر کہ وہ اسے توڑنے کے بہانے تراشنے لگی ہے اور خدا نہ کرے کہ.....''

آگے کا سوچ کر خود عطیہ خاتون کو جھرجھری سے آ گئی۔ انہوں نے اپنی تسبیح سنبھالی اور وہاں سے آ گئیں۔

• • •

''یس.....! ارے.....! آپ.....! ہارون بھائی.....!''

خولہ دوپٹہ اُتارے نوٹس تیار کر رہی تھی کہ ایک بار ہلکی سی دستک ہوئی اور اس کی پوری طرح اجازت بھی نہ

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com

ملی تھی کہ ہارون جینز کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے اندر آ گیا۔ تب خولہ نے بھاگ کر بیڈ پر پڑا ڈوپٹہ اٹھا کر شانوں پر پھیلایا، بال جو دھونے کے بعد ابھی آزاد ہی تھے، دوپٹے میں چھپانے کی ناکام کوشش کرتی ہارون کو اور بھی اچھی لگ رہی تھی۔ گہری نگاہوں کا طلسم اثر کر رہا تھا۔ خولہ کے چہرے، اس کے وجود پر کسی بھی نوجوان مرد کی نگاہوں کا پہلا فسوں تھا کہ وہ اُلجھ اُلجھ رہی تھی۔

''آپ بیٹھئے ناں ہارون بھائی.....!'' جس طرح اس کی تربیت ہوئی، جس قسم کی اس پر پابندیاں تھیں اس لحاظ سے ایک غیر نوجوان کا اس کے کمرے میں آ جانا، یوں گہری توصیفی نظروں سے اس کے چہرے کو پڑھنا کوئی معمولی بات نہیں تھی اس کے لیے۔

''واٹ نان سینس.....! دیکھو خولہ.....! میں کوئی تم سے دس سال بڑا نہیں ہوں کہ تم بھائی شائی کہو.....! تم صرف میرا نام لیا کرو، اوکے.....! صرف ہارون.....!''

ہارون کھول ہی تو اُٹھا تھا اس کے بھائی کہنے پر۔

''اوکے ہارون.....! پلیز بیٹھئے.....!'' خولہ کے ساتھ یہ سب پہلی بار ہو رہا تھا اور اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''ہوں.....! گڈ گرل.....! لگتا ہے تم پر زیادہ محنت نہیں کرنا پڑے گی۔ میرا مطلب ہے کہ آؤ ناں بیٹھو، باتیں کریں۔ میں جس دن سے آیا ہوں تم خود کو یا تو کمرے میں لاک رکھتی ہو یا بڑی سی چادر کی بکل میں خود کو چھپائے پھرتی ہو۔ نہ بات، نہ چیت، آؤ کہیں باہر چلتے ہیں۔''

ہارون نے بے تکلفی سے اس کا نرم ہاتھ تھاما تو کسی نوجوان مرد کے ہاتھ کی مضبوط گرفت پر خولہ کے بدن میں بجلیاں سی کوند گئیں، چہرہ سرخ ہو کر تپ گیا، ہاتھوں میں نمی اُتر آئی جس کو ہارون نے بھی محسوس کیا۔ کلی کلی منڈلانے والا مغربی ماحول کا پروردہ یہ نوجوان حسن کی یہ ادائیں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ اس نے تو حسن کی بے باکیاں دیکھی تھیں، حسن ایسا بھی ہوتا کہ ہاتھ لگنے سے چھوئی موئی کی طرح سمٹ جائے یہ اس نے پہلی بار دیکھا تھا مگر وہ حسن کی جن بے باکیوں کا عادی تھا وہی دیکھنا چاہتا تھا۔ خولہ کو دیکھ کر تو اس نے سوچا تھا کہ انگلینڈ میں قیام خوبصورت اور رنگین گزرے گا مگر خولہ تو بہت مختلف لڑکی تھی اور وہ تو کچھ ہی عرصے میں بور ہو گیا تھا تو تین ماہ کا عرصہ تو بہت مشکل گزرتا جبکہ والدین کی طرف سے سختی سے ہدایت تھی کہ وہ شہباز انکل کے ہاں ہی قیام کرے گا اور خولہ کو دیکھ کر اسے خوشی ہوئی تھی مگر اس کے رویے محتاط انداز اور پردے نے اسے بور کر دیا تھا۔ چنانچہ اپنے قیام کو رنگین کرنے کے لیے اسے کچھ تو کرنا ہی تھا۔

''اپنے قیام کو کلرفل بنانے کے لیے تمہیں تمہارے خول سے نکالنا ہی ہوگا خولہ ڈیئر.....!''

اس کی لرزتی پلکوں پر نظریں جمائے وہ سوچ کر رہ گیا۔

''ہارون.....! آپ میرا ہاتھ چھوڑ دیجئے اور آئندہ کبھی میرا ہاتھ مت پکڑیئے گا۔''

اور وہ شریر سا احساس جو ہارون کے ہاتھ پکڑنے سے گدگدیاں کرنے لگا تھا غائب ہو کر فوری طور پر بابا کا خوف غالب آ گیا۔ اس نے تڑ ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔

''اوکے.....! نہیں پکڑوں گا لیکن ہاتھ پکڑنے سے کیا ہوتا ہے.....؟ انسان کی نیت صاف ہونی

''نہیں.....! آپ بابا کو نہیں جانتے۔ وہ ان باتوں کو بالکل بھی پسند نہیں کرتے ہیں۔ لڑکے لڑکیوں کو ایک فاصلے پر رہ کر بات کرنی چاہیے اور آپ آئندہ میرے کمرے میں بھی مت آئیے گا۔ بابا اور عطیہ خاتون کو یہ باتیں بالکل بھی پسند نہیں۔''

خولہ نے دبی دبی آواز میں کہا اور چور نظروں سے باہر کا جائزہ لینے لگی کہ کہیں عطیہ خاتون یا بابا نے دیکھ لیا تو اسے کتنی وضاحتیں دینی پڑیں گی اور ہارون کو ڈانٹ بھی پڑ سکتی ہے بابا سے اور ہارون جو بہار کی آمد کی طرح لگا تھا، چلا جائے یہ وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ بے شک وہ اس سے بات نہ کرے مگر جب سے آیا تھا اک زندگی کا سا احساس ہو رہا تھا، خوشگوار احساس۔

''آئی نو خولہ.....! تمہارے بابا کو یہ سب پسند نہیں لیکن کیوں.....؟ یہی تو میں جاننا چاہتا ہوں۔ ڈونٹ یو نو تمہارے گھر کا ماحول تو اچھا خاصا جیل کا سا ہے اور عطیہ خاتون ایک کرخت جلاد ٹائپ جیلر، یہ کوئی زندگی ہے.....؟ تمہیں یہ سب پسند نہیں نا.....؟''

خود ہی سوال کر کے خود ہی جواب دے کر وہ اس کی خوبصورت آنکھوں میں جواب تلاش کرنے کے لیے رکا مگر زیادہ وقت نہیں ہوئی، تلاش میں کیونکہ صاف اور بڑا بڑا درج تھا کہ 'نہیں'۔''

''ہارون.....! مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا آپ یہ سب کیا کہہ رہے ہیں.....؟ میں ایسی ہی زندگی گزارنے کی عادی بنائی گئی ہوں اور میں مطمئن ہوں۔''

اس نے اس زندگی سے بیزاری کو چھپانے کے لیے نظریں چرا لیں تو وہ اس کے سامنے آ کر عین اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''تم غلط کہہ رہی ہو، تم بالکل بھی مطمئن نہیں ہو اس زندگی سے۔''

ہارون کے لہجے کا یقین اس کے اندر ہوتی کشمکش کا آئینہ بن گیا تو جی میں آیا کہ اس انقلابی بندے کو دوست بنا کر سب کچھ بتا دے کہ کس طرح اس کے بابا نے اس کی زندگی کو غیر معمولی بنا دیا ہے، سب سے انوکھا اور مختلف، اسے نارمل زندگی کا کوئی ذائقہ چکھنے کی اجازت نہیں دی تھی اس کے بابا نے، اس کی ہر عمر کے ہر ہر احساس کو اپنی پسند کا زہر پینے پر مجبور کیا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے اس تضاد، اس انداز سے تنگ آ گئی تھی، وہ زندگی کے ہر رنگ کو اپنے خوابوں کے کینوس پر اُتارنا چاہتی ہے، ہر خواب کی تعبیر چاہتی ہے مگر اس کے بابا اور عطیہ خاتون نے تو اس کے ہر احساس، ہر خواب کو اپنی سوچ کے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ اتنا کچھ سوچنے اور چاہنے کے باوجود وہ ہارون سے کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

''ہارون.....! آپ ابھی ہمارے ماحول کو سمجھے نہیں۔ پلیز.....! آپ چلے جائیں! بابا آ جائیں گے تو بہت مشکل ہو جائے گی ہم دونوں کے لیے۔ ان کو یہ سب پسند نہیں۔''

مارے خوف کے آواز اس کے حلق میں پھنس رہی تھی، آنکھیں خوف سے اور بھی خوبصورت لگ رہی تھیں۔ ہارون ان میں دیکھنے لگا۔

''بابا کو یہ پسند نہیں، بابا کو وہ پسند نہیں، مجھے بتاؤ تمہیں کیا پسند ہے.....؟ تم کیا چاہتی ہو.....؟''

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com

زندگی نے شاید پہلا موقع دیا تھا اسے کہ کوئی اس سے پوچھ رہا تھا تم کیا چاہتی ہو۔ اس کی مرضی، اس کی پسند کی ننھی منی تتلیوں کو تو کبھی اُڑنے کے لیے آزاد فضا ملی ہی نہیں تھی کہ وہ آزاد فضا کی پرکیف لطافتوں کو محسوس کر سکیں، ان کے رنگوں کو تو اپنی پسند اور مرضی کے سرد خانے میں برف کی سلوں پر ڈال دیا تھا، نہ قوتِ پرواز رہی تھی نہ پروں پر حسین رنگ۔

"بولو ناں خولہ.....! تم کیا چاہتی ہو.....؟" ہارون نے چٹکی اس کے سامنے بجا کر اسے خیالوں کی دنیا سے باہر گھسیٹا تو خولہ کا جی چاہا آج سب کچھ کہہ ڈالے جواب تک ضبط کی سل تلے دبا ہوا تھا، سب کہہ ڈالے۔

"میں..... میں اپنی پسند کی زندگی جینا چاہتی ہوں ہارون.....! میں اپنی پسند کی فضا میں سانس لینا چاہتی ہوں، پرواز کرنا چاہتی ہوں، دُور بہت دُور، اُونچا ہی اُونچا، بلندیوں کو سر کرنا چاہتی ہوں، اپنی ذات کا اظہار چاہتی ہوں، اپنی پہچان چاہتی ہوں، میں کسی حسین رنگوں والی تتلی کی طرح پھولوں سے رنگ اور خوشبو چرانا چاہتی ہوں، میں..... میں بہت کچھ کرنا چاہتی ہوں ہارون.....! بہت کچھ۔"

خولہ کی اَن کہی تمام خواہشات لفظوں کے لبادے اوڑھے کسی تتلی کی طرح اُڑنے لگیں۔ ہارون پر اشتیاق نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ آزاد فضاؤں کا آزاد سوچ کا مالک، اس کو خولہ بہت مظلوم نظر آئی۔ وہ جانتا تھا کہ خولہ اور اس کا ماحول دو متضاد چیزیں ہیں زیادتی ہے خولہ کے ساتھ وہ جس عمر کی لڑکی ہے اس عمر کی لڑکی تو واقعی تتلی کی مانند ہوتی ہے مگر وہ تو دقیانوسی بابا کی سوچ کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی جو کہ اس کے خیال میں خولہ کے ساتھ زیادتی نہیں ظلم تھا مگر اب وہ اس کی مدد کرنا چاہتا تھا تب ہی اس نے شہباز کی ہر وقت اپنی نگرانی پر مامور نظروں اور کبھی براہِ راست اور کبھی ڈھکے چھپے انداز میں کن جانے والی نصیحتوں کو چٹکی میں اُڑا دیا تھا۔ اب اس کی پرواہ کون کرتا۔ لہٰذا بہت کچھ سوچ کر اس نے دوستی کا ہاتھ خولہ کی طرف بڑھایا۔ یہ ہرگز نہیں تھا کہ وہ خولہ پر مرتا تھا۔ وہ صرف اس لڑکی کی مدد کرنا چاہتا تھا جو اس کی دانست میں ظالم جن کی قید میں تھی۔

"ہوں.....! تو اگر تم ایسا ہی چاہتی ہو تو لاؤ دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ.....! ملاؤ ہاتھ پھر دیکھنا تمہارا یہ دوست تمہارے لیے کیا کرتا ہے۔"

وہ اپنا بڑا سا مردانہ ہاتھ اس کے سامنے پھیلائے اس کے چہرے کو بغور پڑھ رہا تھا۔ خولہ کے دل میں عجیب سی ہلچل مچا دی تھی ہارون نے۔ اس کے ساتھ بھی یہی تھا کہ وہ بھی اس پر نہیں مری تھی مگر وہ اسے اپنی سوچ میں ڈھلا ہوا پہلا مرد ملا تھا کس طرح کچھ بتائے بغیر اس کو جانا تھا، اس کو سمجھ لیا تھا۔ جی چاہا اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے مگر اسے بابا اور عطیہ خاتون سے شدید خوف آ رہا تھا۔ یوں بھی اس روز اس نے غزل وغیرہ کے کہنے میں آ کر جو بابا سے بددیانتی کی تھی اس ملال کا کرب ابھی اندر کہیں موجود تھا۔ وہ بابا اور عطیہ خاتون کو دھوکا دینا نہیں چاہتی تھی تب ہی پر جبر کر لیتی مگر آزادی کی نوید لیے ہارون منتظر تھا۔ دل تھا کہ بضد تھا دماغ تھا کہ روکے ہوئے تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو خولہ.....! دوستی کرنے میں اتنی سوچ بچار کر رہی ہو اور جو کبھی میں نے تمہیں پرپوز کر دیا تو ساری زندگی سوچ میں گزار دو گی اور میں کنوارہ رہ جاؤں گا، کم آن.....!" ہارون نے ہاتھ مزید قریب کر دیا، اتنا کہ اس کے ہاتھ سے ٹکرا گیا۔ اسے جیسے کرنٹ لگا۔ وہ پیچھے ہٹ گئی۔ دل خوف سے دھڑک اُٹھا۔ اس نے

بند کر دروازے کو دیکھا مگر یہ وہ وقت تھا جب بابا مطالعے میں اور عطیہ خاتون نماز کے بعد اپنے وظائف میں مصروف ہوتی تھیں اور ہارون نے بھی انہی روٹین سے فائدہ اُٹھایا تھا۔

"نہیں میں..... میں آپ سے دوستی نہیں کر سکتی.....!" دل کا خوف کپکپاتے لبوں تک آ گیا۔

"کیوں.....؟" وہ بھی ہاتھ پھیلائے بضد کھڑا تھا۔

"بابا اور عطیہ خاتون کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کے درمیان رشتہ تو ہو سکتا ہے دوستی نہیں۔" چاہنے کے باوجود اس نے دوستی کے لیے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ پرے کر دیا تو ہارون کو غصہ آ گیا۔ وہ بھلا ان باتوں کا عادی کہاں تھا۔ لڑکی سے دوستی اس کا پرابلم کبھی بھی نہیں تھا مگر یہ لڑکی، اس کا تو فلسفہ ہی نرالا تھا۔

"اچھا.....! یہ تو ہو گیا بابا اور عطیہ خاتون کا فارمولا، تم بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے.....؟ تم لڑکی لڑکے کی دوستی کو کس نظر سے دیکھتی ہو.....؟ تمہارا کیا خیال ہے مرد اور عورت کے بیچ رشتے کے علاوہ دوستی ہونی چاہیے کہ نہیں.....؟ میں صرف تمہاری رائے پوچھ رہا ہوں ہونی چاہیے کہ نہیں.....؟ ایسی سادہ سی، بے ضرر سی دوستی جس میں مطلب کوئی نہ ہو، کوئی غرض نہ ہو جھٹ انجوائے منٹ ہو، ٹائم پاس ہو۔ بس ہونی چاہیے ایسی دوستی کہ نہیں.....؟" ہارون کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ اپنے دلائل کے ساتھ خولہ کے دل و دماغ پر اثر انداز ہو رہا ہے اسے بھی تو یہاں اپنے قیام کو رنگین بنانا تھا وہ اتنی حسین لڑکی کے ساتھ گھومنا پھرنا چاہتا تھا، اپنے دوستوں سے ملوا کر داد حاصل کرنا چاہتا تھا کہ اس کی گرل فرینڈ ان سب کی گرل فرینڈز سے زیادہ حسین ہے۔

خولہ کی تو عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔ یہ اچانک زندگی میں کیسی رُت آئی تھی کہ اس کی پسند کے رنگ، پھول بکھر گئے تھے بس اس کے سمیٹنے کی دیر تھی اس نے بھی اپنی دوستوں سے ان کے بوائے فرینڈز یا کزنز کے بہت سے رنگین قصے سنے تھے مگر خود اس کی زندگی کی کتاب میں تو ایسا کوئی رنگین باب تھا ہی نہیں۔ لہٰذا چپ چاپ آنکھیں پھیلائے دلچسپی سے ہر ایک کے قصے سنتی تو اندر کہیں اِک بے نام سی خواہش دبے پاؤں چلی آتی کہ کاش میرے ساتھ بھی ایسا ہو اور آج وہ خواب بھی پورا ہوا چاہتا تھا مگر بابا اور عطیہ خاتون کا خوف جلاد قسم کے پہرے دار کا کردار ادا کر رہا تھا۔

"یہ تم ہر بات میں اتنا سوچتی کیوں ہو.....؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری سوچ اور خواہش میں بہت تضاد ہے۔ دیکھو تم وہ کرو جو تمہارا دل چاہتا ہے، دوسروں کی مت سنو۔ یہ زندگی انسان کو ایک بار ملتی ہے۔ اگر انسان اس زندگی کو بھی انجوائے نہیں کرے گا تو کیا کرے گا۔ یوں بھی ہر انسان کو اللہ نے آزاد پیدا کیا ہے اور اسے اپنی پسند کی زندگی گزارنے کا پورا حق حاصل ہے۔ دیکھو یہ جو عطیہ خاتون اور تمہارے بابا ہیں ناں، انہوں نے بھی اپنی ہر عمر کی ہر بہار کو انجوائے کیا ہو گا پھر تم پر یہ پابندیاں کیوں.....؟ تم پر تو قیدیوں جیسی نگرانی ہے، ضرورت سے بات نہیں کر سکتیں، ہنس نہیں سکتیں، میک اَپ نہیں کر سکتیں، نیل پالش تم نہیں لگا سکتیں۔ میں نے تو دیکھا ہے تم اپنی کسی دوست کے ہاں جا نہیں سکتیں۔ میرا تو خیال ہے بوائے فرینڈ تو دُور کی بات ہے تمہاری کوئی گرل فرینڈ بھی نہیں۔ کم آن خولہ.....! اٹس یور لائف.....! تم اپنی پسند سے جیو مگر میں نے دیکھا ہے زندگی تمہاری ہے جی تمہارے بابا اور عطیہ خاتون رہے ہیں۔"

"یہ ہارون کیا چیز ہے.....؟ کتنا جانتا ہے مجھے، کتنا سمجھ رہا ہے مجھے، ایک نہیں سمجھتے تو میرے بابا ہی مجھے

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

نہیں سمجھتے، میں کیا چاہتی ہوں نہ سمجھتے ہیں نہ قبول کرتے ہیں۔" دُکھ کا ایک گہرا احساس اندر تک اُتر گیا تو اک گہری سی سانس لے کر اس نے ہارون کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"میں نے جو پوچھا ہے تم نے اس کا جواب نہیں دیا خولہ.....! دیکھو میں کوئی غیر نہیں ہوں، تمہارا کزن ہوں، ہمارے والدین بھی آپس میں کزن ہیں، مجھ سے دوستی میں کیا مشکل ہے.....؟ ہاں تمہیں ذاتی اعتراض ہے تو میں کچھ نہیں کہوں گا۔ دیکھو میں نہ تو تم سے فلرٹ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں نہ ہی کوئی محبت وغیرہ کا ڈرامہ چلاؤں گا۔ صاف نیت کا آدمی ہوں، لڑکیوں اور لڑکوں سے اچھی دوست کرنا چاہتا ہوں اور تم سے بھی دوستی کرنا چاہتا ہوں، کر لو بہت مخلص دوست ثابت ہوں گا۔" ہارون نے صاف لہجے میں کہا۔ اس کے لہجے یا الفاظ سے کہیں بھی اس کی بدنیتی کی گواہی نہیں دی تب ہی تو خولہ کو بھی اچھا لگا تھا یوں بھی کسی غیر نوجوان مرد سے بات چیت، یہ تنہائی یہ باتیں زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا، اس نے بھی اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔

"ہارون.....! میں بھی عام سی نارمل سی لڑکی ہوں، میں بھی وہ سب کچھ کرنا چاہتی ہوں جو اس عمر کی دوسری لڑکیاں کرتی ہیں، میں اپنی پسند کا لباس پہننا چاہتی ہوں، سب کچھ کرنا چاہتی ہوں مگر بابا کے ساتھ نجانے کیا پرابلم ہے کہ انہوں نے کبھی مجھے نارمل زندگی گزارنے نہیں دی۔ اپنی مرضی اور پسند کا طوق میرے گلے میں ڈالا۔ میں اپنی عمر کی ڈھیر ساری خواہشات کو دبائے جی رہی ہوں، ٹی وی میری زندگی کی حسرت بنا دیا گیا اور.....اور....."

اس کی گھٹی گھٹی خواہشات اظہار کی راہ پاتے ہی بیان ہونے لگیں۔ اس نے چپکے سے ہاتھ ہارون کے ہاتھ پر رکھ دیا تو اس نے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ ہارون کو اس پیاری سی لڑکی سے ہمدردی ہونے لگی۔ اس نے واقعی اس کی مدد کرنے کے لیے اس کے بابا سے بھی ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا۔

• • •

تیمور نے ذرا تیز لہجے میں کہا تو منیب زور سے ہنس پڑا۔

"ہوں.....! دل کے بہلانے کو غالب خیال اچھا ہے کہ ماہم یہ سن کر پھٹ پڑے گی یا انکار کر دے گی۔ ہوں.....! اچھی تسلی ہے خود کو اس تلخ حقیقت سے بچانے کے لیے مگر ماہم کسی صورت انکار نہیں کرے گی کیونکہ یہ بڑوں کا فیصلہ ہے۔ اسے ہر حال میں سر جھکانا پڑے گا ورنہ زبردستی بھی ہو سکتی ہے اس کے ساتھ کیونکہ جب عارف نے ہاں کہہ دی تو انکار کی اس کی مجال نہیں۔"

موبی کو لگ رہا تھا کہ وہ کوئی بہت بڑی جنگ جیت گیا ہے ہاں ماہم جیسی تیز اور اکھڑ لڑکی پر حکمرانی کوئی معمولی جیت تو نہیں۔ اس نے بہت سے حساب بے باق کرنے تھے ماہم کے ساتھ۔

"چلو گاؤں آباد ہو گا تو ہم بھی دیکھ لیں گے وقت سے پہلے چور چور کیا چلانا۔ ویسے ماہم ایک کڑوا بادام ہے جسے چبانے کے لیے بہت بڑا دل گردہ چاہیے۔"

تیمور کو پورا یقین تھا کہ ماہم جس قسم کی دلیر اور مضبوط انڈر لڑکی ہے اور جو شرجیل کی وجہ سے اس سے شدید نفرت کرتی ہے، اس کے ساتھ شادی کے لیے ہرگز تیار نہیں ہو سکتی۔ اس کی بات پر موبی نے سگریٹ کا گہرا کش لیا اور فضا کو دھوئیں سے آلودہ کر دیا۔

"تم میری فکر نہ کرو تیمور.....! ایک بار کڑوا بادام دانتوں تلے آنے تو دو۔"

"ویسے موبی.....! تکلف برطرف تمہیں کتنے پرسینٹ یقین ہے کہ ماہم تمہارے لیے مان جائے گی.....؟"

"ایک پرسنٹ بھی نہیں لیکن مائی ڈیر.....! جو ڈرامہ میں کھیلوں گا ناں اس کے بعد ماہم صرف اور صرف.....خیر تم اتنا کرید کرید کر کیوں پوچھ رہے ہو.....؟"

"مجھے چھوڑو.....! ثنا کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے.....؟"

تیمور کو موبی پر حیرت ہو رہی تھی کہ ثنا پر وہ بچپن ہی سے مرتا تھا اس کی طرف کوئی دیکھ بھی لیتا تو وہ مرنے مارنے پر تل جاتا پھر اب تو اس نے ثنا کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ ثنا کے ذکر پر یک بارگی دل دھڑکا بھی، چہرے پر سایہ بھی لہرایا مگر ثنا ماہم کے سامنے دُھندلا گئی۔ ماہم تو اس کا چیلنج بن گئی تھی۔ اس نے تھپڑ مارا تھا اس کے منہ پر اپنے لوگوں کے سامنے، اس کے ماہم کے سلسلے میں جو عزائم تھے ان کو پورا کرنے کے لیے بزرگوں نے خود ہی موقع فراہم کر دیا تھا تو وہ موقع گنوانا کیسے، وہ تو اس اچانک مہربانی پر خوش ہو گیا تھا۔

"میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں، جہاں اس کا دل چاہے گا شادی کرے یا جہاں اس کے والدین کریں وہاں کرے۔" موبی انتہائی بدتمیزی سے ثنا سے دست بردار ہوا تو تیمور کو غصہ آ گیا۔

"ذات پہچاننے کے لیے ایک نگاہ ہی درکار ہوتا ہے تم تو....."

"شٹ اَپ.....!" تیمور کی بات کا مطلب سمجھ کر موبی بھنا گیا اور پھر تیزی سے باڑھ پھلانگتا ہوا کوریڈور کی طرف مڑ گیا۔

• • •

"تھینک یو سو مچ واصف.....! میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں آپ کا شکریہ کس طرح ادا کروں۔ نہ میرے پاس الفاظ ہیں نہ ہمت لیکن واصف.....! آج آپ نے سب کے سامنے میری عزت کا بھرم رکھ کر مجھے گویا غلام بنا لیا ہے۔ اب آپ جس طرح رکھیں گے مجھے کوئی اعتراض نہیں، میں کم نصیب یہ جان ہی نہ سکی، آپ کو پہچان ہی نہ سکی، نہ شادی سے پہلے اور نہ شادی کے بعد، اتنا عرصہ صرف میں نے آپ کے ساتھ ایک چھت تلے زندگی گزاری ہے، آپ کو جانا نہیں، پہچانا نہیں، ہمیشہ کنارے پر بیٹھ کر آپ کو دیکھا، آپ کی گہرائیوں میں اُتر کر راز کو پایا نہیں، کتنی کم فہم ہوں ناں میں۔ اوہ میرے خدا.....! لیکن آپ نے مجھے کتنا درست جانا ہے، اس سے بڑھ کر کسی بھی بیوی کی عزت کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا شوہر، اس کا مجازی خدا اس کی پارسائی کی گواہی دے اور کہے کہ میری بیوی آئیڈیل بیوی ہے۔ واصف.....! آپ.....آپ کو نہ جان کر میں نے ہی غلطی کی ہے، میں ہی غلط تھی، آپ میرے محسن ہیں واصف.....! محسن ہیں۔"

آمنہ جس نے زندگی کے پچیس سال کسی بھٹی میں گزارے تھے، لمحہ لمحہ اذیت کا زہر قطرہ قطرہ رگوں میں اُتارا تھا، آج واصف نے وہ زہر امرت کر دیا تھا، وہ آگ بجھا دی تھی۔ آمنہ کو لگا وہ دُنیا کی حقیر ترین شے تھی جس کو واصف نے اپنے سر کا تاج بنا لیا تھا۔ آج آمنہ کو واصف سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ جانے وہ تمام زخم کیسے یوں اچانک بھر گئے تھے جو ہر وقت رستے رہتے تھے، جن کی دُکھن اسے ایک پل بھی سکھ کا گزارنے نہیں دیتی تھی، آج

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

کے معجزے پر ابھی وہ شوہر کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔ اللہ کے شکرانے کے تو وہ خود کو قابل ہی نہیں سمجھتی تھی۔ واصف بے حس و حرکت کرسی پر بیٹھے تھے جبکہ آمنہ ان کے پاؤں پکڑے بیٹھی روئے جا رہی تھی۔ واصف کی عجیب سی حالت تھی یوں جیسے شدید قسم کا اِک بے نام سا طوفان تھا، انجانے جھکڑ تھے جو دل میں ہر وقت تباہی و بربادی کا سماں رکھتے، اِک آگ تھی جو ہر وقت جلا جلا کر راکھ کرتی مگر آج یک لخت لمحہ بھر میں وہ آگ بجھ گئی تھی۔ سکون، ڈھیروں اطمینان کہاں سے آ گیا تھا، بھڑکتے شعلوں پر پانی کس نے ڈال دیا تھا کہ ہر طرف سکون سکون تھا، فضا کتنی نکھری نکھری اور روپہلی لگ رہی تھی جیسے برسات کے بعد ہر شے دُھل کر نکھر جاتی ہے اور سورج کی سنہری نرم کرنیں ہر شے کے حسن کو مزید نکھار دیتی ہیں۔ یہ سب کیا تھا، کیوں تھا، واصف کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

آمنہ کی دُعائیں سن لی تھیں اللہ تعالیٰ نے تب ہی تو یہ سب آپ ہی آپ ہو گیا تھا مگر آج جو ہوا تھا کتنا اچھا ہوا تھا لیکن کبھی کبھی یہ اچھا ہو جانے والا بھی انسان کے حواس چھین لیتا ہے جو کچھ آج ہوا بالکل اچانک ہوا تھا۔ واصف نے تو ایک بھی آمنہ کے حق میں گواہی دینے کا نہیں سوچا تھا پھر یہ کیا ہو گیا تھا، خدا کی طرف سے ہدایت کی کیسی روشنی اُتری تھی کہ آنکھیں چکا چوند ہو گئی تھیں، سینے کے اندر کتنی خاموشی تھی، نہ کوئی طوفان تھا نہ آندھی، اگر کوئی احساس سانس لے رہا تھا تو ندامت کا احساس تھا۔ ان کے ہاتھوں میں لرزا اُتر آیا، وہ بہت کچھ کہنا چاہتے تھے شاید آمنہ سے معذرت مگر الفاظ کہاں تھے، وہ تو کسی جوار بھاٹی کی طرح لٹ چکے تھے۔ تب بے بس ہو کر انہوں نے لرزتے ہاتھوں سے آمنہ کو شانوں سے اُٹھایا جس کا سر جھکا ہوا تھا۔

''آ..... آ..... آمنہ!'' ان کو اپنی ہی آواز گہرے کنویں سے آتی سنائی دی۔

''ابھی میرے سامنے سے ہٹ جاؤ پلیز.....!'' شکستہ سالار کی ساری شکن ہار کا احساس سب ہی پر تھا واصف کے لہجے میں، آمنہ نے برستی آنکھوں سے واصف کو دیکھا۔ ان کے چہرے پر آمنہ کی دُعاؤں کی قبولیت کا رنگ تھا جس کو دیکھنے کے لیے انہوں نے دن رات دُعائیں کی تھیں۔

''نہیں واصف.....! مجھے اپنے قدموں میں پڑا رہنے دیں۔'' آمنہ کو لاکھ واصف سے شکوے سہی مگر آج تو لگتا تھا واصف نے ان کو خرید لیا تھا سب کے سامنے عزت کا تاج پہنا کر۔

''آمنہ.....! تم اچھی طرح جانتی ہو کہ تمہاری جگہ کبھی بھی واصف کے قدموں میں نہیں رہی، تم تو ہمیشہ اس کے دل کی سلطنت کی ملکہ رہی ہو مگر پلیز.....! اس وقت مجھے تنہا چھوڑ دو۔ پلیز.....! جاؤ اس وقت میں صرف اپنے ساتھ کچھ دیر تنہا رہنا چاہتا ہوں۔ پلیز.....!''

کپکپاتے لرزتے شکستہ لہجے میں جانے کیا تھا کہ آمنہ کسی وسوسے کے آتے ہی جیسے سن سی ہو گئی کہ کہیں واصف انہیں کمرے سے نکال کر کوئی ایسی حرکت نہ کر لیں ورنہ ایک لمحہ میں زمین آسمان ایک ہو جانا کوئی معمولی بات تو نہ تھی۔

''نہیں واصف.....! میں اس وقت ہی تو آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی، میں کہیں نہیں جاؤں گی۔''

''آمنہ.....! پلیز.....!'' واصف بضد تھے کہ وہ جائیں۔

''آپ کیا کرنے والے ہیں.....؟'' انہوں نے واصف کا بازو اس مضبوطی سے پکڑا کہ واصف کے بازو

پر ان کی اُنگلیوں کے نشان ثبت ہو گئے۔

''آمنہ.....! تمہیں مجھ پر اعتماد ہے ناں.....؟'' جانے کہاں سے پرانا واصف آ گیا تھا۔ آمنہ پر جیسے ان عنایات کا سحر ہونے لگا۔ بے یقینی سے واصف کو دیکھے گئیں۔

''آپ پر اعتماد ہی تو میری زندگی ہے۔''

''تو پھر پلیز.....! اس وقت مجھے تنہا چھوڑ دو پلیز.....!'' اب واصف کے لہجے میں ہلکی سی تیزی اور تندی محسوس کر کے ان کے بازوؤں پر آمنہ کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی، دل بے اختیار ہونے لگا۔

''آپ کے حکم سے سرتابی کو میں گناہ سمجھتی ہوں مگر مجھے طرح طرح کے وہم آ رہے ہیں۔'' نہ رہا گیا تو آمنہ کے وہم، وسوسے لفظوں کا پیراہن لیے واصف کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔

''وہم.....؟ ان واہموں نے ہماری زندگی برباد کر دی آمنہ.....! بمشکل خدا کی مہربانی سے اس آسیب سے میرا پیچھا چھوٹا ہے تم پھر مجھ پر مسلط کرنا چاہتی ہو، تم سمجھتی کیوں نہیں.....؟ اس وقت مجھے تنہا چھوڑ دو، میں اس وقت خود کو فیس کرنا چاہتا ہوں اور تمہیں فیس کرنے کی جرأت نہیں مجھے۔ پلیز.....! لیو می الون.....!''

واصف کی اس وقت جو حالت تھی وہ خود ہی سمجھ سکتے تھے۔ آمنہ برستی آنکھوں سے دل میں خوف اور لبوں پر دُعاؤں کی تسبیح لیے دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔ واصف نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔ پھر آگے بڑھ کر دروازہ اندر سے لاک کر لیا تو دروازے کی اوٹ میں کھڑی آمنہ کا دل مٹھی میں آ گیا۔

''یا اللہ.....! خیر کرنا۔ کنارے پر آ کر میری ناؤ ڈوب نہ جائے۔ پروردگار.....! واصف کو ہدایت دے، ان کو کسی بھی منفی عمل سے روکنا۔ پروردگار.....! تیری پاک ذات نے میری ہر دُعا قبول فرمائی ہے یہ بھی قبول فرما لے۔''

وہ دوسرے کمرے میں سجدے میں گری واصف کی سلامتی کی دُعائیں کر رہی تھیں جبکہ اپنے کمرے میں واصف سجدے میں گرے خدائے پاک سے توبہ کر رہے تھے۔

''مجھے بخش دے پروردگار.....! بخش دے۔ میں ناچیز کیوں ایسا بن بیٹھا کہ ایک کمزور عورت پر اپنے استحقاق کا رُعب جماتا رہا.....! تیری ذاتِ واحد نے مجھے اس کی زندگی کی ناؤ کا ناخدا بنایا اور میں ہر ہر لمحہ اسے ڈبونے کی دھمکیاں دیتے گزر پل اس کو ہراساں کرتا رہا، ایک شیطانی وہم کے پیچھے لگ کر تیری ہدایت سے دُور ہٹتا رہا۔ بخش دے مجھے پروردگار.....! مجھے معاف فرما دے، میں نے اپنی فرشتہ صفت بیوی کو تنگ کیا، اپنے ہی معصوم بچوں کی زندگی برباد کی۔ مجھے بخش دے مولا.....! میں کس طرح ازالہ کر سکتا ہوں اپنی ان غلطیوں کا جن کی وجہ سے میری بے گناہ بیوی نے اذیت ناک زندگی گزاری.....؟ میرا بیٹا شرجیل بے یقینی کی دلدل میں دھنس گیا، میری معصوم بچی ماہم۔ پروردگار.....! مجھ سے گناہ گار کو بخش دے، تیری رحمت سے یقین ہے کہ تو بخش دے گا، مجھے بخش دے۔''

یہ انسانی کمزوری ہے کہ وہ اپنے واہموں کے پیچھے بھاگتا چلا جاتا ہے۔ رسی کو سانپ جان کر خود بھی خوفزدہ رہتا ہے اور دوسروں کو بھی ہراساں کرتا ہے۔ واصف نے بھی فضول سے وہم کو سانپ کی حیثیت دے کر اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی زندگی کو عذاب بنائے رکھا۔ آج اچانک کون سا لمحہ مہربان کر دیا اللہ پاک نے ہدایت کے

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com

سارے پردے چاک ہوتے چلے گئے۔ اللہ کی ہدایت کا ایسا نور اُترا کہ خود ان کو اپنی ذات، اپنی سوچ
بے وجود سایہ لگی جو اس روشنی میں اپنا وجود کھو بیٹھی تھی۔ یہ ناچیز انسان جس کی حیثیت پانی کے بلبلے سے زیادہ
جو ہوا کا ذرا سا جھونکا ٹکرانے سے ختم ہو جاتا ہے، ذرا سا اختیار مل جانے سے آپے سے باہر کیوں ہو جاتا ہے
اوقات بھول جاتا ہے، کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی میں میں کرتا ہے، خود کو نجانے کیا سمجھتا ہے۔

"کیوں.....؟ کیوں میں نے ایسا کیا ہے.....؟ کیوں میں نے خود کو کچھ جانا، کچھ سمجھا.....؟ خدایا
میں کس قدر کم ظرف اور برا انسان ثابت ہوا۔ آمنہ نے مجھ پر اعتماد کر کے مجھے حسن کے بارے میں بتا دیا
قسمت نے جب آمنہ کو آئینہ دکھایا تب وہ واصف کو اچھا دوست سمجھ کر اس کی پناہ گاہ میں آ گئی اور واصف نے
اپنے اندر کے اعلیٰ ظرف انسان کو مار کر بھیڑیے کا کردار ادا کیا اور آمنہ کے مان، اعتبار کو محبت ندامت، تباہی
کے احساس کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ اُف.....! کس قدر گرا ہوا انسان ہوں میں۔ پروردگار.....! معاف فرما
مجھے۔"

واصف کی ہذیانی حالت، ندامت کا احساس ایسا ہی تھا کہ وہ خود کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے
میں کمرے کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ اپنے ذہنی انتشار کو مارنے کی کوشش کی تھی۔ رہ رہ کر اپنی زیادتیاں، آمنہ کے
آنسو، بے بسی یاد آ رہی تھی، بچوں کی فریادیں اور اپنے ظلم۔

"اُف میرے خدا.....! میں اس قدر سفاک آدمی کیسے بن گیا.....؟ خود کو میں کیا سمجھ بیٹھا تھا.....؟
یا اللہ.....! معاف فرما دے۔"

آج ہدایت کی روشنی میں واصف کو اپنی ہی خامیاں اور غلطیاں نظر آ رہی تھیں۔ کمرے کا حلیہ بگاڑ
دم ہو کر وہ سجدے میں گرے جانے کب تک روتے رہے۔ وہ جانے کب تک یوں پڑے رہتے کہ پھر فجر کی
اذان کے ساتھ ہی وہ اُٹھے تو لگا جیسے گہری نیند سے جاگے ہوں۔ گزشتہ زندگی کا احساس آنکھ کھلنے کے بعد خواب
کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ کتنا سکون ملا تھا، آنکھیں کھول کر ایک ڈراؤنا خواب اختتام پذیر ہو چکا تھا، وہ پرسکون
دل و دماغ کے ساتھ اُٹھے، وضو کیا، نماز پڑھی تو لگا خدا کے حضور بھی ایک عرصے کے بعد ہی جھکے ہوں۔ سجدے
میں جا کر کتنا سکون مل رہا تھا، وہ سجدہ طویل ہوتا گیا، سکون صبا کے جھونکے کی طرح اندر اُترتا چلا گیا۔

"شکر الحمد اللہ.....! یا ربّ العالمین.....!" دُعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیر کر انہوں نے چاروں طرف
کمرے میں نظر دوڑائی۔ ہر طرف سامان، چیزیں، کاغذات بکھرے پڑے تھے۔

"یہ..... یہ سب کیسے ہوا.....؟" کچھ دیر کے لیے واصف کو کچھ یاد نہیں آیا کہ یہ ان کے جنون کی نشانی
ہے۔

"میرے خدا.....! مجھے ہدایت دے اور دے کر اس پر قائم رکھنا۔"

زندگی کے نئے احساس کے ساتھ انہوں نے دُعا مانگی۔ سب کچھ نیا لگ رہا تھا۔ وہی زندگی جو آج سے
پہلے اِک عذاب لگ رہی تھی آج کتنی حسین لگ رہی تھی، سب ہی کچھ اپنا اور اچھا لگ رہا تھا۔ وہ نئے احساسات،
نئے جذبات کے ساتھ آہستہ آہستہ چیزیں سمیٹتے رہے، الماری کی طرف آئے تو کاغذات اور کتابیں، ڈائریاں
بکھری ملیں۔ آمنہ کی ڈائری پر بے ساختہ ہاتھ رُک گئے۔ اُٹھائی تو ایک تہہ شدہ خط ملا۔ وہ بے ساختہ کھول کر

پڑھنے لگے۔

"میرے دوست.....! میرے ساتھی.....! میرے جیون ساتھی واصف.....! آپ کو شکوہ ہے کہ آپ
میری سیکنڈ چوائس ہیں، میرے دل پر اُبھرنے والا دوسرا عکس، دوسرا حرف ہیں تو آپ غلطی پر ہیں۔ کاش میں
آپ کو بتا سکتی واصف.....! کہ آپ میری سیکنڈ نہیں پہلی چوائس ہیں، میرے آئینۂ دل پر اُبھرنے والا پہلا عکس
ہیں، میری زندگی کی کتاب پر درج ہونے والا پہلا لفظ آپ کا نام ہے۔ واصف.....! آپ میرے بچپن کی محبت
ہیں، واصف.....! اس وقت جب محبت دوستی جیسے جذبات کا مطلب بھی کسی بچے کو معلوم نہیں ہوتا مگر مجھے آپ
اچھے لگتے تھے پھر جب دادی ماں کہا کرتی تھیں کہ آمنہ تو میرے واصف کی دُلہن بنے گی تو میں کم عمری میں
خود کو آپ کی دُلہن سمجھنے لگتی تھی اس لیے واصف.....! آپ میری پہلی چوائس، پہلی محبت ہیں۔ حسن میری جوانی
کی ایک غلطی کا نام ہے جسے میں نادانی میں محبت جان بیٹھی تھی اس لیے یقین کر لیجیے کہ پہلی محبت، پہلا احساس
آپ ہی ہیں مگر میں یہ سب آپ سے کیسے کہوں.....؟ آپ تو بدگمانی کی دُھند میں کھو گئے ہیں کہ لگتا ہے میں آپ
کو تلاشتے تلاشتے خود کہیں گم ہو جاؤں گی اور مجھے معلوم ہے کہ آپ اتنے بدگمان ہیں کہ آپ میری بات پر یقین
کریں گے بھی نہیں اس لیے اپنی دوست کا خط ساتھ رکھ رہی ہوں۔ شاید آپ کو یقین آ جائے۔" دل دھڑکنے لگا
تھا۔ واصف کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔ ہاتھوں میں ایک بار پھر لرزا اُتر آیا تھا۔

"پیاری آمنہ.....! یہ کیا چکر ہے۔ بھئی.....! تمہارا دل ہے کہ ٹرین جو منظر بدلتی رہتی ہے، بچپن میں تو تم
واصف واصف پکارا کرتی تھیں، واصف کو چاہتی تھیں، یہ حسن بیچ میں کہاں سے آ گیا.....؟ دیکھو پیار کا پہلا
احساس ہی پائیدار ہوتا ہے اور زندگی بھر ساتھ پہلا احساس پہلی محبت ہی رہتی ہے، دوسرے آنے والے لوگ یا
ان کی محبتیں لمحہ بھر کے لیے ملنے والے مسافروں یا راہ گیروں سے زیادہ نہیں ہوتیں۔ حسن کا خیال جھٹک دو اور
صرف واصف ہی کو اپناؤ جو تمہارا پہلا پیار ہے۔"

"پہلا پیار پہلا احساس میں..... میں واصف آمنہ کا پہلا پیار اور..... اور میں جان نہیں سکا، پہچان نہیں
سکا۔ اس کے دل میں، اس کی زندگی میں اپنی حیثیت کو پہچان کر اسے عزت دینے کی بجائے اسے حسن کے نام کی
سزائیں دیتا رہا۔ اُف میرے خدا.....! میں کس قدر کمزور اور چھوٹا انسان ہوں۔ بے شک تیری ہی ذات حق اور
برتر ہے، تیرا فرمان ہی حق سچ ہے کہ اے بندہ پہلے تو دل سے میری چاہ کو اپنا لے پھر دیکھ مجھے وہ بھی دوں گا جو تو
چاہتا ہے۔ کاش.....! کاش پروردگار.....! ہم جیسے کمزور، کم ظرف انسان صرف اور صرف تیری چاہ کو ہی اپنائیں
تو آج میری طرح نہ شرمندہ ہوں نہ پچھتاوے کی آگ میں جلیں۔"

واصف ایک بار پھر سجدہ ریز ہو گئے۔ سیکنڈ چوائس ہونے کا جو احساس تھا وہ تو پہلے ہی خدا کی ہدایت سے
مٹ چکا تھا اور اب یہ نوید کہ وہی آمنہ کی پہلی محبت ہے، بچپن کی محبت تو پہلا احساس پہلی چوائس تو وہی ہیں۔

"اُف میرے خدا.....! بے شک جو تو جانتا ہے صرف تو ہی جانتا ہے، ہم بے صبرے انسان تیری کسی
مصلحت کو سمجھ نہیں سکتے، ہم تیری رحمتوں کا حساب کر سکتے ہیں نہ گمان۔ تیرا شکر ہے پروردگار.....! میں تیرا شکر انہ
ادا نہیں کر سکتا۔"

ساری رات تڑپ کر آنکھوں میں گزارنے والی آمنہ بری طرح پریشان تھیں کہ بند کمرے میں نجانے اس

Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com
UrduPhoto.com

کی زندگی کا کیا فیصلہ ہو رہا ہے۔ تمام عمر اسی خوف کے ساتھ تو گزاری تھی۔

"واصف.....! دروازہ کھولیے واصف.....! پلیز.....!"

آمنہ نے دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹ ڈالا تو واصف نے دروازے کو دیکھا۔ ان کو لگا جیسے انہوں نے دوسرا جنم لیا ہو، وہ پھر سے نوجوان ہو گئے ہوں اور آمنہ سے ملنے کو، ان کو دیکھنے کو مچل گئے ہوں۔ انہوں نے خوشی سے لڑکھڑاتے قدموں سے دروازہ کھولا تو سفید لباس میں آمنہ ان کو ہمیشہ سے زیادہ مقدس لگیں۔ آمنہ نے خوشی سے پھٹی آنکھوں سے واصف کو دیکھا۔ پسینے میں نہائے، اُلجھے بالوں کے ساتھ وہ بہت عجیب اور نئے لگ رہے تھے۔

"وا.....وا.....واصف.....!" لفظ آمنہ کے لبوں تک آ کر ٹوٹ گئے۔

"کچھ مت کہو آمنہ.....! کچھ مت کہو، نہ پوچھو آؤ.....!" واصف نے دونوں بازو وا کر دیے تو آمنہ کچھ سمجھ کر ان کے ساتھ جا لگیں۔ دونوں جانے کب تک روتے رہے۔

"میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں آمنہ.....! معذرت نہ ندامت کے اظہار کے لیے ایک لفظ، کچھ بھی تو نہیں، کچھ بھی تو نہیں لیکن پھر بھی برائے خدا مجھے معاف کر دو۔"

"کچھ مت کہیں واصف.....! آج ان لفظوں کو بھی میرے اور اپنے بیچ نہ آنے دیں۔ ان لمحوں پر آج صرف میرا حق ہے، یہ لمحے میرے ہیں، ان لمحوں کے انتظار میں میں نے بہت کٹھن مرحلے طے کیے ہیں واصف آج۔ میرے پروردگار.....! میں تیرا شکرانہ ادا نہیں کر سکتی۔" آمنہ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ آج واصف کی محبت، اعتماد، مان سب کچھ مل جائے گا۔

"آمنہ.....! ہم کس قدر احمق لوگ ہیں۔ پچیس سال لگا دیے تم نے محبت کا اظہار کرنے میں اور تم سے زیادہ احمق میں کہ میں..... میں تمہیں اتنا چاہنے کے باوجود ان پچیس سالوں میں تمہیں سمجھ ہی نہیں سکا، جان ہی نہیں سکا، تمہاری ذات کے دروازے پر بیٹھا رہا، نہ اندر گیا، نہ جھانکا اور تمہارے راز پا لینے کا دعویٰ کرتا رہا۔ ہے ناں حماقت.....؟ آج..... آج قدرت نے حساب برابر کر دیا آمنہ.....! ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو نہیں سمجھ سکے، دونوں ہی ایک دوسرے کے مجرم ہیں۔" دونوں بیقراری سے اپنی اپنی غلطیاں مان رہے تھے۔

"جب عشق ہی مجرم، عشق ہی منصف ہو تو..... تو واصف.....! عشق ہی وکیل ہوتا ہے اور آج عدالت کا فیصلہ ہے کہ ماضی کو، گزرے لمحات کو بھلا دیا جائے۔"

آمنہ دل میں اُترتے محبت سکون کے قافلوں کو خوش آمدید کہتی دھڑکنوں کے ساتھ بولیں۔

"مما.....! آ..... آپ یہاں ہیں اور..... اور کیا ہوا ہے.....؟ خیریت تو ہے ناں.....؟"

ماہم جو سارے گھر میں مما کو تلاش کر کے ادھر آئی تو خوشگوار حیرت میں ڈوب سی گئی۔ ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے اس کے مما پپا ایک دوسرے پر محبت لٹاتے ہوئے ملے تو اس سے بڑھ کر اس کے لیے حیرت کی بات کیا ہو سکتی تھی۔ وہ دونوں بہن بھائی تو ایب نارمل ماحول میں باپ کو گرجتے برستے جلاد کے روپ میں دیکھتے اور ماں کو ظلم سہتے، روتے دھوتے دیکھتے بڑے ہوئے تھے۔ آج اچانک یہ کس مہربان لمحے کا تحفہ تھا کہ دونوں یکجا خوش گوار موڈ میں ملے تھے۔

"آؤ.....! آؤ ماہم بیٹا.....! اس طرح حیرت سے دیکھ کر ہمیں شرمندہ نہ کرو۔ بس یہ سمجھ لو کہ تمہارے مما پپا نے نیا جنم لیا ہے۔ آؤ میری جان.....!" زندگی میں پہلی بار واصف نے پدرانہ شفقت بھرے لہجے میں کہا اور ماہم کا بازو پکڑ کر پیار کرنا چاہا مگر وہ اجنبی حیرت لیے اپنا بازو چھڑا کر قدرے ہٹ کر ماں اور باپ کو دیکھنے لگی۔ دونوں خوش اور مطمئن تھے۔

"آپ دونوں کو بہت مبارک ہو۔ ہم پہلا جنم لے کر ہی پچھتا رہے ہیں نیا جنم کیا لیں گے.....؟ اور اگر ہم دوسرا جنم لیتے بھی ہیں تو..... بس آپ ہمیں یقین دلا دیں کہ ہمیں ہمارا روٹھا بچپن مل جائے گا۔ بچپن کے وہ دن، وہ راتیں جو ہم نے روتے ہوئے، خوفزدہ ہو کر، مار کھا کر گزارے ہیں وہ دن، وہ بچپن ہمیں دوبارہ ملے گا.....؟ اور ہم بھی دوسرے بچوں کی طرح نارمل خوشحال بچپن گزاریں گے.....؟ بتائیے پپا.....! بھائی لڑکی یا لڑکا ہونے کے بے یقین کیفیت سے نکل آئے گا.....؟ آپ میرا، ان کا کھویا ہوا اعتماد ہمیں لوٹا سکیں گے.....؟ بتائیے مما.....! ہمیں ہمارا حق دلائیں گے.....؟ آپ لوگ ہمارا بہترین، خوبصورت، تتلیوں کے پیچھے بھاگنے والا بچپن جو ہم نے اذیت ناک کمروں میں سزائیں بھگتتے گزارہ ہے اسے خوبصورت بنا کر لوٹا دیں گے.....؟ آج آپ دونوں خوش ہیں۔ نجانے کس نے بازی جیت لی.....؟ کس نے ہار مان لی ہے.....؟ مگر آپ بتائیں مما پپا.....! کیا آپ کا اکلوتا بیٹا نارمل ہو سکتا ہے.....؟"

آنسوؤں سے تر چہرہ لیے وہ سوالیہ نشان بنی ماں باپ سے پوچھ رہی تھی تو پہلی بار اولاد کی عدالت میں دونوں کا سر جھک گیا۔

"ماہم.....! میری بچی.....! میری گڑیا.....! آئی ایم سوری جان.....! تم نے جو کہا ٹھیک کہا مگر بیٹا.....! ہم انسان بھی تو ہیں۔"

"آپ ماں باپ بھی تو ہے ناں.....؟ پپا.....! ہم نے تو سنا ہے کہ والدین اولاد کی خاطر سارے اختلافات بھلا کر ان کی تعلیم و تربیت پر سب کچھ قربان کر دیتے ہیں کہ ان کی اولاد معاشرے میں باعزت زندگی گزارے مگر جن والدین کو اپنی انا پیاری ہوتی ہے ان کے بچے ہماری طرح ایب نارمل ہی کہلاتے ہیں۔ چھوڑیے مجھے، آپ اپنی نئی زندگی کا جشن منائیے اور ہمیں اپنے عذاب جھیلنے دیجیے۔"

آنسوؤں کے بڑے سے گولے نے الفاظ کا گلہ دبا دیا۔ اس نے اپنا ہاتھ باپ اور ماں سے چھڑایا اور تیزی سے جانے لگی۔

"سوری بیٹا.....! بٹ پرامس.....! اب..... اب ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" واصف نے اسے پیار کرنا چاہا مگر وہ دُور ہو گئی۔

"آئی نو پپا.....! اب کچھ نہیں ہوگا، جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب ہونے کو بچا ہی کیا ہے.....؟ اب تو ہم ہیں اور غبار راہ۔ آپ نے جو کرنا تھا کر چکے۔"

ماہم جا چکی تھی۔ اس میں کھڑا رہنے کی سکت باقی نہیں تھی۔ ماہم بہت حساس اور خوددار لڑکی تھی۔ والدین کے رویے نے اس کو توڑ ڈالا تھا اور دوسرا وہ شرجیل سے بے حد محبت کرتی تھی جسے سب لوگ مذاق کا نشانہ بناتے تھے۔ ایک دوسرے کو ڈس کور کرنے اور اپنانے کی ساری خوشی ماہم کے آنسوؤں میں بہہ گئی تھی۔ دونوں ایک

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

دوسرے سے نظریں چرا کر رہ گئے۔

"سوری واصف.....!" آمنہ ماہم کے رویے کی معافی مانگنے لگی تو واصف نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔

"واٹ سوری آمنہ.....! تم اکیلی اس سب کی ذمہ دار نہیں ہو بلکہ تم تو ہو بھی نہیں۔ یہ سب تو میری وجہ سے ہے، بچوں کی یہ حالت، یہ محرومیاں صرف میری وجہ سے ہیں۔ میں ذمہ دار ہوں، میں گناہ گار ہوں ان کا۔ اب میں اپنے بچوں کو اتنا پیار دوں گا، اتنی توجہ دوں گا کہ وہ پرانی تلخی بھول جائیں گے۔ میں شرمندہ ہوں اپنے بچوں سے۔ تم نے تو اپنا کردار بھرپور انداز سے نبھایا ہے لیکن تم فکر نہ کرو میں خود اپنے بچوں کو سنبھال لوں گا۔"

پہلے والا واصف لوٹ آیا تھا۔ وہی پیار، وہی والہانہ پن تھا۔ آمنہ نے بے یقینی سے واصف کو دیکھا۔

"واصف.....! یہ..... یہ سب حقیقت ہے ناں.....؟ خواب تو نہیں.....؟"

"نہیں آمنہ.....! خواب تو وہ سب تھا، یہ تو روشن صبح کی حقیقت ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ وہ تو اک خواب پریشان تھا جو ہم نے دیکھا۔ انشاء اللہ.....! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں شرجیل کو اتنی محبت، توجہ دوں گا، یقین دوں گا کہ وہ گھر کے تمام لڑکوں سے خوبرو ہونے کے ساتھ سب سے باا عتماد نوجوان ہوگا۔ انشاء اللہ.....!"

"خدا کرے ایسا ہی ہو واصف.....! ورنہ ہم بچوں سے ہمیشہ شرمندہ رہیں گے۔"

"نہیں آمنہ.....! خدا نے چاہا تو اب حالات بالکل بدل جائیں گے۔"

"انشاء اللہ.....!" آمنہ نے پرسکون ہو کر واصف کے بازو پر سر ٹکا دیا۔ کتنا سکون، کتنا اعتماد تھا۔ لگتا تھا صدیوں کی تھکن اُتر گئی تھی آمنہ کی۔ واصف نے فرطِ محبت سے اس کے چہرے پر آئے بالوں کو ہٹایا تو نوجوانی کی حیا عود کر آئی آمنہ پر۔

• • •

"کچھ بھی ہو مما.....! میں اس لوسٹر نیچر موبی سے ہرگز شادی نہیں کروں گی۔ امپاسبل.....!"

ماہم اور موبی کی اینٹ پتھر والی دُشمنی تھی اور دو مختلف سوچ کے اور گھر کے بڑوں نے دونوں کو ایک رشتہ میں باندھنے کا فیصلہ کیا بلکہ حکم صادر کر دیا تھا۔ ہر چند کہ یہ فیصلہ آمنہ کو بھی پسند نہیں آیا تھا۔ موبی خاصا بدزبان اور بدتمیز قسم کا لڑکا تھا مگر جب سے موبی کو ماہم کے لیے پسند کیا گیا تھا آمنہ نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ ایک بار بول کر زندگی کو عذاب بنا چکی تھیں اب ان میں فیصلہ کرنے کا اعتماد ختم ہو گیا تھا اور اس وقت بھی وہ سمجھ رہی تھیں کہ یہ فیصلہ ایک بار پھر گھر کے بزرگوں نے کیا ہے تو بہترین ہی ہوگا جبکہ ماہم کے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی یہ سن کر۔ اس نے ماں کے سامنے صاف انکار کر دیا تھا۔

"ماہم بیٹا.....! موبی بہت اچھا لڑکا ہے اگر اس میں کوئی خامی ہے بھی تو وقت اور حالات کے ساتھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہارا اپنا کزن ہے، خون ایک ہے تم دونوں کا، ابھی نوجوانی کا خمار ہے ذرا اور بڑا ہوگا، ذمہ داریوں کا احساس ہوگا تو دیکھنا وہ کتنا سدھر جائے گا اور یوں بھی یہ فیصلہ اس نے بھی تو قبول کر لیا ہے اس نے تو انکار نہیں کیا۔"

"اس لیے مما.....! کہ مجھے نیچا دکھانا چاہتا ہے۔ ایک میں ہی تو ہوں جس نے اسے اس کے کرتوتوں پر

ٹھکرایا ہے تو وہ اب مجھ سے بدلہ لینا چاہتا ہے اور میں اسے اس کے گھناؤنے عزائم میں ہرگز کامیاب ہونے دوں گی۔ اس کے ساتھ شادی کی ہامی نہیں بھروں گی۔" ماہم بپھری ہوئی تھی۔

"ماہم.....! تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گی۔ یہ گھر کے بزرگوں کا فیصلہ ہے اور پھر موبی عارف کا اکلوتا بیٹا ہے اور عارف نے ہمیشہ میرا بہت ساتھ دیا ہے۔ یوں بھی جو لڑکیاں بزرگوں کے فیصلے نہیں مانتیں وہ بہت کٹھن مرحلے کرتی ہیں، خاردار راستوں پر ننگے پاؤں چلنا پڑتا ہے۔"

آمنہ ماضی کے آئینے میں جھانک کر لرز اُٹھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں جو غلطی انہوں نے کی ہے وہ ماہم بھی کرے اور کچھ ایسی زندگی کا طوق گلے میں ڈالے۔

"یہ کیا بات ہوئی.....؟ یہ کہاں درج ہے کہ بزرگ ہمیشہ درست فیصلہ ہی کرتے ہیں.....؟"

"لیکن یہ ہر جگہ درج ہے، یہ حقیقت کہ فیصلے وہ ہی درست اور پائیدار ہوتے ہیں جو بزرگ کرتے ہیں اور ان کے فیصلے جذباتی نہیں ہوتے، حقائق کی چھلنی میں چھنے ہوئے درست فیصلے ہوتے ہیں ان بزرگوں کے اس کو تمہاری عمر کی ہر لڑکی اپنی عمر کے آئینے میں دیکھ کر غلط قرار دیتی ہے پھر ایک بار میں نے بھی یہی غلطی کی تھی ماہم.....! جو تم کرنے جا رہی ہو۔"

اور پھر آمنہ نے زندگی میں پہلی بار ماہم کو شادی داستان سنا دی تو وہ بے یقینی سے سنتی رہی۔ اب اس کی سمجھ میں پپا کا رویہ اور ماں کا چھپ چھپ کر رونا آ رہا تھا۔

"تو مما.....! کسی کو پسند کرنا جرم تو نہیں جس کی اتنی لمبی سزا دی جائے.....؟"

ماہم باپ سے متنفر ہونے لگی۔

"ہاں.....! کہنے کو تو ایسی ہی بات ہے مگر بیٹا.....! مرد مرد ہے، معاف کر دے تو کوئی بڑی بات نہیں مگر نہ کرے تو ایسے ہی ماہم اور شرجیل پیدا ہوتے ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ تم میرا کردار ادا کرو اور تمہارے بچے تمہارا اور شرجیل کا۔" آمنہ نے خوفزدہ لہجے میں کہا تو وہ چڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"کیوں مما.....! میرے ساتھ ایسا کیوں ہونے لگا.....؟ میری زندگی میں کوئی حسن ہے ہی نہیں تو پھر۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے بیٹا.....! کہ تمہاری زندگی میں کوئی حسن نہیں تو پھر بزرگوں کا فیصلہ مان لینے میں حرج ہی کیا ہے.....؟ دیکھو ناں سب خوش ہو جائیں گے اور میری بھی عزت ہو جائے گی تمہارے پپا کے سامنے۔"

"مما.....! آپ کی خوشی اور عزت کے لیے میں زہر بھی پینے کو تیار ہوں مگر موبی سے شادی.....؟ ہرگز نہیں۔ اس شخص نے میرے معصوم بھائی کو بہت تنگ کیا ہے، میں اپنا تو قتل بھی معاف کر سکتی ہوں، میرے بھائی کے ساتھ بدتمیزی.....؟ یہ نہیں۔" ایک ایک کر کے تمام واقعات نگاہوں میں گھومنے لگے۔

"میں مانتی ہوں جان.....! مگر جب اس کا تم سے رشتہ ہو جائے گا پھر وہ شرجیل کو تنگ نہیں کرے گا ناں۔" آمنہ چاہتی تھیں کہ کسی طرح بھی ماضی دُہرایا نہ جائے، ماہم جان جائے۔

"جس انسان میں انسانیت نہ ہو وہ کسی بھی رشتے کے جڑ جانے سے سدھر نہیں سکتا۔" ماہم کو موبی سے نفرت تھی، شدید نفرت۔

Scanned & Posted by Sanyoo @ OneUrdu.com
UrduPhoto.com

"مگر بیٹا.....! میں بہت خوفزدہ ہوں کہیں....." آمنہ کا گویا سانس اٹکنے لگا۔ وہ ماضی کی کہانی کو دہرا نہیں چاہتی تھیں۔ ماہم نے ان کے خوفزدہ چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھاما۔ کتنا خوف تھا ان کی آنکھوں میں۔ اس نے اپنی ماں کی مظلومیت کے بہت منظر دیکھے تھے اور واقعی ان کی کہانی نے ان کو بے گناہ قرار دے دیا تھا۔

"ڈونٹ وری مما.....! کچھ نہیں ہوگا لیکن اگر کبھی مجھے آپ کی اور پپا کی عزت کی خاطر یہ زہر کا پیالہ بھی پینا پڑا تو پی لوں گی۔ میں آپ کی بیٹی ہوں مما.....! ڈونٹ وری.....!"

پھر اس نے ماں کی پیشانی پر پیار کیا۔ کتنی دیر ان کو سمجھاتی رہی پھر اُٹھ کر باہر نکل گئی تو کوریڈور سے گزرتے ہوئے موبی سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ اس ٹکراؤ میں موبی کی نظریں شوخ اور گہری ہوگئیں جبکہ ماہم کے چہرے پر تناؤ بڑھ گیا تو وہ "ہونہہ" کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

"ابھی اختیار سے باہر ہو ماہم.....! تو موبی کو اِگنور کر رہی ہو۔ جس روز اختیار مل گیا ناں تم سے پوچھوں گا۔"

موبی جو ماہم کی حرکت پر بل کھا کر دُور تک اسے ہی گھور رہا تھا کہ سامنے سے شرجیل آ گیا تو وہ بہن کا بدلہ بھائی سے لینے کے خیال سے اس کا ہاتھ تھام کر لان میں آ گیا۔

"موبی میرا ہاتھ چھوڑو ناں.....!" شرجیل نے خالصتاً لڑکیوں والے انداز میں کہا تو موبی قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"کیوں بھئی.....! تم کوئی لڑکی ہو کہ میرے ہاتھ پکڑ لینے سے تمہاری بدنامی ہوگئی ہے.....؟ بولو تم لڑکی ہو ناں.....!" موبی اسے تنگ کرنے کے فل موڈ میں تھا۔

"مجھے نہیں معلوم.....!" شرجیل روہانسا ہوگیا۔ وہ جس بے یقینی کی دلدل سے نکلنا چاہتا تھا موبی اسے اسی دلدل میں دھکیلنا چاہتا تھا۔

"اچھا.....! تو پھر کسے معلوم ہے.....؟ کم آن.....! تم مجھ سے اتنا کتراتے کیوں ہو.....؟ آؤ ناں میرے ساتھ بیٹھو، کچھ گپ شپ ہو جائے۔" موبی خود بھی گھاس پر بیٹھ گیا اور پھر اسے بھی اپنے قریب بیٹھا لیا تو وہ لڑکیوں کی طرح شرما کر پرے ہٹ کر بیٹھ گیا۔

"ہوں.....! تم اس طرح مجھ سے شرماتے ہو ناں اس کا مطلب ہے تم لڑکی ہو۔ اس طرح تو لڑکیاں ہی لڑکوں سے کتراتی اور شرماتی ہیں۔ یو آر گرل.....! یو آر گرل.....!"

موبی بدتمیزی سے شرجیل کو گدگدیاں کرنے لگا اتنی کہ ہنستے ہنستے شرجیل بے حال ہوگیا۔ پھر شدت سے رونے لگا۔ جانے وہ اس شغل میں کب تک مصروف رہتا کہ ثنا نے محض شرجیل کی جان چھڑانے کے لیے جھوٹ ہی کہا کہ اسے انکل بلا رہے ہیں تو وہ کھڑا ہوگیا۔ شرجیل کے گال چھو کر بولا۔

"بائے بے بی.....! پھر ملیں گے۔" وہ بدتمیزی سے آنکھ دباتا چلا گیا۔ وہ گھٹنوں میں سر دبائے کتنی دیر روتا رہا۔ ثنا اسے لینے آئی مگر وہ نہیں گیا۔ پھر وہ کتنی ہی دیر گھاس پر بیٹھا خود کو تلاش کرتا رہا۔ موبی کی باتیں دماغ میں گھومتی رہیں۔

"میں لڑکی ہوں کہ لڑکا ہوں موبی ہر وقت یہی پوچھتا ہے مگر مجھے کوئی نہیں بتاتا کہ میں کون ہوں۔ مما تو

کہتی ہیں میں لڑکا ہوں مگر مجھے تو پپا کی بات پر یقین آتا ہے اور وہ مجھے بتاتے نہیں پھر کون بتائے گا.....؟" وہ اپنی شناخت کی کھوج میں گیٹ سے نکل کر چلتا رہا، سوچتا رہا اپنی تلاش میں ایسا کھویا کہ اندازہ ہی نہیں رہا کہ وہ پیدل کہاں جا نکلا ہے۔ اسے تو گھر کا پتہ بھی معلوم نہیں تھا۔

"اُف خدایا.....! یہ کون سا علاقہ ہے.....؟ میرا گھر کہاں ہے.....؟ میں کیسے جاؤں گا.....؟"

وہ اسی فکر میں فٹ پاتھ کے کنارے گرل کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ بہت پریشان تھا۔ نہ گھر کا فون نمبر یاد تھا۔ یاد ہوتا بھی تو جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں تھی۔

"میں کیا کروں.....؟ مما، ماہم تو پریشان ہوں گی، پپا کو غصہ آئے گا، موبی وہ میرا مذاق اُڑائے گا۔ یہیں تو میرا گھر تھا پھر کہاں چلا گیا.....؟ گھر کو پر لگ گئے یا پہیئے.....؟ میں کیا کروں.....؟" وہ روڈ پر ٹریفک کو دیکھ کر، لوگوں کو آتے جاتے دیکھ کر اور بھی خوفزدہ ہو رہا تھا۔

"عاصمہ.....! تیرا کیا خیال ہے وہ سامنے جو چیز ہے اپنی برادری کی نہیں لگتی.....؟"

"اے چل ہٹ.....! مرد ہے۔" عاصمہ نے شرجیل کو بغور دیکھا۔

"بکواس نہ کر.....! تیری نظر تو ہے ہی کمزور۔ اس کی شکل دیکھ، چال ڈھال دیکھ، بالکل ہمارے جیسا ہے۔ تو مان نہ مان یہ شہزادی ہے ہی ہمارے قبیلے کی، چل آبات کر کے دیکھیں۔"

اور پھر عاصمہ اور ناصرہ جن کا تعلق اللہ کی سب سے مظلوم مخلوق سے تھا، وہ شرجیل پر بحث کرتی ہوئی اس کے قریب پہنچ گئیں تو وہ خوفزدہ ہو کر کھڑا ہوگیا۔ دل بری طرح دھڑکنے لگا، سانس تیز چلنے لگا، ہاتھوں اور ماتھے پر نمی اترنے لگی۔ عاصمہ اور ناصرہ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کون ہو گڑیا تم.....!" ناصرہ نے اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"مم..... مم میں گڑیا نہیں شرجیل ہوں۔" شرجیل کو ان دونوں سے بہت خوف آ رہا تھا۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری، امدار طلب نظروں سے دائیں بائیں سے گزرتے لوگوں کو دیکھا۔ کچھ مرد عاصمہ اور ناصرہ کو دیکھ کر رُک گئے اور غلط قسم کے مذاق کرنے لگے۔ جواباً وہ بھی گالیاں بکتی ہوئی شرجیل کو گھسیٹ کر دوسری طرف لے گئیں۔

"ہوں.....! تو اب بتاؤ تم کون ہو.....!" عاصمہ نے پیار سے شرجیل کے بال سنوارے۔

"میں..... میں انسان ہوں۔" شرجیل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ بتائے کہ وہ کون ہے۔

"ہاں.....! اتنا تو پتہ ہے ہم انسان ہیں پر اس سے آگے کچھ پتہ نہیں ہم کیا ہیں.....؟ یہ رب سوہنے کو خبر ہو جس نے اپنی رضا سے ہمیں بنا دیا، ہم بن گئے اور ہمیں تو بھی اپنی ہی برادری کا لگتا ہے۔ چل اب بتا دے مردوں کی نسل سے ہے یا....."

ناصرہ نے عاصمہ کو دیکھ کر معنی خیزی سے آنکھ دبائی۔

"مم..... مم مجھے کچھ پتہ نہیں میں کون ہوں.....؟" خوف سے شرجیل ہکلانے لگا۔

"اچھا تو یوں کہہ ناں.....! چل ہمارے ساتھ۔" ناصرہ اور عاصمہ خوش ہوگئیں۔

"کک..... کک کہاں جانا ہے آپ لوگوں کے ساتھ.....؟"

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

"گروڈیرے.....!" یہ کہتے ہوئے دونوں نے اسے دائیں بائیں سے پکڑا اور چلنے لگیں۔

"نہ بیٹا.....! نہ جن کی کوئی پہچان نہیں ہوتی ناں، ان کا کوئی گھر نہیں ہوتا، ان کا ٹھکانہ گروڈیرا ہی ہوتا ہے۔ چلو ہمارے ساتھ۔"

اور یوں والدین کے دیئے گئے ایب نارمل ماحول، باپ کے عدم اعتماد اور بے جا مار پیٹ کی پیداوار خوبرو نوجوان جو مرد ہو کر بھی بحیثیت مرد اپنی شخصیت نہ منوا سکا آج ناصرہ اور عاصمہ اسے گھسیٹ کر ٹیکسی میں ڈال کر گروڈیرے لے گئیں اور وہ بچوں کی طرح مما، ماہم کو پکارتا رہا۔

• • •

"ہائے ہائے سنی.....! اب میں تمہیں کیا بتاؤں کہ آج میں نے کیا چیز دیکھی، اتنی حسین کار تو میں نے آج تک دیکھی ہی نہیں۔" شہرام کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔ وہ ملنے والی لڑکی کی داستان سنی کو سنا رہا تھا۔

"ہوں.....! تو کیا نام تھا اس کا.....؟"

"نام پوچھنے کی نوبت ہی کہاں آئی، وہ تو آئی اور چھائی، یہ لمبے لمبے بال تھے ریشم جیسے۔"

"کار کے بال۔" سعدیہ سمجھ تو رہی تھی، اسے چھیڑنے کی غرض سے بولی۔

"جی نہیں.....! اس وجہ کے جس وجہ سے وہ کار حسین لگ رہی تھی۔" وہ چڑ کر بولا۔

"اچھا.....! تو رنگ کیا تھا.....؟"

"بلیک.....!"

"اسی وجہ کا.....؟" سعدیہ نے پھر چھیڑا۔

"ویری فنی.....! کار کا۔" وہ دھاڑا۔

"اچھا.....! تو ماڈل کیا تھا.....؟"

"لڑکیوں کے بھی بھلا ماڈل ہوتے ہیں.....؟" اس نے سعدیہ کو گھورا جو تنگ کرنے کے موڈ میں تھی۔

"ویری پور بھائی.....! میں گاڑی کو ماڈل پوچھ رہی تھی۔"

"سنی.....! تم نا پٹ جاؤ گی میرے ہاتھ سے۔ میں نے سوچا تھا تمہیں دوست بنا کر اس کے بارے میں سب بتاؤں گا۔ وہ ایسی ہے، ویسی ہے، کس طرح کی ہے، مگر اب میں تمہیں کچھ بھی نہیں بتاؤں گا۔"

وہ خفا سا ہو کر جانے لگا تو سنی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ہیں.....؟ واقعی.....؟ چلیں مت بتایئے گا کچھ بھی۔ وہ ایسی ہے، ویسی ہے، کیسی ہے، مجھے خود ہی پتہ چل جائے گا۔"

"خود ہی پتہ چل جائے گا کیا مطلب.....؟ کیسے پتہ چل جائے گا.....؟" وہ سمجھ نہیں پایا۔

"ویری سمپل.....! آپ کے چہرے پر اس کی اُنگلیوں کے نشان دیکھ کر۔"

"سنی کی بچی.....! میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ ارے.....! کسی ماں کی لاڈلی میں اتنی جرأت نہیں۔ شہرام خرم کے وجیہہ چہرے پر اپنی اُنگلیوں کے نشان چھوڑے۔"

شہرام نے سنی کو پکڑ کر دو چار لگانے کی کوشش کی مگر عائشہ سامنے سے آ گئیں اور شہرام کو قابو کر لیا۔

"ہاں بھئی.....! شہرام درست کہہ رہا ہے۔ بھئی.....! کچھ اُنگلیوں کے نشان کچے رنگوں کی طرح جلدی اتر جاتے ہیں اور کچھ تو اتنے دیرپا ہوتے ہیں کہ کئی دن تک دوسرے گال پر بھی میک اَپ کرنا پڑتا ہے، ہے ناں بیٹا.....!" عائشہ نے کوئی پرانا واقعہ یاد دلایا تو شہرام منہ بسور کر رہ گیا۔

"پھپھو.....! آپ بھی نا اس چڑیل کے ساتھ مل کر مجھے خوب فول بناتی ہیں۔ دس از ناٹ فیئر.....!" وہ روٹھ گیا ان دونوں سے تو سعدیہ بھائی کو منانے آگے بڑھی۔

"روٹھنا چھوڑیں بھیا.....! یہ بتائیں اس وجہ کا کوئی نام تو ہوگا ناں.....؟ جیسے میداں، شیراں، نوراں، فلاں فلاں.....!"

"کیا مطلب ہے تمہارا.....؟ اپنی طرح اسے قبل از مسیح کی سمجھ رکھا ہے.....؟ یوں بھی اس کا ماما نہیں لگتا کہ مجھے اس کا نام پتہ معلوم ہوگا۔" شہرام بری طرح چڑ گیا تھا۔

"ارے بھئی.....! اس میں اتنا خفا ہونے کی کیا بات ہے.....؟ اب بیچاری سنی کو کیا پتہ تم اس کے ماما نہیں چاچا لگتے ہو۔ سنا تم نے سنی.....! شہرام اس حسین لڑکی کے ماما نہیں چاچا ہیں، ٹھیک ہے ناں شہرام بیٹے.....!"

"جی جی.....! بالکل.....! آں ہاں.....؟ یعنی کہ کیا مطلب ہے آپ کا.....؟ پھپھو.....! آپ آپ..... میں نہیں بول رہا آپ سے..... آپ ہمیشہ اس بندریا کا ساتھ دیتی ہیں۔"

عائشہ کی شرارت سمجھ کر شہرام منہ پھلا کر آگے بڑھا۔ وہ دونوں زور سے ہنس پڑیں۔

"کہیں جا رہے ہو بیٹا.....!" خرم اسی وقت آفس سے آئے ہاتھ میں فائل پکڑے وہ شہرام کی طرف گھومے جس کا موڈ سخت آف تھا اور چونکہ لیلیٰ اور سنی ہنس رہی تھیں اس لیے وہ وجہ بھی جان گئے۔

"جی.....! جا رہا ہوں جہنم میں۔" اس نے بہن اور پھپھو کو گھورا جو ابھی بھی ہنس رہی تھیں اور چونکہ خرم کو کام لینا تھا لہٰذا دانشمندی کا تقاضا تھا اس کا ساتھ دیا جائے۔

"اچھا گڈ.....! تو اکیلے کیوں جا رہے ہو.....؟ اپنی پھپھو اور بہن کو بھی لے جاؤ ناں، خوب گزرے گی۔"

"کیا مطلب ہے بھائی آپ کا.....؟ یعنی کہ حد ہو گئی۔" لیلیٰ بھائی سے خفا ہو گئی۔ سنی نے باقاعدہ اپنی چھوٹی اُنگلی باپ کے سامنے کر دی۔

"یہ کیا ہے بھئی.....؟" خرم جان کر انجان بنا۔

"یہ میری سب سے چھوٹی اُنگلی ہے پپا.....! جو کٹی کے لیے استعمال کرتی ہوں۔ یہ کیا بات ہوئی آپ ہماری پارٹی کے ہو کر دشمنوں کا ساتھ دے رہے ہیں.....؟ جایئے کٹی.....!"

سنی خفا ہو گئی تو شہرام خوش ہو گیا کہ چلو پپا تو میرے ساتھ ہیں۔ اس نے ان کا ہاتھ پکڑا اور اترا کر بولا۔

"پپا تمہارے نہیں میرے ساتھی ہیں۔ وہ چڑیل پارٹی کے ہو ہی نہیں سکتے، کیوں پپا.....!" اس نے اپنی بات کی تائید کے لیے خرم کو دیکھا جو اب اس موقع سے اپنا کام نکلوانا چاہتے تھے۔

"ہاں.....! بالکل بیٹا.....! مجھے چڑیلوں سے کیا لینا دینا، میں تو بھوت کا ساتھ دوں گا، کیوں ٹھیک ہے ناں.....؟"

"جی پپا.....! بالکل ٹھیک.....!" وہ خرم کی شرارت نہیں سمجھ سکا اور وہ دونوں ہنسنے لگیں تو شہرام کو گمان

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo @ OneUrdu.com

گزرا۔ کہیں کوئی بے عزتی تو نہیں ہوگئی۔ وہ پپا کے کان کے قریب آ کر بولا۔

"پپا.....! کہیں آپ نے میری بے عزتی تو نہیں کر دی جو کہ دونوں ہنس رہی ہیں۔"

"ارے نہیں بیٹا.....! اب بھوت کہنے سے بھلا تمہاری بے عزتی کہاں ہوتی ہے.....؟ اب بن مانس کہہ دیتا تو بات بھی تھی۔ خیر تم ان کی ہنسی کو چھوڑو یہ دونوں تو نری احمق ہیں۔"

"ذرا بلند آواز میں کہیں ناں پپا.....! ان کو ان کی اوقات معلوم ہو۔"

شہرام نے دونوں کو گھورا جو ان کی کھسر پھسر سننے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"ہاں بھئی شہرام.....! یہ دونوں لڑکیاں تو بالکل عقل سے پیدل ہیں مگر تم یہ فائل مرزا صاحب کے ہاں دے آنا پلیز.....! بہت ضروری ہے۔ کر دو گے نا میرا یہ کام.....؟"

"وائے ناٹ پپا.....! پہلے آپ کا کام کروں گا پھر انسٹیٹیوٹ جاؤں گا۔ بائے گرلز.....!"

شہرام خوش ہو گیا تھا۔ فائل لے کر باہر نکلتے ہوئے لیلیٰ اور سنی کو منہ چڑاتا جا رہا تھا کہ مرد دروازے سے لگا وہ دونوں پھر زور سے ہنس پڑیں۔

"ہائے گرلز.....!" خرم اب ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے تو دونوں نے منہ پھیر لیے۔

"ہوں.....! تو گویا تم لوگ خفا ہو.....؟" دونوں روٹھی ہوئی خرم کو بہت پیاری لگیں۔ اس وقت تو لیلیٰ بھی سنی کے برابر ہی لگی۔ خرم آگے بڑھے اور دونوں کے درمیان بیٹھ کر دونوں کے ہاتھ اپنے دائیں بائیں ہاتھوں میں لے لیے۔

"ہم لوگ چڑیلیں.....؟" دونوں کورس میں بولیں تو خرم بے ساختہ بولا۔

"آف کورس.....! وہ میرا مطلب ہے کہ....." دونوں نے خفگی سے گھورا تو معلوم ہوا کچھ غلط کہہ دیا ہے۔

"ہم.....ہم عقل سے پیدل ہیں.....؟ ہیں ناں.....؟" باجماعت شکوہ ہوا۔

"ہاں ہاں بھئی.....! یہ تو انڈر اسٹوڈ حقیقت ہے کہ لڑکیاں عقل سے پیدل ہوتی ہیں۔ خاص طور پر تم لوگ مگر یہ کوئی پرابلم والی بات نہیں رہی۔ بھئی.....! اب تو پیدل کا دور ہی نہیں رہا کنوینس پرابلم ہے، آپ اپنی عقل کو رکشہ ٹیکسی یا گاڑی خرید کر دے سکتی ہیں۔ بھئی.....! اگر آپ صاحب حیثیت ہیں تو جہاز بھی خرید کر....."

"بھائی.....!" وہ دونوں ہاتھ چھڑا کر احتجاجاً کھڑی ہو گئیں۔

"ہائیں.....؟ کچھ غلط کہہ دیا کیا.....؟ اوہو سوری بھئی.....! بوڑھا ہو گیا ناں، سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ کچی بات کو بھی نہیں کرنا چاہیے۔ بیٹھو ناں گپ شپ کرتے ہیں۔"

خرم نے بہن اور بیٹی کو دوبارہ بیٹھا لیا۔

"ارے میری جان.....! میری گڑیا.....! بھئی.....! دیکھو ناں مجھے شہرام سے ضروری کام تھا اور یو نو کہ ضرورت کے وقت تو گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے ناں۔"

"بھائی.....! گدھے کو باپ یا باپ بیٹے کو.....؟"

لیلیٰ نے شرارت میں جو بات اُدھوری چھوڑ دی تھی خرم اس کو سمجھ گئے تھے۔

"لیلیٰ.....! تت.....تمہارا مطلب ہے کہ.....جاؤ میری تم دونوں سے کٹی.....!"

خرم خفا ہو کر جانے لگے تو دونوں نے روک لیا۔ دونوں نے گدگدایا تو وہ ہنس پڑے تو اسی وقت فون کی بیل ہوئی۔ لیلیٰ نے جلدی سے فون ریسیو کیا۔ دوسری طرف ابرار تھا۔

"جی ابرار.....! خیریت ہے ناں.....؟"

"عائشہ.....! خیریت ہی نہیں خوشخبری کہو، ایسی خوشخبری ہے کہ تم جھوم اٹھو گی۔"

ابرار کی آواز میں بھی خوشی کی جھنکار تھی، بے پایاں خوشی کی۔

"ابرار.....! تم جانتے ہو میری زندگی کی ایسی ایک ہی خوشی ہے جو ملنے پر میں جھوم سکتی ہوں اور میں جانتی ہوں وہ خوشی مجھے اتنی آسانی سے نہیں ملے گی۔"

لیلیٰ کا لہجہ بھیگ گیا۔

"تو میڈم.....! مبارک ہو.....! جھومنے کے لیے تیار ہو جاؤ، ہماری ٹیم نے آج ایک نوجوان کپل کو ٹریس آؤٹ کیا ہے۔ لڑکی اپنے والد کا نام شہباز بتاتی ہے۔"

"کیا.....؟ کیا.....؟"

• • •

"خیریت تو ہے ناں.....؟ یہ....." وردہ سب کو سر جوڑے دیکھ کر بری طرح گھبرا گئی تو ارمغان اسے گھورنے لگا۔

"تم خواتین کو اگر بے وقوف کہا جاتا ہے ناں تو درست ہی کہا جاتا ہے۔ احمق لڑکی.....! بتایا تو تھا کہ یہاں پوری قوم آج کیوں جمع ہے۔ ظاہر ہے یہ سب یہاں سر جوڑے پروگرام ترتیب دے رہے ہوں گے، ابھی تماشا دیکھنا۔" ارمغان نے گیٹ سے گاڑی اندر لاتے ہوئے اتنے زور سے ہارن بجایا کہ سب جو مگن تھے بری طرح خوفزدہ ہو کر چونکے۔

"یہ کیا بدتمیزی تھی.....؟" ایاز آستین چڑھا کر ارمغان کی طرف لپکا۔

"یہ بدتمیزی نہیں ہارن تھا جو ہجوم کو منتشر کرنے کے لیے بجایا گیا تھا کیونکہ ڈاکٹر صاحبہ لوگوں کے جڑے ہوئے سر نہیں دیکھ سکتیں۔" ارمغان نے وردہ پر چوٹ کی مگر اس نے بڑی ذہانت سے بات نبھائی۔

"ہوں.....! واقعی میں جڑے ہوئے سر نہیں دیکھ سکتی۔ ڈاکٹر ہوں ناں جانتی ہوں جب جڑے ہوئے سر الگ کرنے پڑتے ہیں آپریشن کے ذریعے تو نتائج اچھے برآمد نہیں ہوتے۔"

"اوہ.....! ڈاکٹر وردہ وجاہت.....! اچھا ہوا آپ آ گئیں، مجھے بڑی مہلک بیماری لاحق ہو گئی ہے۔ سوتا ہوں تو نیند نہیں آتی، کھاتا ہوں تو بھوک نہیں لگتی۔ میں اس بیماری سے بہت تنگ ہوں، جلدی سے کوئی علاج بتائیے۔"

"صرف ایک چٹکی خاک پھانک لیجیے، افاقہ ہوگا۔"

وردہ نے باقاعدہ جھک کر نیچے سے مٹی کی چٹکی بھری اور فیضی کی طرف بڑھائی۔ وہ دوسری طرف بڑھ گیا۔

"نیکسٹ.....!" وردہ نے باقاعدہ ڈاکٹری انداز میں پکارا۔

"وردہ.....! کیا مشکل ہے.....؟ تم آ کر یہیں کی ہو رہیں، وہاں مامی تمہیں پوچھ رہی ہیں۔" اسی وقت

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com

علیزہ باہر آئی تو ارمغان کی نظر کی تلاش ختم ہوگئی۔

"مامی پوچھ رہی تھیں تو آپ جلدی باہر آ کر اطلاع نہیں دے سکتی تھیں.....؟ کچھ احساس بھی ہے کہ کوئی کتنا پریشان ہوگا.....؟ میرا مطلب....." ارمغان کی توجہ، ارمغان کی مخاطب تو وہی تھی۔

"مجھے آپ کے مطلب سے کوئی مطلب نہیں، میں صرف اپنی بہن کو بلانے آئی ہوں۔" ارمغان سے علیزہ کا بیر ہمیشہ جواں رہتا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"کبھی تو نظر ملاؤ، کبھی تو قریب آؤ۔" عدنان سمیع ارمغان کو اپنے قریب سنائی دیا۔

"آتی ہوں علیزہ.....! ابھی انسانوں کی ڈاکٹر بنی نہیں کہ جانوروں کا علاج کرنا پڑ گیا۔" وہ اس شرارت سے سب کزنز کو دیکھا جو اس کی بات کا مطلب سمجھ کر اس کے پیچھے بھاگے۔ وہ آگے تھی سب پیچھے۔

"بچایئے مامی.....! یہ سب....." وہ بھاگتی ہوئی عفت مامی کی اوٹ میں ہوگئی۔

"خبردار.....! جو کسی نے میری بیٹی پر بری نظر بھی ڈالی۔" وہ اس کی ڈھال بن گئیں۔

"بری نہیں تو اچھی نظر، پیار کی نظر ڈالنے کی اجازت تو ہے ناں.....!" عدیل کالر درست کرتا ہوا آگے بڑھا مگر عفت بیگم نے اسے روک دیا۔

"ہاں.....! ضرور ہے مگر کسی اور کو نہیں صرف ارمغان کو۔"

◆ ◆ ◆

"کیوں کیوں.....؟ یہ خصوصی رعایت صرف ارمغان کو کیوں چچی جان.....!"

عدیل نے احتجاجی علم بلند کرتے ہوئے ارمغان کو گھورا جو خود بھی ماں کی اس خصوصی رعایت کے پیچھے چھپی اصل بات کو نہیں جان سکا تھا اور نہ ہی اس کو اس رعایت سے دلچسپی تھی۔ اس کی گہری نظروں کے حصار میں اس وقت صرف علیزہ تھی جو دوسری کزن حمنی کے ساتھ مل کر مہندی والے دن کے پروگرام بنا رہی تھیں۔ وہ حمنی کی کسی بات پر ہنسی تو ارمغان کو لگا جیسے ہر طرف پھول کھل اٹھے ہوں، روشنی سی پھیل گئی ہو۔ وہ اسی نظارے میں گم تھا، اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ عدیل باقاعدہ اس کی ماں سے لڑ رہا ہے۔

"بتایئے ناں چچی جان.....! یہ خصوصی رعایت اس لنگور کے لیے کیوں ہے.....؟"

"بھئی.....! اس لیے کہ وہ لنگور ہے تو اتنے انسانوں میں اگر ایک لنگور آ جائے تو ہم انسانوں کو اس کی ایگو کا خیال رکھتے ہوئے کوئی نہ کوئی خصوصی رعایت تو دینی چاہیے ناں تاکہ وہ اس محفل میں خود کو تنہا نہ سمجھے۔ کیوں ارمغان.....!"

عدل کی بات کا جواب مسعود نے دیا اور ارمغان سے تائید چاہی مگر وہ اس وقت چونکا جب علیزہ اور حمنی اٹھ کر چلی گئیں۔

"ہوں، ہاں.....! آپ بڑے بھائی ہیں ٹھیک ہی کہا ہوگا آپ نے بھی۔"

بے دھیانی میں اس نے جو بات نہ سنی، نہ سمجھی تائید کر دی تو سب بے ساختہ ہنس پڑے۔

"اچھا.....! تو بھائی لنگور.....! آپ کو انسانوں میں آ کر کیسا لگا.....؟" اسے لنگور کہہ کر عدیل نے کچھ اپنا غصہ بھی نکالا تو ارمغان نے اس کی طرف گھورا۔

"بہت برا لگا کیونکہ جب تم جیسے گدھے گھوڑے بھی آئے ہوئے ہیں تو مجھے انوائیٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی.....؟"

"ویری فنی.....!" عدیل نے دانت پیسے تو ارمغان چڑانے لگا۔

"آداب بجا لاتا ہوں۔"

Scanned & Posted by Sanyoo @ OneUrdu.com
UrduPhoto.com

"لاتے رہو.....! غلاموں کا اور کام ہی کیا ہے.....؟" عدیل کہہ کر بھاگا اور ارمغان کا اُچھالا ہوا کش اندر آتے ظہیر صاحب کے سر سے ٹکراتا ہوا دُور جا گرا۔

"ارے بھئی.....! یہ کشن باری کس سلسلے میں ہے.....؟"

"یہ سارا کیا دھرا آپ کی بیگم کا ہے بھائی جان.....! آیئے میں آپ کو بتاتی ہوں۔ بھابھی.....! آپ بس یونہی ہیں۔"

شہلا نے صورتِ حال سنبھالتے ہوئے خلیل اور عفت کو پکڑا اور آگے بڑھیں۔

"اللہ تمہارا بھلا کرے شہلا.....! اب تو تمہیں اپنی بھابھی کے ایویں ہونے کا یقین ہو گیا ناں.....؟ اب جلدی سے اپنے لیے نئی بھابھی ڈھونڈ لو۔"

"ضرور.....! ضرور ڈھونڈ لو نئی بھابھی مگر پہلے بڑے میاں کے اسپیئر پارٹس درست کروا لو، نئے لگوا لو، ان میں دانت نہیں، پیٹ میں آنت نہیں، ابھی ہلکا سا جھٹکا لگے تو منہ کے بل گرے نظر آئیں گے موصوف۔"

عفت منہ بگاڑ کر بولیں۔ شہلا ہنسنے لگیں۔

"بھابھی جان.....! آپ تو حد کرتی ہیں۔"

"ہاں نہیں تو اور کیا.....؟ بڑے میاں سے سہارے کے بغیر ایک قدم اُٹھتا نہیں اور چلے ہیں دوسری شادی کرنے۔"

"ارے بھئی.....! یہاں کیا نیاز بٹ رہی ہے.....؟ ذرا ہم بھی دیکھیں۔"

"یہاں نیاز نہیں، ڈانٹ بٹ رہی ہے بھائی جان.....! آجایئے آپ بھی اپنا حصہ لے لیجیے گا۔"

شہلا نے مسکرا کر بڑے بھیا کو دیکھا تو وہ چند قدم پیچھے ہٹ گئے۔

"ارے واہ.....! کیا قسمت پائی ہے دونوں بھائیوں نے، کھائے جاؤ میاں.....! ہمارا تو پیٹ فل ہو چکا۔ ابھی ابھی آپ کی بھابھی جان بھی اسی شغل میں مصروف تھیں۔" سجاد بھیا ہنستے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"کیوں بھئی شہلا.....! تمہیں اتنی ہنسی کیوں آرہی ہے.....؟" بیگم سجاد نند کو ہنستے دیکھ کر گھورنے لگیں۔

"اپنے جانباز دلیر بھائیوں کی بہادری پر ہنس رہی ہوں جو اپنی اپنی بیگمات سے ڈانٹ کھا رہے ہیں۔ بیچارے میرے بھائی.....!"

شہلا نے اپنے دونوں بھائیوں کے ہاتھ تھام کر پیار سے ان کو دیکھا۔

"ارے.....! تو اپنے بیچارے بھائیوں کو سمجھاؤ، ڈانٹ کھانے والی باتیں کیوں کرتے ہیں.....؟"

"ارے بھئی.....! سب لوگ پہلے کھانا کھا لو بعد میں ہاضمے کے لیے بیگمات سے ڈانٹ کھا لینا۔"

سب سے بڑی بھابی جو آج اس دعوت کی میزبان بھی تھیں آکر بولیں تو سب مسکراتے ہوئے اُٹھ گئے۔

"ارے بھابھی جان.....! یہ بچہ پارٹی کہاں ہے.....؟"

"بچہ پارٹی نے ہم لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے سے انکار کر دیا ہے۔ خاندان کی پہلی شادی ہے تو وہ اسی سلسلے میں پروگرام ترتیب دے رہے ہیں۔ آپ سب بسم اللہ کیجیے۔"

"بھابھی.....! بھابھی.....!" ارمغان روبی کو چھیڑ رہا تھا جو اس کی خالہ زاد بہن بھی تھی۔

"بدتمیز.....! میں تمہاری بہن بھی ہوں۔ خبردار جو مجھے بھابھی کہا تو..... ہمیشہ کی طرح تم مجھے بجو ہی کہو کانوں کے بغیر بالکل بھی اچھے نہیں لگو گے۔"

روبی نے پلٹ کر اس کے کان کھینچے تو سعود بھائی نے زور سے اس کی ناک مروڑ ڈالی تو وہ چیخ پڑا۔

"کیا پرابلم ہے یار.....! تم میاں بیوی کے ساتھ.....؟"

"صرف یہ کہ اگر تم نے میری بیوی کو بھابھی کی بجائے بجو کہا تو ناک کے بغیر بھی کچھ زیادہ اسمارٹ نہیں لگو گے۔"

"آپ میرے کان لے لیجیے اور آپ ناک مگر میں وہ کروں گا جو میرا دل چاہے گا۔ ارے.....! حد ہو گئی، آپ کو بھابھی کہنا ہے یا بجو اور آپ کو بھائی بنانا ہے یا بہنوئی، یہ وقت اور حالات پر ڈپینڈ کرتا ہے، اوکے.....!"

"ارمغان بھائی.....! آپ کے برابر والی کرسی خالی ہے نا.....؟" آمنہ نے اس کے برابر خالی کرسی کی طرف اشارہ کیا جو ارمغان نے صرف علیزہ کے لیے روک رکھی تھی اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ اس کے برابر قطعی نہیں بیٹھے گی پھر بھی جانے کس اُمید کا دیا روشن کیے وہ اسی کا منتظر تھا جو ابھی اندر نہیں آئی تھی۔

"ہاں ہے مگر تمہارے لیے نہیں اور آپ سے یہ نہ پوچھنا کس کے لیے.....؟" اسی وقت علیزہ اور رانیا اندر آئیں۔ ہال کا جائزہ لے کر مایوسی ہوئی۔ کھانے کی میز کے گرد سب کرسیوں پر براجمان ہو چکے تھے۔

"رانیا.....! ہمیں یہیں بیٹھنا ہوگا، جگہ ہی نہیں۔" علیزہ صوفے کی طرف بڑھی۔

"جگہ کیوں نہیں.....؟ یہاں ہے نا جگہ۔" ارمغان نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ علیزہ نے اسے دیکھا، اسے کیا۔ وہ رانیا کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھی۔

"لیکن مجھے وہاں نہیں بیٹھنا۔" وہ رعونت سے بولی تو اس کی نفرت کی تلخی کو اندر اُتارتے ہوئے ارمغان نے اپنی وضع داری کا بھرم یوں رکھا۔

"توبہ ہے.....! آج کل کی لڑکیاں کتنی خوش فہم ہو گئی ہیں۔ میں نے آپ کے لیے نہیں، اپنی سویٹ سسٹر کے لیے جگہ رکھی ہے۔ آؤ رانیا.....! بیٹھو.....!" اس کی بات پر جمشید سمیت سب کزنز چونکے۔ سب جانتے تھے کہ ارمغان دل و جان سے علیزہ پر فدا ہے اور وہ اسے گھاس نہیں ڈالتی۔ وہ کھڑا رانیا کو بلا رہا تھا جبکہ وہ علیزہ کو اس کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔

"اوہ.....! شکر ہے جگہ مل گئی۔ توبہ.....! کھڑے کھڑے تو ٹانگیں شل ہو گئیں۔" اور جس کرسی کو بچانے کے لیے ارمغان لڑائیاں لڑ رہا تھا، اس پر دھم سے وردہ آن بیٹھی تو وہ اسے گھورنے لگا۔

"آپ کو اس کرسی پر تشریف رکھنے کے لیے کس نے دعوت نامہ دیا.....؟" وہ جل ہی تو گیا۔

"بھئی.....! بات یہ ہے کہ میں مامی کے ساتھ کام کرا کرا کے بہت تھک چکی ہوں اور اب بیٹھنے کے لیے کرسی درکار تھی، سو مل گئی۔ یوں بھی کہتے ہیں کرسی کو زیادہ تر خالی نہیں چھوڑنا چاہیے، کوئی بھی قابض ہو سکتا ہے۔ کیوں عدیل بھائی.....!"

وردہ نے کھانا نکالتے ہوئے عدیل کو چھیڑا۔ وہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

"کچھ لڑکیوں کے ہونٹوں پر لفظ بھائی بالکل سوٹ نہیں کرتا اس لیے ان لڑکیوں کو اس لفظ کی ادائیگی سے

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

پرہیز کرنا چاہیے۔"

"اوکے بھائی.....!" وردہ نے اس کی بات سمجھتے ہوئے شرارت سے کہا اور کھانے لگی۔

"ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ آپ بہت غلط جگہ آ کر فٹ ہوئی ہیں۔" ارمغان کو علیزہ کی جگہ وردہ کا بیٹھ جانا ہضم نہیں ہوا تھا۔

"کیا غلط کیا درست، مجھے تو معلوم نہیں۔ بھوک نے میرے حواس چھین لیے ہیں۔"

وردہ کھانے میں مصروف تھی کہ ارمغان نے اسے گھورا اور پلیٹ میں کھانا نکالنے لگا۔

ایسا اکثر ہوا تھا۔ جہاں وہ علیزہ کو دیکھنا چاہتا وہاں وردہ آن موجود ہوتی۔ ہر چند کہ ہزار کھوج کے باوجود وردہ کی نگاہوں یا دل میں اپنے لیے کسی بھی ایسے جذبے کو نہیں ڈھونڈ سکا تھا مگر پھر بھی جانے کیوں اسے وہ اچھی لگتے۔

"کہیں ایسا نہ ہو کہ علیزہ کی جگہ وردہ.....؟ نہیں نہیں.....!" اس نے اپنے خیالات کو جھٹکا۔

کھانا کھانے کے بعد لان میں جمع ہو کر باقاعدہ پروگرام بنائے گئے۔ سب بڑھ چڑھ کر بول رہے تھے۔ خاندان کی پہلی شادی خوب دھوم دھام سے منائی جا رہی تھی۔

"تو کزنز.....! چونکہ لڑکی بھی گھر کی اور لڑکا بھی، اس لیے دو پارٹیاں بنیں گی۔ ایک لڑکی والے اور ایک لڑکے والے۔ جو روبی کی طرف ہوں وہ اس کی طرف ہو جائیں اور سعود کی طرف کے لوگ اس کی طرف جائیں۔"

اس اعلان پر سب ہی جز بز ہونے لگے کہ کیا فیصلہ کریں، کس طرف ہونا فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ لڑکیاں پزل ہو رہی تھیں۔ ایسے میں لڑکیاں سر جوڑ کر آپس میں کھسر پھسر کرنے لگیں اور کچھ دیر بعد اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"ہم سب لڑکیوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ہم سب لڑکیاں لڑکی والوں کی طرف ہیں۔"

"واٹ.....! سب کی سب.....؟" جمشید کے ساتھ سب ہی چیخے۔

"رحم.....! لڑکیو.....! رحم.....! لڑکیوں کے بغیر ہماری بارات کتنی سونی اور بے رنگ ہو گی۔ رحم کرو۔" عدیل اور ارمغان گڑگڑائے تو وردہ کے ساتھ ہنی وغیرہ آگے بڑھیں۔

"ٹھیک ہے.....! لڑکیاں لڑکے آدھے آدھے برابر لڑکی اور لڑکے والوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔" اور پھر انصاف کے تقاضوں کے تحت گھر کے تمام لڑکے لڑکیاں، لڑکی اور لڑکے والوں میں برابر بانٹ دیے گئے۔ لڑکیوں کا تقاضا تھا کہ وردہ لڑکی کی طرف ہی رہے مگر وہ لڑکے والوں کی طرف چلی گئی۔

"باغی.....! دھوکے باز.....! دیکھنا ان سب کے ساتھ تمہاری بھی کیا درگت بنتی ہے۔"

لڑکیاں اس سے سخت خفا تھیں کیونکہ اسی نے سارے پروگرام بنانے تھے جبکہ لڑکے وردہ کی آمد پر بھنگڑا ڈالنے لگے مگر ارمغان چپ چاپ وردہ کے قریب آ گیا کیونکہ ایسا تو وہ علیزہ سے چاہ رہا تھا کہ وہ ان سب سے بغاوت کر کے اس طرف آئے وہ پوچھے کہ

"تم ادھر کیوں آئیں۔"

"اس لیے کہ جہاں تم وہاں ہم۔" سوال بھی وہی تھا، جواب بھی اس کے حسب منشا، مگر دل کے اندر خوشی کی کوئی کرن نہیں چمکی تھی۔ وردہ نے بڑی شوخی سے اسے دیکھتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا تو ارمغان پھر سوچنے لگا کہ کہیں یہ لڑکی اسے چاہنے تو نہیں لگی۔

"اونو.....! ایسا نہیں ہونا چاہیے۔" اس نے سختی سے اس خیال کو جھٹک دیا کیونکہ وہ اس پیاری سی لڑکی کو نہ اداس ہوتا دیکھ سکتا تھا اور نہ ہی کر سکتا تھا۔

"وردہ آپی.....! آپ کا موبائل بج رہا ہے۔" جواد نے موبائل اس کے ہاتھ میں دیا۔

"غزین آفاق.....؟ رات کے دو بجے.....؟ اور میرا موبائل نمبر اس کے پاس آیا کہاں سے.....؟ اور کیوں کر رہا ہے وہ فون.....؟"

ایسے ماحول میں جبکہ وردہ بہت خوش تھی، سب کے ساتھ مل کر خوب انجوائے کر رہی تھی، اس کے موبائل پر غزین آفاق کا فون آ جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ایک عجیب سی کیفیت جھرجھری بن کر اس کے بدن میں دوڑ گئی۔ اس نے فون اٹینڈ نہیں کیا بلکہ آف کر دیا۔

"ہاں.....! تو کیا پروگرام بن رہا تھا.....؟" اس نے دوبارہ اسی ماحول کا حصہ بننا چاہا مگر اندر ایک بے چینی سی ہونے لگی کہ غزین کی جرأت کہ اس کے موبائل کا نمبر ملائے۔ جھنجھلاہٹ، غصہ دبائے وہ ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو گئی مگر وہ زندہ دلی برقرار نہ رکھ سکی جو پہلے تھی۔ اس کے بعد کئی بار غزین کا فون آتا رہا، وہ بہت اُپ سیٹ ہو کر اندر آ گئی۔ فی الحال وہ کسی کو کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی۔

"صبح جا کر معلوم کرتی ہوں، اس کی جرأت کیسے ہوئی.....؟" اس نے موبائل آف کر دیا اور باہر آ گئی۔

"کم آن وردہ.....! کیسی باتیں کرتی ہو.....؟ میں کتنی ہی ڈرپوک سہی مگر اتنی بھی نہیں کہ کسی کی دھمکی میں آ کر تمہارے اعتماد کو ٹھیس پہنچاؤں گی اور یوں بھی میری بات سنو.....! آج جدید ٹیکنالوجی نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ کسی کا کوئی راز رہا ہی نہیں اور پھر ایک جگہ پڑھنے والے لوگ تو ایک دوسرے کے ایک ایک راز سے واقف ہوتے ہیں اور پھر غزین آفاق جیسے لڑکے جن کی ہر اعتبار سے کلاس اور ہوتی ہے، اس کے لیے تمہارا اتا پتا، نمبر معلوم کرنا کوئی دشوار کام ہے.....؟"

کالج آتے ہی وردہ نے سب سے پہلے ناجیہ کو پکڑا کیونکہ وہ ڈرپوک لڑکی تھی۔ وردہ کو گمان گزرا کہ کہیں کسی بات سے ڈر کر اس نے نمبر نہ دے دیا ہو مگر ناجیہ کی بات بالکل درست تھی کہ ایک دوسرے کے بارے میں معلوم کرنا کون سا مشکل کام تھا۔

"تم اٹینڈ کر کے پوچھتیں تو سہی کیا تکلیف ہے.....؟"

"نہیں ناجیہ.....! میں اسے امپورٹینس دینا نہیں چاہتی کیونکہ اس جیسے شخص کو منہ لگا کر محض تماشا بننے والی بات ہے جو میں نہیں چاہتی اور یوں بھی مما کو ایسی کسی بات کا پتا چل گیا تو وہ مجھے گھر بٹھا لیں گی۔ انہوں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ایسی ویسی کوئی حرکت نہیں ہونی چاہیے مگر یہ بدتمیز لڑکا آتے ہی پیچھے لگ گیا اور مجھے یہ شخص نارمل بھی نہیں لگتا۔ یوں لگتا ہے یہ کسی گروہ کا آدمی ہے۔"

Scanned & Posted by Sanyoo @ OneUrdu.com
UrduPhoto.com

اتنے عرصے سے جو غزین کا وردہ کے ساتھ رویہ تھا یا دوسروں کے ساتھ برتاؤ، اس سے تو اسے کبھی بھی گمان گزرتا تھا۔

"خیر وردہ.....! ایسی بھی بات نہیں۔ بس پیسے اور طاقت کا گھمنڈی ضرور ہے ورنہ اتنا برا نہیں۔" ناجیہ وردہ سے متفق نہ ہوئی تو وہ بیگ اُٹھا کر کھڑی ہوگئی۔ ناجیہ نے نظریں اُٹھا کر اپنی بات کا اثر اس کے چہرے پر تلاش کیا کہ شاید غزین کی حمایت سے وہ خفا ہوگئی ہے۔

"خفا ہو.....؟" ناجیہ نے اسی کے ہاتھ کا سہارا لے کر اُٹھتے ہوئے پوچھا تو وردہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ تو خود بہت اُلجھی ہوئی تھی۔

"کس بات پر.....؟" وردہ نے آہستگی سے کہا کہ اس کے لہجے سے بھی یہی ثابت ہوا کہ وہ لاعلم ہے۔

"بھئی.....! غزین کی حمایت کرنے پر۔"

"ناجیہ.....! تم بھی نا بہت عجیب ہو۔ نجانے ڈاکٹر بنو گی تو تمہارے مریضوں کا کیا ہوگا.....؟ اگر تمہارے پاس کوئی پیشنٹ آئے گا تو تم اس کا علاج کرنے کی بجائے اس سے یہ معلوم کرنے لگو گی کہ کہیں تم میری وجہ سے بیمار نہیں ہو گئے.....؟ ناجیہ.....! ہم لوگ مستقبل کے ڈاکٹر ہیں، ہمیں ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے کچھ کرنا چاہیے۔"

دونوں لابی سے ہوتی ہوئی آڈیٹوریم چلی گئیں جہاں آج اہم لیکچر تھا پھر دونوں کینٹین آ گئیں۔ ہر کھانے کا رُخ اسی جانب ہوتا تھا۔ وردہ نے سینڈل کے اسٹیپ کھولتے ہوئے ایک متلاشی طائرانہ نظر دوڑائی۔ بہت سے لوگ تھے مگر غزین نظر نہیں آیا تو نجانے کیوں اس نے سکون کا گہرا سانس لیا تو ناجیہ کی آواز آئی۔

"غزین سے خوفزدہ ہو یا مرعوب ہو یا....."

"ہشت.....!" اپنے اس خیال کو سختی سے دماغ سے نکالا اور ناجیہ کی طرف پلٹی جو بیگ رکھے کھانے کے لیے کچھ لینے جا چکی تھی۔

اس نے صدقِ دل سے دُعا کی کہ غزین کالج نہ آئے کیونکہ اس کے آنے سے وہ بندھ سی جاتی تھی۔ اسے لگتا اس کی نظریں ہر وقت ہر جگہ اس کو حصار میں لیے ہوتی ہیں۔

"ہوں.....! اس کا مطلب ہے تم اس سے خوفزدہ بھی ہو اور مرعوب بھی۔"

"شٹ اَپ.....!" اندر کی اس آواز کو اس نے سختی سے ڈانٹا۔ اسی وقت ناجیہ آ گئی۔

"خیریت.....؟ یہ خود کلامی کی عادت کب سے ہوگئی.....؟"

"بور نہ کرو.....! آج میں بہت ریلیکس ہوں، سکون سے کھانے پینے دو۔"

اس کی بات کو اِگنور کر کے اس نے سموسے اور رولز اپنی طرف بڑھائے۔ جیسے ہی رول منہ میں رکھا کہ موبائل بجنے لگا۔ ساتھ ہی اس کا دل دھڑک اُٹھا۔ کسی خوف کے تحت اس نے بیل ہونے دی۔ بیگ سے نکال کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی اور لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ناجیہ نے اسے گھورتے ہوئے خود اس کا بیگ کھولا۔

"اوہ.....! غزین.....!" موبائل پر غزین کا نام اور نمبر تھا۔ ناجیہ نے چور نظروں سے دیکھا۔ وردہ بڑے سکون سے کھا رہی تھی۔ اس نے سوچا اگر بتا دیا تو وردہ اَپ سیٹ ہو جائے گی۔ اس نے بند کر دیا۔

"کون تھا.....؟" رول منہ تک لے جاتے ہوئے وردہ نے پوچھا تو ناجیہ نے جھوٹ بول دیا۔

"گھر سے تھا۔"

"ارے احمق.....! گھر سے تھا تو بات تو کراتیں۔ پتا ہے آج کل گھر میں سعود بھائی اور روبی کی شادی کا کتنا ہنگامہ ہے۔ ہم سب کزنز نے خوب پروگرام بنائے ہیں۔ تم آنا ضرور.....!" پھر دیر تک وردہ اسے شادی کے پروگرام بتاتی رہی۔

آج وردہ خود کو بہت آزاد، ہلکا پھلکا سا محسوس کر رہی تھی۔ شاید آج اس احساس، خوف سے آزاد تھی کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے یا ابھی کہیں سے بھی نکل آئے گا پھر کوئی بات، کوئی ہنگامہ ہو جائے گا۔ وہ اچھا برا افسانہ بن کر لوگوں کے ہونٹوں پر آنا نہیں چاہتی تھی۔

"ہماری لائبریری کتنی خوبصورت ہے ناں ناجیہ.....!" آج وردہ خود ریلیکس اور خوش تھی تو ہر چیز خوبصورت اور نکھری ہوئی لگ رہی تھی۔ وہ بیگ رکھ کر الماری کی طرف بڑھنے ہی لگی کہ موبائل کی بیل ہوئی۔ وہ تیزی سے پلٹی کیونکہ لائبریری میں موبائل کا لانا منع تھا۔ پہلی ہی بیل پر کئی ناگوار نظروں کی زد میں وہ شرمندہ سی آگے بڑھی۔ موبائل آف کرتے کرتے کرنے والے کا نام خوف اور غصے کی ملی جلی کوفت زدہ کیفیت میں ڈھلا اس کی رگوں میں اُتر گیا۔

"غزین آفاق.....!" وہ دانت پیس کر رہ گئی۔

"کیوں.....؟ کیوں فون ریسیو نہیں کر رہی یہ.....؟"

اس بار بھی وردہ نے بات کیے بغیر موبائل آف کر دیا تو غزین نے اپنا موبائل بیڈ پر اُچھال دیا اور خود سگریٹ سلگا کر لبوں سے لگایا ہی تھا کہ اسد نے سگریٹ چھین کر مسل کر ایش ٹرے میں ڈال دیا اور خود اسے گھورنے لگا۔

"تم اپنے ساتھ کرنا کیا چاہتے ہو.....؟ ایک سائیکو کیس ہو رہے ہو۔ آج کل تم ملازموں پر بلاوجہ چیخ چلا رہے ہو۔ سگریٹ، کافی پر گزارہ ہے تمہارا۔ وردہ وجاہت تمہارا پرابلم نہیں ہے۔"

"ہے..... ہے یہی تو کنفرم ہوا ہے کہ وردہ وجاہت میرا ہی پرابلم ہے۔ کاش وہ واقعی میرا پرابلم نہ بنتی مگر وہ..... وہ....."

غزین نے ایش ٹرے اُٹھا کر گلاس ٹیبل پر ماری تو اس کی کرچیاں پورے کمرے میں پھیل گئیں۔ غزین گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اسد کی سمجھ میں ساری بات آ گئی۔ کچھ دیر وہ چپ چاپ غزین کو دیکھتا رہا۔ اے سی روم میں بھی غزین پسینے میں شرابور تھا۔

"اوکے.....! ریلیکس ہو جاؤ۔" اسد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو اسے اپنا ہاتھ جلتا ہوا محسوس ہوا جس سے اندازہ ہوا کہ غزین کے اندر کتنی آگ بھری ہوئی ہے۔ اسی وقت ایک بندہ گھبرایا ہوا اندر آیا۔

"سر.....! وہ..... وہ ان کی حالت بہت خراب ہے۔" وہ غزین سے مخاطب تھا۔ غزین نے اس کا پیغام

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com

سمجھ کر اسے دیکھا۔ چہرے پر ایک تناؤ سا آ گیا۔

"پھر..... پھر میں کیا کروں.....؟" لہجے میں لاتعلقی تھی۔

"آپ سے ملنے اور آپ کو دیکھنے کی شدید ترین خواہش کا اظہار کیا ہے انہوں نے۔"

"مائی فٹ.....! جب میری کسی کو پروا نہیں تو..... تو میں ہی رہ گیا ہوں ہر ایک کی محبتوں کی پروا کرنے کے لیے۔"

"سر.....! ایسا نہ ہو کہ بعد میں آپ پچھتائیں۔"

"شٹ اَپ.....! اینڈ گٹ لاسٹ.....!" غزین دھاڑا۔ آنے والا محبتوں کا سفیر خالی دامن لوٹ گیا۔ خود غزین کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ ایک بے نام سی بے چینی نے زندگی کا قرار لوٹ لیا تھا۔ وہ اضطرابی کیفیت میں کمرے میں ٹہلنے لگا تو ننگے پاؤں میں ٹوٹے ہوئے کانچ اس کے پیروں کو لہولہان کر گئے۔ اسد تڑپ کر آگے بڑھا۔

"غزین.....! یہ کیا بچپنا ہے.....؟ میں جانتا ہوں تم اس قدر بیقرار کیوں ہو.....؟ ان سے مل آؤ، تو غلط درست کہہ رہا تھا، ایسا نہ ہو تم پچھتاؤ۔" اسے سہارا دے کر اسد نے صوفے پر بٹھایا اور پاؤں سے کانچ نکال کر پٹی باندھنے لگا تو اسے اندازہ ہی نہیں ہوا غزین کے خاموش آنسو اس کے گریبان میں جذب ہو رہے ہیں۔ غزین کے اندر آگ سی لگی ہوئی تھی۔

"کیوں اسد.....! کیوں.....؟ دُنیا میں پچھتانے کے لیے میں ہی رہ گیا ہوں.....؟ ان کو کچھ نہیں ہوگا تم..... تم جانتے ہو مجھے ان سے اتنی محبت ہے کہ ان کے لیے اپنی جان بھی دے سکتا ہوں مگر کیا کروں یار نفرت بھی اتنی ہی ہے کہ جان لے بھی سکتا ہوں۔ کیا چیز ہوں میں.....؟ میں نہیں جانتا۔ میری محبت زیادہ ہے یا نفرت اور جس روز اس بات کا فیصلہ ہو گیا نا اسد.....! تو اس روز وہ نہیں یا میں نہیں۔"

اس کے لہجے میں جیسے برف جم گئی، آواز کپکپا کر رہ گئی، ایک زخمی سی تلخ سی جان لیوا مسکراہٹ غزین کی لبوں پر آ گئی تو اسد نے اس کے دُکھ کو اپنے اندر اُتارتے ہوئے محبت کا ایک پھایا اس کے زخموں پر رکھا۔

"تمہاری محبت اور نفرت کے درمیان خدا کوئی ایسا راستہ نکال دے کہ زندگی کے اس فریم میں تم دونوں مسکراؤ، اس تصویر کی طرح۔"

اسد نے ایک بڑی سی تصویر کی طرف اشارہ کیا تو غزین کی آنکھوں میں اُتری دُھند میں تصویر دُھندلا گئی۔

• • •

ابرار کا فون ریسیو کرتے ہی عائشہ خرم کے ساتھ چل پڑی تھی۔ خرم بہت محتاط ڈرائیور تھے مگر اس وقت وہ معمول سے زیادہ رفتار سے گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے مگر عائشہ کو لگ رہا تھا جیسے گاڑی چل ہی نہ رہی ہو۔ ان کے اندر ایک طوفان سا اُٹھ رہا تھا، دل کسی خوف سے دھڑک رہا تھا۔ انجانے خوفناک وسوسے پریشان کر رہے تھے۔

"کیا شہباز بیٹی سے اتنا غافل ہے کہ وہ کسی نوجوان کے ساتھ.....؟"

"خدا کرے ایسا بھی وقت آئے شہباز.....! کہ میرا ہاتھ اور تمہارا گریبان ہو۔"

یہی دُعا مانگی تھی ناں لیلیٰ نے تو لگ رہا تھا کہ آج وہ دُعا قبول ہو گئی تھی۔

"نہیں.....! ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ تم سے جیت کے عوض میں اپنی بیٹی کو کسی ایسی غلط صورتِ حال میں نہیں دیکھ سکتی شہباز.....! جسے نہ مذہب قبول کرے نہ معاشرہ۔ خدا کرے ملنے والی یہ لڑکی میری بیٹی نہ ہو۔"

لیلیٰ کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ ممتا تھی کہ دُعائیں کر رہی تھی کہ خدا کرے یہ میری ہی بیٹی ہو مگر اس طرح کسی اجنبی نوجوان کے ساتھ فرار ہونے والی لڑکی کا سوچ کر لیلیٰ کو وحشت ہو رہی تھی۔ حالانکہ ایسا ہونے کی صورت میں ان کا ہاتھ اور شہباز کا گریبان ہو سکتا تھا۔

"کیا اسی لیے ماں بیٹی کو جدا کیا تھا.....؟ یہ ہے تمہاری تربیت.....؟ یہ ہے اسلامی اور اخلاقی سانچے میں ڈھلی تمہاری بیٹی.....؟"

"نہیں شہباز.....! مجھے ایسی جیت نہیں چاہیے کہ جس میں ہماری بیٹی ناپسندیدہ سچویشن میں پائی جائے۔ پروردگار.....! یہاں بھی شہباز کو فتح مند کرنا۔ میں سو جان سے ہار مان لینے کو تیار ہوں اگر میری بیٹی شہباز کی ایک مثالی عورت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو۔"

لیلیٰ کے چہرے پر سوچوں کی اُلجھن تھی، ہاتھوں کی آپس میں اُلجھی اُنگلیاں اس کے اندر ہوتی توڑ پھوڑ کی غماز تھیں۔

"ریلیکس لیلیٰ.....! ریلیکس.....!" خرم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ شدت سے رو پڑیں۔ خرم نے رونے دیا۔ وہ اپنی معصوم مظلوم بہن کی کیفیت کو سمجھ رہے تھے۔

"دُعا کرو لیلیٰ.....! کہ وہ لڑکی ہماری ہی بیٹی ہو۔" خرم نے صدقِ دل سے دُعا کی تو ابھی دُعا کی ادائیگی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ لیلیٰ چیخیں۔

"نہیں بھائی.....! دُعا کریں وہ ہماری بیٹی نہ ہو۔" مجھے اس صورتِ حال میں اپنی بیٹی نہیں چاہیے۔" لیلیٰ سسکنے لگیں تو خرم نے رفتار کم کرتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"کیوں لیلیٰ.....! میں چاہتا ہوں کہ ایسا ہی کمزور لمحہ ہماری گرفت میں آئے اور ہم شہباز کی ایک ایک بات کا جواب دے سکیں۔" ماضی کی ساری تلخی خرم کے لہجے میں گھل گئی۔

"نہیں بھائی.....! میری اور شہباز کی منطقی لڑائی تھی۔ نہ میں غلط تھی نہ شہباز غلط تھے۔ ہر چند کہ انہوں نے زیادتی کی مگر میں کسی بھی ایسے کمزور لمحے کے لیے دُعا گو نہیں ہوں جو شہباز کی ہار ہو اور میری جیت ہو۔ شہباز نے ہماری بیٹی کو ایک مثالی لڑکی بنانے کا دعویٰ کیا تھا بھائی.....! اور میں خدا سے دُعا کرتی ہوں کہ خدا کرے اس میدان میں شہباز جیت جائیں اور میری بیٹی کو ایک مثالی عورت بنانے میں کامیاب ہو جائیں۔ ایسا ہوا تو میں سو جان سے اپنی ہار مان لینے کو تیار ہوں۔"

گاڑی سے اُتر کر کوریڈور کو کراس کرنا ایک لمبا سفر لگ رہا تھا۔ لیلیٰ کا دل گھبرا رہا تھا، ہاتھ پیر انجانے خوف سے لرز رہے تھے۔ انہوں نے پیشانی پر آئے پسینہ کو صاف کیا۔ سامنے سے ابرار آ گئے۔

"ابرار.....! کہاں ہیں وہ لوگ.....؟" یہ جملہ بھی خرم کا تھا ورنہ لیلیٰ تو گنگ سی چور نظروں سے اردگرد دیکھ رہی تھیں۔

"اُوپر آفس میں ہیں۔" اور پھر ابرار، خرم کو تفصیل بتاتے اُوپر سیڑھیاں چڑھ رہے تھے، فاصلے بڑھ رہے

Scanned & Posted by Sanyoo
@OneUrdu.com
UrduPhoto.com

تھے کہ کم ہو رہے تھے مگر لیلیٰ کے پیروں سے تو لگ رہا تھا من من بھر کے پتھر باندھ دیئے گئے ہیں، تب ہی تو وہ اُٹھ نہیں رہے تھے۔ ابرار اور خرم اتنی دُور نظر آ رہے تھے کہ ان کی آواز بھی اب سماعتوں سے نہیں ٹکرا رہی تھی۔ عجیب سی کیفیت زنجیر بن گئی تھی پیروں کی۔ وہ وہیں بیچ راستے میں بیٹھ گئیں۔ وہ لمبے لمبے سانس لے رہی تھیں۔

"عائشہ.....! چلیں.....!" ابرار اپنا ہاتھ پھیلائے کھڑے تھے۔ عائشہ نے تھکے تھکے سے انداز میں اپنا ہاتھ ابرار کے ہاتھ میں دیا اور سہارا لے کر کھڑی ہو گئیں۔ ایسے لمحے ابرار کے لیے معتبر ہوتے جب عائشہ ان کو جان کر اعتبار کرتیں۔ دونوں ساتھ ساتھ چل تو رہے تھے مگر سوچ اور کیفیت کے راستے بھی جدا تھے اور منزل بھی۔

"ابرار.....! تمہیں یقین ہے کہ وہ میری ہی بیٹی ہے.....؟" خوفزدہ کپکپاتے لہجے میں ڈھلا یہ جملہ آنکھوں میں نمی بن کر اُترنے لگا تو ابرار نے پلٹ کر دیکھا اور دوسرے ہاتھ سے ان کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے تسلی دی۔

"سچ پوچھو تو نہیں، لیکن....." اتنی دیر میں ابرار نے جو معلومات کی تھیں، اس کا حاصل یہی تھا کہ وہ لڑکی عائشہ کی بیٹی نہیں۔ وہ لیلیٰ کی اندرونی حالت سے انجان تھے۔

"آؤ.....! آؤ لیلیٰ.....!" آفس میں خرم پہنچ چکے تھے۔ ایک طرف وہ لڑکی اور لڑکا بیٹھے تھے۔ لیلیٰ کی حالت خراب ہونے لگی، ٹانگوں میں جیسے جان نہ رہی ہو۔

ابرار کا بازو مضبوطی سے تھام لیا۔ خرم نے آگے بڑھ کر عائشہ کو کرسی پر بیٹھنے میں مدد دی۔

"جی تو بیٹا.....! یہ عائشہ ہیں، اس ادارے کی صدر ہیں۔ آپ کو جو کہنا ہے ان کے سامنے کہو اس کے بعد ہم کوئی فیصلہ کریں گے۔"

ابرار نے اس لڑکی اور لڑکے سے کہا۔ دونوں مڈل کلاس کے عشق کے مارے نوجوان تھے۔ لڑکی سانولے رنگ کی پرکشش تھی، لڑکا بھی قبول صورت تھا۔ دونوں نے اپنی جو کہانی سنائی اس میں کہیں بھی لیلیٰ کو نہ اپنا آپ ملا اور نہ شہباز نظر آئے۔ یہ اس کی اور شہباز کی بیٹی نہیں۔ جہاں یہ احساس اندر تک ٹھنڈک کا لطیف جھونکا بن کر اُتر گیا وہاں ان کو اس لڑکی اور لڑکے پر شدید تاؤ آ گیا۔ وہ غصے میں کھڑی ہو گئیں۔ ان کو ہمیشہ ہی ایسے لڑکے لڑکیوں سے نفرت رہی تھی جو اپنے وقتی جذبات کو محبت کا نام دے کر اپنے والدین کی عزت مٹی میں رول دیتے ہیں اور گھروں سے فرار ہونے والی لڑکیوں کے لیے تو ان کے دل میں رتی برابر رحم یا ہمدردی نہیں تھی اور اسی لیے انہوں نے ایک ایسے ہی ادارے کی بنیاد ڈالی تھی تاکہ راہِ راست سے بھٹک جانے والوں کو سیدھے راستے پر ڈالا جائے۔

"ہوں.....! تو تم لوگ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو.....؟ اتنی کہ ایک دوسرے کے لیے اپنے اپنے گھر اور خون کے وہ رشتے چھوڑ دیئے جو تم لوگوں کی ذرا ذرا سی تکلیف پر تڑپ اُٹھتے ہیں.....؟ ان والدین کی عزت کو خاک میں رول دیا جنہوں نے تم لوگوں کو آرام اور سکون دینے کے لیے راتوں کی نیند قربان کی تو دن کا سکون برباد کیا.....؟ خیر.....! یہ بتاؤ عابدہ.....! کہ تم اپنے گھر سے فرار ہونے والے فیصلے سے خوش اور مطمئن ہو.....؟ کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ شخص جس کی باتوں میں آ کر تم نے اپنے والدین کی عزت برباد کر دی ہے تمام عمر تمہارا ساتھ دے گا.....؟ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ کچھ عرصے کے بعد یہ کسی اور عورت کے عشق میں گرفتار

ہو کر تمہیں نہیں چھوڑے گا.....؟"

لیلیٰ کو اس قدر غصہ آ رہا تھا کہ انہوں نے بمشکل خود پر قابو پایا ہوا تھا۔

"یہ تو کہتا ہے کہ مرتے دم تک صرف مجھ سے ہی محبت کرے گا۔" لڑکی رونے لگی۔

"اچھا.....! اس نے کہا اور تم نے یقین کر لیا.....؟ اور ان محبتوں کو جھٹلا دیا تم نے جو بے لوث تھیں.....؟ جنہوں نے تمہیں پال پوس کر اس قابل بنا دیا کہ تم ان کی عزت کی شفاف چادر کو داغ دار کر کے گھر سے فرار ہو جاؤ.....؟ روند ڈالو ان کی عزت کو پیروں تلے.....؟ اچھا تو اسلم بیٹا.....! تم بتاؤ، تم اس لڑکی عابدہ سے واقعی اتنی محبت کرتے ہو کہ نہ اس کے گھر والوں کی عزت کا خیال رہا نہ ہی اپنے گھر والوں کی عزت کا پاس کیا.....؟ وقتی جذبات میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ خون کے رشتوں کو مات دے سکیں.....؟ ہاں.....! بتاؤ.....!"

کوشش تو بہت کی تھی لیلیٰ نے مگر لہجہ پھر بھی سخت اور تلخ ہو گیا۔ لیلیٰ کو تو اس قدر غصہ آ رہا تھا کہ ان کا بس چلتا تو دونوں کو اتنا مارتیں کہ ان کے حواس ٹھکانے آ جاتے جنہوں نے اپنے اپنے گھر والوں کی عزت پامال کی تھی۔

"ہاں.....! بولو کیا..... کیا تم عابدہ کو اس کے گھر والوں سے زیادہ چاہتے ہو.....؟ اور ان سے زیادہ اچھی اور خوشحال زندگی دے سکتے ہو.....؟ بولو کیا حیثیت، کیا مقام ہے تمہارا معاشرے میں جس کے بل بوتے پر تم ایک گھر کی عزت کو بھگا لائے ہو.....؟"

لیلیٰ نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ اس وقت وہ کن جذباتی کشمکش سے گزر رہی ہیں یہ خرم اور ابرار ہی سمجھ سکتے تھے۔ خرم نے آگے بڑھ کر لیلیٰ کا شانہ دبا کر پرسکون رہنے کی ہدایت کی۔ لڑکا اور لڑکی کانپ رہے تھے۔ انہوں نے تو سوچا تھا دو چار دن عیش کریں گے مگر یہاں تو سر منڈواتے ہی اولے پڑنے لگے تھے۔

"میڈم.....! میں..... میں تو کچھ بھی نہیں، نہ ہی میں اسے بھگا کر لایا ہوں۔ یہ خود ہی میرے پیچھے لگ گئی تھی، خود ہی محبت کا دعویٰ کرتی تھی، گھر سے نکلنے کا بھی اس نے خود ہی پروگرام بنایا تھا۔ میڈم.....! آپ میرا یقین کریں میرا کوئی قصور نہیں۔"

لڑکا پولیس کے خوف سے لرزنے لگا۔ لیلیٰ نے خرم اور ابرار کو دیکھا پھر وہ لڑکی کی طرف بڑھیں اور بولیں۔

"یہ دیکھ لیا تم نے اپنے اس عاشق کا حال جس کی محبت میں تم نے اپنے غریب والدین کی عزت برباد کر دی.....؟ اس نے سارا الزام تم ہی پر لگا دیا ہے۔ ذرا بھی خیال نہیں آیا اسے تمہارا۔ پولیس کے خوف سے عشق کا بھوت ہرن ہو گیا۔ یہ..... یہ تمہیں تحفظ دے گا.....؟" لیلیٰ کا چہرہ سلگنے لگا۔ جب سے انہوں نے اس ادارے کی بنیاد رکھی تھی ایسے بے شمار واقعات ہوئے تھے جو ابرار اور لیلیٰ نے مل کر حل کیے تھے۔ لڑکی، لڑکے اور والدین کو بلا کر ان کے مسائل حل کیے تھے لیکن آج شاید ان کی اپنی فلینگ ہرٹ ہوئی تھیں اور دوسرا لڑکی کے باپ کا نام شہباز تھا۔ اس لیے لیلیٰ کو بہت غصہ آ رہا تھا۔ وہ کسی لیلیٰ، کسی شہباز کی بیٹی کو گمراہی کے راستے پر جاتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ لڑکی بری طرح رو رہی تھی۔

"میڈم.....! یہ..... یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اب ڈر کر جھوٹ بول رہا ہے ورنہ اس نے خود مجھ سے یہ سب کروایا۔ خط لکھا کرتا تھا اور گھر سے بھاگنے پر بھی اسی نے اُکسایا اور اب بکواس کر رہا ہے۔" عابدہ کا لہجہ سچ کہہ رہا

UrduPhoto.com

تھا۔ ان تینوں کو عابدہ ہی کی بات پر اعتبار آیا۔

"ہم جانتے ہیں بیٹا.....! مگر پھر بھی سو فیصد قصور تمہارا ہی ہے۔ بیٹیوں کو تو اپنے والدین کی عزت پر اپنی جان بھی دے دینی چاہیے نہ کہ ان کی عزت کو بٹا لگا کر فرار ہو جانا چاہیے۔ سوچو ذرا تمہارے گھر سے فرار ہونے کے بعد تمہارے گھر والوں کا کیا حال ہوا ہوگا.....؟ کس کس جھوٹ کو انہوں نے اپنی ڈھال بنایا ہوگا.....؟ تمہاری ماں نے تمہارے باپ سے کتنی مار کھائی ہوگی.....؟ رشتے داروں نے تمہاری ماں کی تربیت پر کتنی باتیں نہیں بنائی ہوں گی.....؟ ایک لمحے کے لیے سوچو.....! آج جو حرکت تم نے کی ہے، تمہارے والدین جس کرب و جس عذاب سے گزر رہے ہیں کل کو یہی صورت حال تمہارے ساتھ ہو تو اپنا منہ کہاں چھپاؤ گی.....؟ کس طرح لوگوں کی باتوں کا جواب دو گی.....؟ تم نے دیکھ لیا ناں یہ شخص جس کی محبت میں تم نے اتنا غلط قدم اُٹھایا.....؟ وہ سارے الزام تم پر دھر رہا ہے۔ اس کی محبت اور ساتھ کا کیا اعتبار.....؟ فیصلے وہی بہترین ہوتے ہیں جو والدین کرتے ہیں۔ ان کے فیصلے، ان کی عمر اور تجربے کی بھٹی میں پکے ہوئے پائیدار فیصلے ہوتے ہیں اور یہ لگاوٹ سے تم لوگ محبت سمجھ کر گھروں سے فرار ہو گئے ہو، یہ محض وقتی جذبات ہیں اور کچھ نہیں۔" اور پھر لیلیٰ نے اسی وقت دونوں کے گھر والوں کو بلایا اور دونوں کو ان کے گھر والوں کے حوالے کیا اور جب ابرار نے کوشش کی کہ دونوں کے والدین ان دونوں کا آپس میں رشتہ طے کر دیں تو عابدہ نے سختی سے انکار کر دیا۔

"نہیں میڈم.....! جس شخص نے اتنے سفر میں میرا ساتھ چھوڑ دیا تو وہ زندگی کے اتنے لمبے سفر میں میرا ساتھ کیا دے گا.....؟ آپ نے درست کہا ہے، جسے ہم نے محبت جان کر اپنے پیارے، جان لٹانے والے گھر والوں کو دُکھ دیے، دھوکا دیا، بدنام کیا وہ محبت فریب کے سوا کچھ بھی نہیں اور سر.....! آپ نے بھی درست کہا، بیٹیوں کو تو اپنے والدین کی عزت پر قربان ہو جانا چاہیے۔ میں غلط تھی، میرا فیصلہ غلط تھا، اب مجھے معاف کر دیں۔"

عابدہ اپنے ماں اور باپ کے قدموں میں گری اپنی غلطی کی معافی مانگ رہی تھی۔ درگزر، معافی والدین کی شدید محبتوں کی چھوٹی سی مثال ہوتی ہے۔ ان لوگوں کو ان کے گھر والوں کے حوالے کر کے وہ لوگ بھی پرسکون ہو گئے۔

• • •

آج لیلیٰ کی طبیعت بہت مضطرب تھی، گھر آ کر وہ شدتوں سے روئی تھیں۔ ایک ایک کر کے سارے زخم ہرے ہو گئے تھے۔

"آج پھپھو بہت اَپ سیٹ ہیں بھائی.....!" آتے ہی جب شہرام کو اطلاع ملی تو وہ سنی کو لے کر پھپھو کے کمرے میں گیا۔ انہوں نے جلدی سے چہرہ صاف کر کے مسکرانے کی کوشش کی تو شہرام ایک دم بولا۔

"یہ ہوئی ناں بات.....! چلیے چلیے پھپھو.....! تیار ہو جائیں، سی سائیڈ چلتے ہیں۔"

سنی خوش ہو گئی اور لیلیٰ کو بھی اُٹھانے لگی مگر ان کا دل بالکل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ دل عجیب ویران سا تھا مگر ان دونوں کے سامنے کہاں کوئی بہانہ چلتا، تیار ہونا ہی پڑا۔

"کوئی کہیں نہیں جا رہا۔" وہ تینوں تیار ہو کر نیچے آئے تو خرم کے حکمیہ انداز نے سب کو حیرت میں ڈال

دیا۔ سنی اور شہرام بری طرح بور ہوئے۔

"مگر کیوں پپا.....! ہم لوگوں نے آج پھپھو کو پانی دکھانا ہے۔"

"ارے ارے.....! آپ کی پھپھو نے آج تک پانی نہیں دیکھا تو زندہ کیسے ہیں.....؟ خیر ہم پھپھو کو پانی دکھاتے ہیں۔ بھئی پھپھو.....! یہ جگ میں جو شفاف سی چیز ہے ناں، اس کا نام پانی ہے اور اس کا قدرتی ذائقہ تو پھیکا ہے مگر آپ چاہیں تو حسب منشا اس میں نمک، چینی، شربت جو چاہیں ملا کر پی سکتی ہیں۔ لیجیے ٹیسٹ کیجیے اور غور سے دیکھیے۔"

خرم نے پانی گلاس میں ڈال کر لیلیٰ کے ہاتھ میں دیا تو وہ ہنسنے لگیں جبکہ ان دونوں کا موڈ سخت آف ہو گیا۔ آج ان کا پروگرام تھا گھومنے پھرنے کا۔

"پپا! دس از ناٹ فیئر.....! ہم جائیں گے۔" شہرام بچوں کی طرح بسورنے لگا، سنی نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

"مما.....! یہ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ آپ کے اتنے ہینڈسم بیٹے خرم کی اولاد ہے، اتنی بدشکل، اُف.....!"

"پپا.....!" دونوں نے احتجاجاً نعرہ لگایا۔ فاطمہ بیگم اور لیلیٰ مسکرانے لگیں۔

"اچھا.....! اب ڈراؤمت اور جلدی سے حلیہ درست کر کے آؤ۔ آج ہماری دعوت ہے محسن صاحب کے ہاں۔ وہاں جانا ہے ہم لوگوں نے۔"

"پھپھو.....! آپ بھی جائیے.....! آپ کا حلیہ بھی کوئی قابل ستائش نہیں۔" سنی نے لیلیٰ سے کہا۔

"پپا.....! میں جانتا ہوں محسن نامی کوئی آپ کا دوست نہیں۔ آپ ہمیں فول بنا رہے ہیں۔"

"پہلی بات تو یہ بیٹا جی.....! یہ بنانے کا کام میرا نہیں، آپ میں یہ فالٹ پیدائشی ہے۔ دوسری بات یہ کہ محسن صاحب حال ہی میں کینیڈا سے پاکستان شفٹ ہوئے ہیں اور ہمارے ساتھ مل کر بزنس کرنا چاہتے ہیں اور یہ دعوت اسی سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ بے اصرار کر کے انہوں نے سب کو بلایا ہے، تم ملو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔"

"ایکسکیوزمی سر.....! مجھے کبھی بھی محسنوں سے مل کر خوشی نہیں ہوتی۔ میں آپ لوگوں کے ساتھ نہیں جا رہا۔" اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"چلے چلو شہرام بیٹا.....! ہو سکتا ہے تمہاری خوشی کا بھی کوئی سامان ہو۔" لیلیٰ نے آہستگی سے اس کے کان میں کہا تو وہ خشمگیں نظروں سے ان کو دیکھنے لگا۔

"یعنی کہ پھپھو.....! آپ مجھے ایسا ویسا نوجوان سمجھتی ہیں.....؟ پھپھو.....! لیکن میں..... میں....." وہ خفا ہو کر اُٹھا۔ چند قدم آگے بڑھا پھر واپس لیلیٰ کے قریب آ گیا۔

"ویسے آئیڈیا آپ کا برا نہیں، چانس لینے میں حرج ہی کیا ہے.....؟" اور پھر اس نے تیار ہونے میں دیر نہیں لگائی اور اب وہ محسن صاحب کی خوبصورت کوٹھی کے گیٹ پر کھڑے تھے۔ ملازم کے پیچھے چلتے خوبصورت ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر اپنے میزبانوں کا انتظار کر رہے تھے کہ خرم جو گاڑی میں اپنا موبائل بھول آیا تھا لے کر آیا تو کسی سے بری طرح ٹکرا گیا۔

• • •

Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com
UrduPhoto.com

شرجیل بچوں کی طرح سسک رہا تھا۔ خوف سے اس گرمی میں بھی ہاتھ پاؤں برف ہو رہے تھے۔

"آ..... آپ لوگ کون ہیں آنٹی.....؟ مجھے کہاں لے جا رہی ہیں.....؟ پلیز.....! مجھے جانے دیں ناں۔" اس کی التجا اس کے آنسوؤں میں بہہ گئی۔

"اے چل ہٹ.....! چھوڑ دوں.....؟ ارے میری شہزادی.....! تو نہیں جانتی تو ہے کیا چیز..... ہائے ہائے.....! قسم سے رب سوہنے نے بڑی فرصت میں بنایا ہے تجھے..... میں تو مر کر بھی تجھے نہیں چھوڑوں گی اور دیکھ خبردار.....! جو ہمیں آنٹی کہا ہو..... جہاں ہم ہیں، وہاں کوئی رشتہ نہیں ہوتا اور سن..... میرا نام ناصرہ اور اس کا عاصمہ ہے اور وہاں ڈیرے پر اور بھی ہوں گی تو ان سے..... نہیں، وہ تجھ سے مل کر ناچنے لگیں گی۔"

ناصرہ نے اسے دونوں بازوؤں میں بھینچ لیا تو شرجیل کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

"آپ لوگ مجھے میرے گھر پہنچا دیں پلیز.....!" وہ گڑگڑانے لگا۔

"گھر.....؟ کون سے گھر میری جان.....! ہم لوگوں کا تو کوئی گھر نہیں ہوتا گڑیا.....!"

عاصمہ نے بڑھ کر شرجیل کے گال پر پیار کیا تو اسے گھن آنے لگی اور شدت آ گئی آنسوؤں میں۔

"میں گڑیا نہیں ہوں، میں گڈا ہوں اور میں بے گھر نہیں ہوں، میرا گھر ہے۔ میرے پپا ہیں، میری مما اور میری ماہم ہے۔ آپ پلیز مجھے ان کے پاس چھوڑ دیں۔"

"نہ رو میری چاندنی.....! نہ رو، تیرے میرے یہ رشتے نام کو ہوتے ہیں۔ جب ہم ان کے گھروں میں جنم لیتے ہیں نا تو رگوں میں دوڑتا خون جم جاتا ہے، محبت کی آگ بجھ جاتی ہے اور پھر ہم لوگوں کو گروڈیرے چھوڑ دیتے ہیں۔ اپنے گھروں سے ایسے ہی نکالتے ہیں میری جان.....! جیسے تمہیں۔" ناصرہ نے اپنے ٹشو کے دوپٹے سے شرجیل کا چہرہ صاف کرنا چاہا مگر اس نے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"مجھے کسی نے گھر سے نہیں نکالا، کون ہو آپ لوگ.....؟ میری بات کیوں نہیں سمجھ رہیں.....؟ مجھے اپنے گھر جانا ہے، بس روکو ٹیکسی، مجھے مما اور ماہم کے پاس جانا ہے، روکو۔" شرجیل نے روتے روتے کہا اور خود ہی دروازہ کھولنے لگا۔

"زیادہ اکڑ مت دکھا پری.....! ورنہ تو جانتی نہیں ناصرہ کو تیرے جیسی بہت سی کو تیری طرح سیدھا کیا ہے میں نے چپ چاپ بیٹھی رہ ورنہ....."

شرجیل کے خوبصورت کرلی ریشمی بال ناصرہ کی مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے اور بازو پر اس نے بڑی سی چٹکی بھری کہ وہ کراہ کر رہ گیا۔

"مما.....! میں..... میں کہاں ہوں مما.....! مجھے لے جائیں..... ماہم.....! ماہم.....!"

وہ گڑگڑاتا رہا، روتا رہا مگر ناصرہ اور عاصمہ اسے گروڈیرے لے آئیں۔ عجیب سی دنیا تھی، بڑا سا ایک گھر، بڑا سا صحن، کئی کمرے اور ناصرہ، عاصمہ جیسی بے شمار رنگ برنگے لباس میں موٹے موٹے ہونٹوں پر چبھتے رنگوں کی لپ اسٹک لگائے، آنکھوں میں سرمہ ڈالے بڑی ہیبت ناک لگ رہی تھیں شرجیل کو۔ وہ سہم کر خود میں سمٹ گیا۔ اس وقت وہی سب کی توجہ اور نظروں کا مرکز تھا، ہر کوئی اپنی بولی بول رہا تھا۔

"صدقے جاؤں.....! کیا چیز لے آئی ری ناصرہ.....! تو....."

"ہائے.....! مر جاواں.....!" جاتے جاتے راشدہ چھیڑنے سے باز نہیں آئی۔ شرجیل کی آنکھوں میں اتری برسات کی دھند میں سارے منظر گڈمڈ ہو رہے تھے۔ سب اس کے گرد گھیرا ڈالے ناچ گا رہی تھیں۔ ان کی تالوں کی مخصوص آواز شرجیل کی سماعتوں کو چیر رہی تھی۔ وہ سمٹا ہوا گویا دیوار میں گھس جانا چاہتا تھا۔

"ہائے.....! اُف.....! کیا چیز پکڑ لائی ہو ناصرہ.....! مجھے راشو نے بتایا تو میرے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ گیا۔ واہ.....! راشو تو تعریف کر ہی نہیں سکی۔ جیوے بنڑ اعمراں ساریاں۔" یہ چھمو تھی، اس اطلاع پر کھانا پینا چھوڑا، ڈھیر ساری لپ اسٹک لگائی، سرمہ لگایا اور بھاگی آئی۔ ناصرہ اور عاصمہ اترائی اترائی پھر رہی تھیں۔ گویا قارون کا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہو۔

"تیرے تو مزے ہو گئے ناصرہ.....!" چھمو نے ناصرہ کو ٹہوکا مارا تو عاصمہ جو اس کارنامے کی ادائیگی میں ماں کے ساتھ تھی، راکھ ہو گئی۔ شرجیل کو گھسیٹ کر ساتھ لگا لیا۔

"کیوں.....؟ ناصرہ کے مزے کیوں ہو گئے.....؟ اس پر ہم دونوں کا حق ہے۔"

"اے.....! اپنی اوقات پہچان۔ اس حسینہ پر پہلی نظر میری پڑی تھی۔ زیادہ میرا حق ہے۔"

"نہیں میرا.....!" یوں عاصمہ اور ناصرہ بدنصیب شرجیل کو اپنی اپنی طرف گھسیٹ رہی تھیں تو معصوم شرجیل جس نے ماں باپ کی چھینا جھپٹی میں اپنی پہچان، اپنا یقین، اپنا اعتماد کھویا تھا اس وقت ان سب کے درمیان بے یقینی کی صلیب پر لٹکا چیخ رہا تھا، رو رہا تھا۔

"اللہ میاں جی.....! بچا لیجیے۔ اللہ میاں جی.....! آپ کو تو پتہ ہے ناں میں کون ہوں.....؟ مرد ہوں کہ عورت ہوں یا..... نہیں.....! مما.....! آ جائیے پلیز مما.....! آ جائیے۔ ماہم.....! ماہم میری بہن.....! دیکھو تو تمہارے بھائی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے.....؟ ہاں، ہاں.....! مجھے اپنا پتہ مل گیا، میں لڑکا ہوں، ماہم کا بھائی ہوں، وہ مجھے بھائی کہتی ہے تو بھائی تو مرد ہوتے ہیں ناں.....؟ میں مرد ہوں، مجھے چھوڑ دو۔ مما.....! ماہم.....!" وہ پوری قوت سے چلایا تھا۔

• • •

"کوئی پتہ چلا میرے بچے کا واصف.....! میرا بیٹا.....! میرا بیٹا لا کر دو، میں مر جاؤں گی۔ کہاں گیا میرا بچہ.....! میرا بچہ شرجیل.....!"

رات کے چار بج رہے تھے۔ شرجیل کی ڈھنڈیا تو دس بجے سے شروع ہو گئی تھی کیونکہ وہ تنہا کبھی باہر نہیں نکلتا تھا۔ ہمیشہ ماہم کے ساتھ واک کے لیے نکلتا۔ وہ تو اعتماد کی روشنی سے محروم تھا۔ یقین کی بے ساکھی اس کے پاس نہیں تھی پھر وہ کیوں باہر نکلتا۔ آمنہ کو بار بار غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ ماہم نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔ باقی سارا گھر جمع تھا۔ لڑکے گھر سے نکلے ہوئے تھے۔ کہاں کہاں اسے تلاش نہیں کیا جا رہا تھا۔

"شرجیل.....! میرے بچے.....! کہاں چلے گئے ہو میرے بیٹے.....! لوٹ آؤ۔ اب میں نے ہدایت کی منزل پائی ہے تو تم بے نشان راستوں میں کھو گئے ہو۔ میرے بچے.....! لوٹ آؤ کہ تم سے اپنی زیادتیوں کی معافی مانگ لوں۔ میری محبت اور توجہ کو ترسی ہوئی تمہارے دل کی خشک زمین کو تر کر دوں۔ شرجیل.....! میں کسی بڑی سزا کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ آ جاؤ بیٹے.....! اب تو تمہاری ماں نے بھی مجھے معاف کر دیا ہے اور تم نے سزا دینے

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com

کا فیصلہ کرلیا۔نہیں میرے بیٹے.....! آجاؤ۔ پروردگار.....! میرا بیٹا لوٹا دے۔"

نماز کے بعد واصف سجدے میں گرے بری طرح گڑگڑا رہے تھے۔ حالات کے اس آئینے میں آج ان کو اپنی شکل بہت بھیانک اور مکروہ لگ رہی تھی۔ اب تو پچھتاوے کی گرد بھی ہاتھوں میں نہیں رہی تھی۔

"بھائی.....! حوصلہ رکھیں، انشاء اللہ ہمارا شرجیل لوٹ آئے گا۔ آپ دُعائیں کریں کہ وہ سلامت ہو۔ اللہ نے چاہا تو بہت جلد آجائے گا ہمارا بیٹا۔"

عارف واصف کو تسلی دیتے دیتے خود رو پڑے۔ ساری رات بیت گئی تھی کوئی خیر خبر نہیں آئی تھی۔ تمام تھانوں میں رپورٹ کردی گئی تھی، ہاسپٹل چیک ہوگئے مگر شرجیل کا کہیں اتا پتا نہیں تھا۔

"یہ سب میری ہی وجہ سے ہوا ہے ناں.....؟ میں ایک بے بنیاد وہم کے پیچھے بھاگتا رہا اور میرے حالات کا بھوت میری دُنیا برباد کرگیا۔نہیں.....! میں خود کو معاف نہیں کروں گا..... ہرگز نہیں۔"

بچپن سے جوانی تک کے وہ تمام واقعات، وہ مناظر نگاہوں میں کرچیاں بن کر چبھنے لگے، کس کس طرح وہ شرجیل کو مارا کرتے تھے، وہ معصوم ننھے منے ہاتھ باندھ کر اپنی خطا پوچھتا رہ جاتا اور وہ اسے اُٹھا اُٹھا کر پھینکتے رہتے۔ گویا وہ گوشت پوست کا زندہ انسان نہ ہو بلکہ کوئی بے جان بت ہو۔

"پپا.....! باہر بہت ٹھنڈ ہے۔ پپا.....! میرے پاؤں سُن ہو چکے ہیں۔ پپا! مجھے بہت سردی لگ رہی ہے۔ پاپا.....! مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ پپا.....! میرے بدن میں بہت درد ہو رہا ہے۔ پلیز.....! مجھے اندر آنے کی اجازت دیں۔" ماضی کی ایک تلخ یاد واصف کو تڑپا گئی۔ اس رات برف باری بھی ہوئی تھی اور واصف نے اپنے اندر کی آگ کو بجھانے کے لیے نہ صرف بلاوجہ شرجیل کو پیٹا تھا بلکہ کمرے سے باہر نکال دیا تھا اور اس کی سعادت مندی کہ دروازہ کھلا ہونے کے باوجود وہ بلا اجازت اندر نہیں آرہا تھا۔

"ماہم.....! پلیز تھوڑا سا دودھ ہی پی لو، تم نے کچھ نہیں کھایا۔"

ثنا مسلسل ماہم کے ساتھ لگی ہوئی تھی جس کے دل میں ایک آگ سی لگی ہوئی تھی۔ اس کا عزیز از جان بھائی لاپتہ ہوگیا تھا، اسے قرار سکون کیا آتا، ان دونوں نے بہن بھائی بن کر نہیں، سہیلیاں بن کر بچپن گزارا تھا۔ جب تک شرجیل نارمل رہا، دونوں چپکے چپکے کھیلا بھی کرتے، ہنسا بولا کرتے، ڈھیر ڈھیر باتیں کرتے پھر جیسے جیسے شرجیل کے دماغ میں خلل آنے لگا۔ وہ سہما ہوا بچہ چھوٹی بہن کی اوٹ میں چھپنے لگا، ذرا کچھ ہوجاتا تو وہ ماہم کے پیچھے چھپ جاتا، وہ تو اب اپنی اس بہن جس کو وہ اپنی ڈھال سمجھتا تھا، ایک پل بھی اس سے جدا نہیں رہ سکتا اور اب نجانے کہاں کھو گیا تھا۔

"بھائی.....! کہاں ہو آجاؤ.....!"

ماہم بری طرح رو رہی تھی۔ کبھی دیوار سے سر ٹکرانے لگتی، کبھی بال نوچنے لگتی۔

تانیہ نے آگے بڑھ کر ماہم کو سنبھالا تو ثنا آہستگی سے اس کے قریب آگئی۔ شرجیل کا یوں لاپتہ ہوجانا کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ وہ منیب کی حرکت چھپا جاتی۔ ہرچند کہ منیب کی حرکت بھی کوئی نئی نہیں تھی۔ یہ تو اس کی معمول کی باتیں تھیں جو اس نے شرجیل سے کی تھیں مگر ثنا کو شرجیل کے لاپتا ہونے کا شدید دُکھ تھا اور کچھ ان سب کی حالت اس سے دیکھی نہ گئی تو اس نے موبی کی حرکت بتادی تو غمزدہ ماہم جس کا دل صدمے سے پھٹ رہا تھا،

دماغ طرح طرح کے واہموں سے خراب ہو رہا تھا۔ اس بات پر اس نے ثناء کو جھنجوڑ ڈالا۔

"تم نے اب تک یہ بات کیوں چھپائی.....؟ کہاں ہے یہ.....؟ میں..... میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

ماہم ننگے پاؤں دیوانوں کی طرح سارے گھر میں موبی کو تلاش کرتی رہی جو باقی سب لڑکوں کے ساتھ شرجیل کی تلاش سے ابھی ابھی لوٹا تھا۔ ماہم نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"کہاں ہے میرا بھائی.....؟ کیا کہا تھا اس کو.....؟ ارے.....! اس بدنصیب نے کسی کا کیا بگاڑا تھا.....؟ اگر میرا بھائی مجھے نہ ملا تو..... تو میں تمہیں مار ڈالوں گی۔"

ماہم پر ہذیانی کیفیت طاری تھی۔ اس نے موبی کا چہرہ نوچ ڈالا۔ اس وقت وہ بالکل پاگل ہو رہی تھی، باقی سب لڑکے گھر میں موجود تھے۔ ایک اسی کا بھائی نہیں تھا اور یہ احساس تیر کی طرح دل میں پیوست ہو کر درد کا ایک جہاں آباد کر رہا تھا۔

"موبی.....! کہاں ہے میرا بھائی.....؟ تم نے ہی اسے گھر سے نکالا ہے۔ جاؤ لے کر آؤ میرا بھائی۔"

اندر کہیں موبی کو بھی یہ شرمندگی تھی کہ شرجیل کے گھر سے جانے میں اس کی شرارت کا بھی ہاتھ ہے اور یوں بھی خون کا رشتہ تھا جس کی وجہ سے وہ اتنی مار بھی کھا رہا تھا۔ اس بار ماہم کا زوردار تھپڑ موبی کی فطرت کو جگا گیا۔

"نہیں معلوم مجھے کہاں گیا ہے وہ پاگل..... نہ میں نے اسے گھر سے نکالا ہے اور خبردار جو اب تم نے مجھے کچھ کہا ہو۔" موبی نے ماہم کو زور سے پرے دھکا دیا تو تیمور اگر تھام نہ لیتا تو ماہم منہ کے بل نیچے گرتی۔

"شیم آن یو موبی.....!" تیمور نے موبی کو گھورا تو وہ چپ چاپ آگے بڑھ گیا۔ شاید یہ پہلا موقع ہی تھا کہ اس نے تیمور پر کوئی طنز نہیں کیا تھا۔

"ماہم.....! وہ صرف تمہارا ہی بھائی نہیں ہم سب کا بھائی ہے۔ تم دُعا کرو، ہم انشاء اللہ اسے ڈھونڈ لائیں گے۔ حوصلے اور ہمت سے کام لو ورنہ انکل آنٹی کی حالت تو پہلے ہی خراب ہے۔"

"تو ہوا کرے ان کی حالت خراب، یہ سب ان ہی کی مہربانی ہے، ان کی حرکتوں نے بھائی کو پاگل کیا، وہ اپنے حواس گنوا بیٹھا ہے کہ آج..... آج وہ گھر ہی چھوڑ گیا۔"

یہ بات درست تھی مگر ماہم کا ماں باپ کو یوں الزام دینا تیمور کو برا لگا۔

"ماہم.....! کیسی باتیں کرتی ہو.....؟ شرجیل ان کی اولاد ہے، جو حالت ان کی ہے وہ خدا ہی جان سکتا ہے۔" پھر سب کزنز بیٹھے اسے بہلاتے رہے مگر سکون کس کو تھا۔ دوسرے روز وہ ضد کر کے تیمور اور ثاقب کے ساتھ شرجیل کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ وہ بالکل بدحواس ہو رہی تھی، زبان پر دُعائیں تھیں، وحشت زدہ نظریں بھائی کو تلاش کر رہی تھیں ہر چہرے میں۔ ایک سگنل پر گاڑی رُکی تو وہ دوسری طرف متلاشی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"بھائی تیمور.....! وہ ہے، میرا بھائی۔" ماہم کچھ سوچے بغیر دروازہ کھول کر بھاگی، سگنل کھل گیا، بے شمار ہارن بجے، کئی بریکیں لگیں اور ماہم گر پڑی۔

• • •

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com

ہارون کیا آیا تھا گویا خولہ کی زندگی میں بہار آ گئی تھی۔ اب تو وہ بھی اپنی فرینڈز سے ہارون کی باتیں کرتی۔

"ہاں بھئی.....! تمہارا کزن کا آنا تو تمہارے لیے بہت اچھا ثابت ہو رہا ہے۔ بہار آ گئی ہے تمہارے چہرے پر، نکھری نکھری سی لگنے لگی ہو، چکر کیا ہے.....؟ کہیں وہ موصوف....." غزل کی شوخ اُدھوری بات کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی لیکن چونکہ اس نے اپنے دل میں ہارون کی کوئی ایسی ویسی حیثیت محسوس نہیں کی تھی۔ وہ تو صرف اس کا دوست تھا اور چونکہ ہارون کی سوچ اس کی سوچ کے عین مطابق تھی اس لیے وہ اسے اچھا لگتا تھا۔

"ہارون میرا بہت اچھا دوست ہے غزل.....!"

"ہاں.....! پہلے سب دوست ہی ہوتے ہیں بعد میں.....اینی ویز.....! مبارک ہو.....! کچھ تو رنگینی آئی تمہاری صحرا زدہ زندگی میں۔"

اس وقت بھی خولہ کتابیں ایک طرف رکھے ہارون کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس کی باتیں، اس کی سوچ سے ہم آہنگ اپنی سوچوں کو سوچ سوچ کر مسکرائے جاتی مگر دونوں کو بات کرنے یا مل بیٹھنے کے لیے شہباز اور عطیہ خاتون جیسے پہرے داروں کے ایسے اوقات کا انتظار کرنا پڑتا، جب وہ اپنی نجی مصروفیت میں اتنے مصروف ہوں کہ ان کی طرف دھیان نہ جائے۔

"ہیلو.....! کہاں ہو.....؟" وہ ہارون کے بارے میں سوچ رہی تھی اور وہ چپکے سے آ کر اس کے سامنے چٹکی بجاتا ہوا بولا تو اسے سامنے پا کر وہ ایک دم خوش ہو گئی۔

"ارے تم.....!" اتنے میں آپ جناب کی دیوار بھی گر چکی تھی۔

"ہاں تم.....! یہ بتاؤ کیا سوچ رہی تھیں.....؟" وہ اس کے سامنے کرسی گھسیٹ کر اس کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

"ہارون.....! معلوم ہے میں نے غزل سے بات کر لی ہے وہ ہمارے ساتھ جانے کو تیار ہے۔"

"قطعی نہیں.....! میں اس کو ہرگز ہرگز نہیں لے کر جاؤں گا۔"

ہارون نے غزل کو ساتھ لے جانے سے قطعی انداز میں انکار کیا تو خولہ کا چہرہ اُتر گیا۔ ہارون کی ضد بھی تو فضول تھی وہ اسے فلم دکھانے لے جا رہا تھا۔ گھر میں بابا اور عطیہ خاتون سے کیا جھوٹ بولنا ہے، کیا کہنا ہے، یہ پروگرام بھی طے تھا مگر اکیلے ہارون کے ساتھ جاتے ہوئے برا لگ رہا تھا۔ دوسرا اسے لے جانے کا مقصد یہ بھی تھا کہ ان دونوں کو بتایا جا سکے کہ وہ غزل کے پاس گئی ہے۔

"مگر کیوں ہارون.....! اس طرح تو....." وہ ڈرتے ہوئے اپنا خدشہ بھی نہ کہہ پائی۔

"کیوں.....؟ تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں کہ ساتھ کسی نہ کسی گارڈ کا ہونا ضروری ہے.....؟" وہ خفا ہو گیا تو خولہ پریشان ہو گئی۔

"نن.....نہیں ہارون.....! ایسی بات نہیں۔ تم پر اعتماد نہ ہوتا تو اس وقت تم سے تنہا بیٹھی بات بھی نہ کر رہی ہوتی مگر دیکھو ناں.....اگر ہمارے باہر جانے کا علم بابا اور عطیہ خاتون کو ہو گیا تو....."

خولہ کی ہر سوچ پر، خواہش پر پہرے تھے۔ ہارون چڑ گیا۔ وہ آزاد سوچ کا آزاد پنچھی، وہ حسین خولہ کو لے کر آزاد فضاؤں میں آزاد پرواز کرنا چاہتا تھا مگر یہاں تو خولہ کی ایک ایک سانس پر بھی پہرے تھے۔

"دیکھو خولہ.....! یہ زندگی ہے جو تم گزار رہی ہو.....؟ ارے.....! اس طرح تو قیدی بھی نہیں جیتے، ان کے صرف جسم قید ہوتے ہیں سوچ آزاد ہوتی ہے اور سوچ سے وہ فولادی سلاخوں کو کاٹ ڈالنے کے منصوبے بناتے ہیں اور آزاد ہو جاتے ہیں مگر تمہاری تو ہر سوچ، ہر سانس پر پہرے ہیں۔ دیکھو زندگی بار بار ملنے والی نعمت نہیں کہ اسے یوں برباد کر دیا جائے۔ زندگی کی خوشیوں پر، رنگ پر تمہارا بھی اتنا حق ہے جتنا دوسری لڑکیوں کا۔ اپنی دوستوں کو دیکھا ہے کتنی آزاد، مطمئن اور کلر فل لائف گزار رہی ہیں.....؟ ان کے بھی والدین ہیں، ان کے بھی مسائل ہوں گے مگر تم خود آزاد ہونا نہیں چاہتیں۔"

ہارون نے تاسف زدہ انداز میں کہا اور کھڑا ہو گیا اور اس کی یہ باتیں ہی خولہ کے اندر بغاوت کے شعلے کو ہوا دیتی ہیں۔ کچھ دیر کے لیے تو دل چاہتا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہارون کے ساتھ فرار ہو جائے اور آزاد فضاؤں میں پرواز کرے، جو اس کا دل چاہے وہ کرے اور پھر ہارون کی سنگیت، اس کی باتیں رنگ لانے لگیں۔ پہلے تو خولہ ہارون سے عطیہ خاتون اور بابا کے سامنے بات کرنے سے گھبراتی تھی۔ ہارون نے یہ گھبراہٹ، یہ جھجک، آہستہ آہستہ ختم کر دیا اور وہ ہارون کے ساتھ بیٹھنے لگی۔ پہلے تو یوں ہوتا کہ اگر وہ اس سے بات کر رہی ہوتی یا ملتی ہوتی، شہباز یا عطیہ خاتون کے آ جانے سے ادب لحاظ سے زبان وہیں رُک جاتی مگر یہ ہارون کی محبت اور اس کا اعجاز تھا کہ وہ بابا کے سامنے نہیں تو عطیہ خاتون کے سامنے تو بیٹھی ہی رہتی، باتوں میں مصروف رہتی، نہ ملاقات کے تسلسل میں فرق آیا نہ انداز میں، لحاظ ہی کی جھلک نظر آتی اور وہ جو کئی بار ہارون کے ساتھ غزل وغیرہ کے بہانے گھوم پھر آئی تھی اس کی خبر بھی ان دونوں پہرے داروں کو نہیں ہوئی تھی۔ کتنا مزا آیا تھا، کتنا گھومے پھرے تھے وہ لوگ۔ ہارون بھی خوش تھا، اپنے دوستوں میں خولہ کا تعارف کروا کر خوب داد حاصل کی تھی مگر اب کہ نہ بابا نے کچھ کہا تھا نہ ہی عطیہ خاتون نے سرزنش کی تھی۔ دونوں کی خاموشی کے بارے میں سوچتے ہوئے بہت سے راز کھلے تھے مگر ہارون کا خیال تھا۔

"اصل میں تمہارے بابا کو اپنی زیادتیوں کا احساس ہو گیا ہے اس لیے اب وہ تمہیں آزاد چھوڑ دیتے ہیں ورنہ کبھی مجھ جیسا ہینڈسم لڑکا ان کو کہاں ملے گا.....؟"

دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ شہباز اندر داخل ہوئے۔ ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ خولہ کی جان نکل گئی، وہ کھڑی ہو گئی۔ انہوں نے اسے نظر انداز کر کے عطیہ خاتون کو آواز دی۔ مارے خوف کے خولہ کی جان نکل رہی تھی۔

"عطیہ خاتون.....!" شہباز کی آواز پر عطیہ خاتون جلدی سے آگے بڑھیں۔

"یہ دو ٹکٹیں ہیں عطیہ خاتون.....! کل آپ اور خولہ پاکستان لاہور جا رہی ہیں۔"

◆ ◆ ◆

UrduPhoto.com
Scanned & Posted by Sanyoo
@ OneUrdu.com